چسنن

گلشن شدہ

ناول

چندن

گلشن نندہ

خیام پبلشرز
ادب کی تابندہ قدروں کا درخشاں نشان

چندن

گلشن نندہ

خیّام پبلشرز

چوک اُردو بازار ——— لاہور

حقوق اشاعت بحق مصنف محفوظ

بار اوّل ——— فروری ۱۹۸۰ء
ناشر ——— رشید سائل
تعداد ——— ایک ہزار
مطبع ——— منظور پرنٹنگ پریس لاہور
قیمت ———

پی جبکہ شراب اُس نے چندن سا بدن دمکا
سونا اسے کہتے ہیں، اکسیر اسے کہتے ہیں

ایئر انڈیا کا بوئنگ طیارہ امریکہ اور یورپ کی فضاؤں کو چیرتا ہوا برق رفتاری سے ہندوستان کی طرف رواں دواں تھا۔ جیسے جیسے طیارہ ہندوستان کے قریب پہنچ رہا تھا۔ ہندوستانی مسافروں کے دلوں کی دھڑکنیں تیز ہوتی جا رہی تھیں۔ وہ اپنے وطن پہنچنے کے لئے بے قرار تھے۔

بال یوگی چیتن آنند بھی انہی مسافروں میں سے ایک تھے۔ بائیس چوبیس برس کے خوبرو نوجوان، جن کے چہرے پر ایک انوکھا جلال اور غیر معمولی نور جھلکتا تھا۔ وہ آج چار برس بعد اپنے وطن لوٹ رہے تھے۔ یورپ اور امریکہ میں انہوں نے اپنے روحانی لکچروں سے ہلچل مچا دی تھی۔ وہاں کے لوگوں کو ایٹمی دور کی برق رفتار ترقی اور دولت کی ریل پیل کے تباہ کن نتائج نے مذہب سے دور کر دیا تھا اور اُن کا ذہنی سکون چھین کر زندگی کو بے مقصد بنا کر رکھ دیا تھا۔ اس لئے جب وہ ہندوستانی رشیوں اور منیوں کے فلسفے میں زندگی کا مقصد اور روحانیت کا سمندر ٹھاٹھیں مارتا ہوا دیکھتے تو ان کے دلوں میں زندگی سے محبت کی ایک نئی اُمنگ پیدا ہو جاتی اور

وہ بال یوگی کے لکچر کو اس طرح توجہ اور دلچسپی سے سنتے جیسے کسی نئے پیغمبر کا پیغام سن رہے ہوں۔ انہیں ایسا لگتا جیسے بال یوگی کا ایک ایک لفظ ان کی زخمی روح پر پھاہا سا رکھتا جا رہا تھا اور ان کے پراگندہ ذہن کو سکون ملتا جا رہا ہے۔

اس عظیم کامیابی کے بعد بال یوگی چیتن آنند آج اپنے کئی چیلوں کے ساتھ اپنے وطن واپس آ رہے تھے۔ ان کے لئے بوئنگ جہاز کی چھ سیٹیں ریزرو کروا دی گئی تھیں اور وہ نہایت اطمینان اور سکون سے سفر کر رہے تھے۔

"لنچ کا سمے ہو گیا مہاراج، کیا لیں گے آپ؟" ایئر ہوسٹس نے اپنے دیس کی زبان میں پوچھ لیا اور بال یوگی اس کی رسیلی آواز سن کر اپنی عویت سے چونک پڑے۔

"آج ہمارا اُپواس ہے!" انہوں نے اسے غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"میں جانتی ہوں، لیکن آج آپ پھل تو کھا سکتے ہیں؟"

"پھل..... ہاں پھل چلے گا!" انہوں نے لاپرواہی سے کہا اور پھر اپنے اردگرد بیٹھے چیلوں پر نظر ڈالی جو شاید بھوک سے بلبلا رہے تھے اور اپنے گرو کے اشارے کا انتظار کر رہے تھے۔

کچھ ہی دیر میں ایئر ہوسٹس نے بال یوگی کے سامنے پھلوں سے سجی ایک بڑی ٹرے لا کر رکھ دی، جس میں کئی قسم کے پھل موجود تھے۔

بال یوگی پھلوں کی طرف متوجہ ہو گئے۔ ان پھلوں کے بیچ میں ایک خوش رنگ سیب رکھا ہوا تھا۔ بال یوگی کی نگاہیں اس سیب پر جم کر رہ گئیں۔ چند لمحہ انہوں نے اس سیب کو غور سے دیکھا اور پھر ان کے جی میں نہ جانے کیا آیا کہ انہوں نے ٹرے سے وہ سیب اُٹھا لیا۔ ایسا کرتے ہوئے نہ جانے کیوں ان کی انگلیاں کانپ

گئیں۔ ایک نیپکین سے انہوں نے اسے صاف کیا اور غور سے اسے دیکھنے لگے۔ یوں لگ رہا تھا جیسے اس سیب سے ان کی زندگی کا کوئی خاص تعلق ہو۔

وہ خیالوں میں کھوئے ہوئے کئی برس پہلے شملہ کے اس باغ میں جا پہنچے جہاں شاخوں پر خوش رنگ کے اور رسیلے سیب لٹک رہے تھے۔

تب وہ بال یوگی چیتن آنند نہ تھے۔ بلکہ صرف چیتن۔ کالج کا ایک اسٹوڈنٹ۔ اس باغیچہ میں چیتن اکیلا نہ تھا بلکہ اس کی ہمجولی کمسن اور خوب صورت پائل بھی تھی جو اس کے ہمراہ کالج میں پڑھتی تھی۔ آج دونوں نے شرط لگا رکھی تھی کہ دیکھیں ہاتھ لگائے بغیر سیب کو کون توڑتا ہے۔ اس لئے اچھل اچھل کر دونوں ایک ہی سیب کو منہ سے توڑنے کی کوشش کر رہے تھے۔ کبھی پائل اچھلتی اور کبھی چیتن۔ ایک بار جو دونوں ساتھ اچھلے تو سیب دونوں کے منہ میں آگیا۔ دونوں دانتوں میں پکڑے ہوئے سیب کو اپنی اپنی طرف کھینچنے کی کوشش کرنے لگے۔ سیب کے دو ٹکڑے ہو گئے اور آدھا دونوں کے منہ میں رہ گیا۔ چیتن نے جلدی سے سیب کا ٹکڑا منہ سے نکالتے ہوئے کہا۔

"سیب میں نے توڑا ہے!"

"جھوٹ، میں نے توڑا ہے!"، پائل نے ہنستے ہوئے کہا۔

"اچھا چلو۔ بازی برابر رہی۔ نہ کوئی جیتا نہ کوئی ہارا"، چیتن نے صلح کرنے والے انداز میں کہا۔

"نہیں۔ تم ہار گئے۔"، پائل نے بحث کی۔

"وہ کیسے؟"

"تم لمبے ہو اور میں چھوٹی۔ سیب تمہیں توڑنا چاہیئے تھا۔ لیکن میں نے بھی تمہارے ساتھ توڑا۔ اس لئے تم ہار گئے۔"

"تم ہلکی ہو۔ میں بھاری۔ اس لئے سیب تمہیں توڑنا چاہیئے تھا لیکن میں نے بھی تمہارے ساتھ توڑا۔ اس لئے تم ہار گئیں۔"

"اچھا بابا۔ نہ تم ہارے، نہ میں ہاری۔ بازی برابر رہی۔" پاٹل آخر صلح پر اتر ہی آئی۔ اور پھر کھلکھلا کر ہنستی ہوئی ہری بھری گھاس پر لیٹ کر سیب کھانے لگی۔ چیتن بھی بے تکلفی سے اس کے پاس لیٹ کر سیب کھانے لگا۔

اسی وقت درخت پر طوطوں کا ایک جوڑا آ کر ٹوئیں ٹوئیں کرتا ہوا پھلوں کو کترنے لگا۔ وہ پھدک پھدک کر کبھی اس شاخ پر بیٹھ جاتے اور کبھی اس شاخ پر جا بیٹھتے۔

"یہ طوطے بھی کتنے آزاد ہیں۔ کاش ہم بھی ان کی طرح پنچھی ہوتے۔" چیتن نے طوطوں کی طرف دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔

"ہاں۔ جہاں چاہتے ہیں اڑتے پھرتے ہیں۔ نہ کوئی دھڑکا، نہ کسی کا ڈر۔" پاٹل نے کہا اور پھر اچانک چیتن کی طرف پلٹتے ہوئے بولی۔

"تم میرے لئے ایک طوطا پکڑ دو نا۔"

"نہیں۔ میں پنچھیوں کو قید کرنا پاپ سمجھتا ہوں!"

"قید نہیں کروں گی۔ میں اسے اپنا مہمان بنا کر رکھوں گی۔ اچھے اچھے پھل اور مٹھائیاں کھلاؤں گی.... اور اس کا نام رکھوں گی چیتن!" پاٹل نے شرارت سے کہا۔

"اوہ، تو تم مجھے طوطا بنانا چاہتی ہو؟" چیتن نے جیسے برا مانتے ہوئے کہا اور

اس کی چوٹی زور سے پکڑ لی، وہ چلا پڑی اور جلدی سے بولی۔

"اچھا بابا اچھا۔ نہیں بناؤں گی طوطا۔"

"تو پھر کیا بناؤ گی؟" چیتن نے اس کی چوٹی چھوڑتے ہوئے پوچھا۔

"قیدی، لیکن عبت کا!" پائل نے بڑے پیار سے کہا اور اپنی انگلی اُس کے ہونٹوں پہ پھیرنے لگی۔

چیتن کو نہ جانے کیا سوجھی کہ اس نے پائل کی انگلی دانتوں میں زور سے دبا لی۔ اور وہ درد سے کراہ اٹھی۔

اسی وقت قریب ہی سے کسی نے بندوق کا فائر کیا اور وہ دونوں طوطے زمین پر گر کر تڑپنے لگے۔

"پاپا.....!" پائل کے منہ سے بے ساختہ نکلا اور وہ اچھل کر بجلی کی سی تیزی کے ساتھ قریب کی گھنی جھاڑیوں میں چھپ کر نگاہوں سے اوجھل ہو گئی۔

چیتن بھی بھاگنا ہی چاہتا تھا کہ کسی نے لپک کر اس کی گردن پکڑ لی۔ اس نے بوکھلا کر پکڑنے والے کی طرف دیکھا تو وہ پائل کے باپ کرنل درگاہ پرشاد کا منیم تھا جس نے دوسرے ہاتھ میں چار پانچ مردہ طوطے پکڑ رکھے تھے۔ چیتن کی گھبرائی ہوئی کیفیت کو دیکھ کر وہ معنی خیز انداز میں پوچھ بیٹھا۔

"کیوں برخوردار۔ کیا کر رہے تھے یہاں؟"

"جھک مار رہا تھا!" چیتن نے اپنا ہاتھ چھڑاتے ہوئے کہا۔

لیکن اس سے پہلے کہ وہ پلٹ کر بھاگ نکلے کرنل صاحب ہاتھ میں بندوق لئے اس کے سامنے آ کھڑے ہوتے اور گھورتے ہوئے بولے۔

"تم..... تم یہاں کیا کر رہے ہو؟"

"جی میں..... میں آپ کے باغ سے ایک سیب لینے آیا تھا۔ ماں جی جب بھی اُپواس رکھتی ہیں اسی باغ کا سیب کھاتی ہیں۔" چیتن نے بہانہ تراشا۔

"اوہ، تو تمہاری ماں جی ابھی تک اس باغ کے سیبوں کو بھولی نہیں ہیں۔ ان سے کہنا اُپواس رکھا کریں تو بازار سے سیب منگوا لیا کریں۔ چوری کے پھل کھانے سے اُپواس بھرشٹ ہو جاتا ہے!" کرنل صاحب نے غرور سے کہا۔

چیتن کو لگا جیسے کسی نے اس کے منہ پر طمانچہ مار دیا ہو۔ لیکن اس نے غصّہ کو ضبط کرتے ہوئے جھگڑے کو رفع دفع کرنے کے لئے آہستہ سے کہا۔

"غلطی ہو گئی۔ معاف کر دیجئے!"

"لیکن آئندہ ایسی غلطی نہ ہونے پائے، یہ باغ تمہارے باپ کا نہیں ہے۔" کرنل صاحب نے پھر اس پر وار کیا۔

اب چیتن سے ضبط نہ ہو سکا اور اس نے انہیں نفرت بھری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"تھا تو میرے باپ کا ہی۔ یہ اور بات ہے کہ اب آپ اس کے مالک بن بیٹھے ہیں۔"

"ارے تو کوئی بے ایمانی سے مالک بنا ہوں۔ نیلامی میں تھیلی بھر روپئے دے کر لیا ہے!" کرنل صاحب نے اکڑ کر کہا۔

"میرے دادا نے بھی اسے ٹھاکر دینش سنگھ سے تھیلی بھر روپے دے کر خریدا تھا..... یہ تو ہماری بدقسمتی تھی کہ میرے پتا جی اسے جوئے میں ہار گئے

.... لیکن اس سے پہلے ٹھاکر دینش سنگھ کے پاس بھی یہ باغ نہیں تھا۔ ان کی پتنی کو جہیز میں ملا تھا اور اُن کے سسر نے اسے دلّی کی ایک بیگم سے خریدا تھا۔ جو عذر میں لُٹ پٹ کر اسے بیچنے پر مجبور ہو گئی تھیں..... نہ جانے اس باغ کو کسی کا کیا شراپ ہے کہ کسی ایک کا بن کر نہیں رہتا۔"

"میں جواری نہیں ہوں کہ تیرے باپ کی طرح جوتے میں ہار جاؤں گا۔ کرنل صاحب نے گرج کر کہا۔

"بیٹی کو جہیز میں تو دے سکتے ہیں؟" چیتن نے کہا اور اس سے پہلے کہ وہ اس پر اپنی بندوق تان لیں وہ وہاں سے بھاگ نکلا۔

کرنل صاحب تلملا کر رہ گئے۔ اسی وقت مینم کچھ دور زمین پر پڑی پائل کی پائل اُٹھاتے ہوئے بولا۔

"اس چھوکرے نے غلط نہیں کہا سرکار۔"

"کیا بکتے ہو!" کرنل صاحب ایک جھٹکے سے اس کی طرف مڑتے ہوئے بولے۔

"پائل کی پائل سرکار....!" کہتے ہوئے اس نے وہ پائل کرنل صاحب کی طرف بڑھا دی۔

کرنل صاحب نے اس کے ہاتھ سے پائل جھپٹ لی اور کچھ سوچتے ہوئے منہ ہی منہ میں بڑبڑاتے۔

"اوہ..... اس کی یہ مجال.....!"

"جی ہاں.... وہ اس باغ کا سیب چرانے نہیں آیا تھا۔ بلکہ آپ کی زندگی

کے باغ کا سب سے خوبصورت اور قیمتی سیب چُرانا چاہتا ہے۔ اگر پائل اس کے ہاتھ میں چلی گئی تو.....''

'' چپ رہو، میں اس کا خون پی جاؤں گا۔ اسے گولی مار دوں گا۔ میں نے سیکنڈ ورلڈ وار میں بارہ جرمن مارے ہیں.....!'' کرنل صاحب نے جیسے غصّہ سے پاگل ہو کر کہا اور بندوق سنبھالتے ہوئے تیزی سے باغ سے باہر جانے لگے۔

منیم نے ایک نظر زمین پر پڑے ہوئے مردہ طوطوں کو دیکھا اور پھر انہیں اُٹھا کر اپنے مالک کے پیچھے پیچھے ہو لیا۔

چیتن جب اپنے گھر پہنچا تو وہاں کوئی بھی نہ تھا۔ وہ بھنایا ہوا سیدھا رسوئی گھر میں پہنچ گیا۔ اس نے گھڑونچی سے پانی لے کر دو تین گلاس غٹا غٹ پیا اور پانی پینے سے اس کا غصہ قدرے ٹھنڈا ہو گیا۔ پھر وہ چولہے پر رکھے ہوئے برتنوں کو کھول کھول کر دیکھنے لگا۔ اسے شدت کی بھوک کا احساس ہو رہا تھا۔ لیکن جیسے ہی اس نے تھالی اٹھا کر کھانا نکالنا چاہا باہر سے پوسٹ مین نے آواز دی۔ وہ لپک کر دروازہ پر پہنچ گیا۔ اور پوسٹ مین کو دیکھتے ہی پوچھ بیٹھا۔

'' ماما کا منی آرڈر ہے کیا؟''

'' ہاں۔ کہاں ہے تمہاری ماں؟'' پوسٹ مین نے تھیلے سے منی آرڈر فارم نکالتے ہوئے پوچھا۔

'' وہ..... وہ تو..... وہ تو پوجا کر رہی ہے!''

"تو دستخط کیسے ہوں گے؟"

"لاؤ۔ میں کروا کر لاتا ہوں!"

پوسٹ مین نے فارم اس کے حوالے کر دیا۔ اور وہ فارم لے کر جھٹ گھر کے اندر چلا گیا۔

اس نے اپنے لکھنے پڑھنے کی میز سے قلم اٹھایا اور ماں کے بجائے خود ہاں کے دستخط کرنے لگا۔ دستخط کر کے اس نے ایک بار دستخط کو غور سے دیکھا اور یہ اطمینان کر کے کہ اس نے ہو بہو ماں کے دستخط کئے ہیں۔ فارم لے جا کر پوسٹ مین کے حوالے کر دیا۔ پوسٹ مین نے بھی دستخط کو غور سے دیکھا اور مطمئن ہو کر اس کے ہاتھ پہ دس دس کے دس نوٹ رکھ دیئے۔ لیکن ابھی وہ اپنا تھیلا اُٹھا کر جانے کے لئے پلٹا ہی تھا کہ اسے سامنے گلی سے چیتن کی ماں شانتی دیوی ہاتھوں میں پوجا کی تھالی لئے آتی دکھائی دی وہ بھونچکا ہو کر اسے دیکھنے لگا۔

"وہ میرے بھیا کا منی آرڈر لائے ہو کیا منشی جی؟" ماں نے قریب آ کر مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"جی.... جی ہاں لایا تو تھا۔ مگر آپ باہر سے آ رہی ہیں۔ اور یہ کہہ رہا تھا کہ آپ پوجا کر رہی ہیں۔" پوسٹ مین نے چیتن کو گھورتے ہوئے کہا۔

"تو کیا میں جھوٹ کہہ رہا تھا۔ دیکھ لو ہاتھ میں پوجا کی تھالی ہے یا نہیں؟" چیتن نے ڈھٹائی سے کہا۔

"مگر تو نے تو کہا تھا اندر....."

"جھوٹ نہ بولو چاچا۔ میں نے اندر باہر کی بات نہیں کی تھی،" چیتن نے اس کی بات کاٹتے ہوئے اونچی آواز میں کہا۔

"ارے واہ، ایک تو چوری اوپر سے سینہ زوری۔ دستخط کیا باہر سے کروا کے لایا تھا؟" پوسٹ مین نے بھڑک کر کہا۔

"کتنی بار کہا ہے کہ دوسروں کے دستخط نہ کیا کرو مگر یہ مانتا ہی نہیں،" ماں نے پوسٹ مین کا غصہ ٹھنڈا کرنے کے لئے بیٹے کو جیسے ڈانٹتے ہوئے کہا۔

"یہ شوق اسے کسی دن جیل پہنچا دے گا بھابی۔ جعلی دستخط کرنا بہت بڑا جرم ہے..... لیجئے آپ اپنے دستخط کر دیجئے۔" پوسٹ مین نے فارم اسے دیتے ہوئے کہا۔

"ارے، اب تمہیں دستخط کرنے کی کیا ضرورت ہے ماں، دیکھ لو ہو بہو تمہارے ہیں کہ نہیں۔" چیتن نے پھر مداخلت کی۔

"تو چپ رہ۔ پھر کبھی یہ حرکت کی تو مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا!" چیتن کو ڈانٹتے ہوئے ماں نے دستخط کر کے فارم پوسٹ مین کے حوالے کر دیا۔ اور پوسٹ مین بڑبڑاتا ہوا چلا گیا۔

جیسے ہی ماں نے چیتن کے ہاتھ سے روپے لے کر اندر جانا چاہا "ٹھہرو" کی گرج نے اس کے قدم وہیں روک دیئے۔ اس نے پلٹ کر دیکھا تو کرنل ڈوگا پرشاد سامنے بندوق تانے ہوئے کھڑے تھے۔

"میں تمہارے بیٹے کو گولی مار دوں گا۔ میں نے سیکنڈ ورلڈ وار میں بارہ جرمن مارے ہیں!" وہ غصہ میں چلائے۔

"کیا قصور کیا ہے میرے بیٹے نے ؟" ماں نے برا مان کر ماتھے پر بل ڈالتے ہوئے پوچھا۔

"میری معصوم بیٹی کو بہکانے کی کوشش کر رہا ہے وہ آوارہ، بدمعاش!"

"بہتر یہی ہوگا۔ آپ اپنی بیٹی کو سمجھا لیجئے کہ نہ بہکے۔"

"وہ نادان ہے"

"لیکن آپ تو نادان نہیں کرنل صاحب"

"اوہ سمجھا۔ تم بھی اپنے بیٹے کا ساتھ دے رہی ہو۔"

"جی نہیں۔ لیکن جب آپ اسے آوارہ اور بدمعاش کہیں تو میں آپ کی ہمدرد بھی تو نہیں بن سکتی۔"

"تو یاد رکھنا۔ اگر تمہارے بیٹے نے دوبارہ میری بیٹی سے میل جول بڑھانے کی کوشش کی تو میں اُسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ میں نے سیکنڈ ورلڈ وار میں بارہ جرمن مارے ہیں..... چلو مینم جی!"

اس سے پہلے کہ شانتی کرنل کی دھمکی کا جواب دیتی وہ اپنے مینم کو لئے ہوئے وہاں سے جا چکے تھے۔ اس نے غصّہ سے دروازہ بند کیا اور پلٹ کر غصیلے انداز میں بیٹے کو دیکھا جو کواڑ کے پیچھے چھپا اُن کی باتیں سن رہا تھا وہ ماں کے چہرے کے بدلتے رنگ کو دیکھ کر فوراً کہہ اُٹھا

"واہ ماں۔ کیا جواب دیا ہے کرنل کی بندوق کا۔ وہ ....."

لیکن اس سے پہلے کہ وہ اپنی بات پوری کر پاتا ماں نے ایک تھپڑ اس کے گال پر جڑ دیا۔ وہ چونکا اور تڑپ کر چیخ پڑا۔

"ماں....!"

"میں تیری ہر شرارت، ہر حرکت برداشت کر سکتی ہوں۔ لیکن تو کسی کی بہو بیٹی کی عزت اُچھالے، یہ مجھ سے برداشت نہیں ہو گا!"

لیکن ماں....."

"بس بس۔ مجھے کچھ صفائی نہیں چاہیئے۔ میں جانتی ہوں تمہیں کیا کہنا ہے۔ یہی نا کہ تم اس لڑکی سے پیار کرتے ہو۔ اس سے تمہیں عشق ہو گیا ہے؟ آج کل ہر نوجوان کی زبان پر ایسے ہی الفاظ ہیں۔ لیکن یاد رکھو، ایک جواری کے بیٹے کو پیار کا کوئی حق نہیں..... اسے پہلے خاندان کا کلنک مٹانا ہے۔ محنت کرنی ہے۔ اپنے باپ کی بدنامی کو مٹا کر کچھ بننا ہے سمجھے؟" وہ ایک ہی سانس میں کہہ گئی اور پھر بنا اس کا جواب سنے پوجا کی تھالی لئے اندر چلی گئی۔

چیتن دیر تک وہیں کھڑا اپنی ماں کے کہے الفاظ پر غور کرتا رہا۔ آج سے پہلے اس نے ماں کو یوں اچانک رخ بدلتے نہ دیکھا تھا۔

دوسرے ہی دن ایک خالی پیریڈ میں چیتن اور پائل کالج کی لائبریری میں بیٹھے پڑھ رہے تھے۔ دونوں خاموش تھے۔ اُن کی نگاہیں اپنی کتابوں پر جمی ہوئی تھیں لیکن کبھی کبھی کتاب سے نظر ہٹا کر کنکھیوں سے ایک دوسرے کو دیکھ لیتے تھے۔ آہستہ آہستہ پائل چیتن کے قریب کھسک آئی اور دھیمی آواز میں بولی۔

"کیا بات ہے۔ آج بڑے اکھڑے ہوتے ہو؟"

"ماں نے تم سے ملنے کو منع کیا ہے!"

"منع تو میرے پاپا نے بھی کیا ہے۔"

"کیا کہا انہوں نے؟"

"اگر اس آوارہ سے میل جول بڑھایا تو میں اسے گولی مار دوں گا!"

"تو تم نے کیا کہا؟"

"چپ رہی اور دل ہی دل میں مسکرائی"

"کیوں؟"

"سبھی ماں باپ دھمکی دیتے ہیں۔ لیکن پھر محبت کے سامنے جھک جاتے ہیں۔"

"یہ تم سے کس نے کہا؟"

"کتابوں نے، قصے کہانیوں نے!"

"لیکن پائل۔ کتابی باتیں اور ہیں اور حقیقت اور۔ میں ایک بدنام لڑکا ہوں۔ جواری کا بیٹا۔ تمہارے پاپا کبھی گوارہ نہ کریں گے کہ ہم ایک ہو جائیں۔"

"دیکھو چیتن، کل کیا ہوگا۔ یہ میں نے سوچا نہیں۔ لیکن آج بس آج میں تم سے پیار کرتی ہوں۔"

"نہیں پائل نہیں۔ میں اپنی ماں کی بات نہیں ٹال سکتا۔" کہتے ہوئے چیتن نے میز سے اپنی کتابیں اُٹھائیں اور تیز تیز قدموں سے لائبریری سے باہر نکل گیا پائل بھی جھٹ سے اٹھی اور اسے روکنے کو آگے بڑھی لیکن پھر اپنے گرد بیٹھے دوسرے طالب علموں کو اپنی طرف گھورتے دیکھ کر رک گئی۔

طالب علموں کے جھمگٹے میں سے اسی وقت ایک آواز بلند ہوئی ؎

عشق نے غالبؔ نکما کر دیا
ورنہ ہم بھی آدمی تھے کام کے

اور اس کے بعد ہی کچھ طنزیہ قہقہوں نے جیسے اس کے کان چھید دیئے اور وہ پھر سے اپنی نظریں کتاب میں گاڑے وہیں بیٹھ گئی۔ ذرا ہی دیر میں اس کا سارا بدن پسینے میں شرابور ہو گیا۔

کالج سے واپس آتے ہی پائل اپنے باغیچے کے اس کونے میں چلی آئی جہاں چندن کا ایک پیڑ تھا اور وہ اس کے نیچے چیتن سے ملا کرتی تھی۔ یہ پیڑ بچپن

کی تنہائی کا ساتھی تھا اور وہ اکثر اس کے قریب کھڑا گھنٹوں تک اس کی خوشبو لیتا رہتا تھا۔ اُسے ان ناگوں سے بھی ڈر نہ لگتا تھا۔ جو اس پیڑ کے تنے سے لپٹے رہتے تھے۔ آج بھی وہ وہاں موجود تھا۔ پائل بغل میں اپنی کتابیں دبائے اس کے قریب چلی آئی۔ گھاس پر پڑے سوکھے پتے جب اس کے پیروں کے نیچے چرچراتے تو چیتن فوراً الرٹ پڑا اور اپنے قریب پائل کو دیکھ کر پوچھ بیٹھا۔

"تم یہاں کیوں چلی آئیں؟"

"چندن کے پیڑ کی خوشبو لینے!"

"جھوٹ۔ تم مجھ سے ملنے آئی ہو۔"

"جب جانتے ہو تو سوال کیوں کرتے ہو؟"

"نہیں یہاں نہ آنا چاہیئے تھا۔"

"کیوں؟"

"کرنل صاحب نے دیکھ لیا تو تمہاری یہ آزادی بھی چھن جائے گی۔"

"پھر تو اور بھی مزہ آئے گا۔"

"کیسے؟"

"کہتے ہیں جب جولیٹ کو اس کے باپ نے قید کر دیا تھا تو رومیو اس سے ملنے قلعہ کی دیوار پھاند کر اندر چلا آتا تھا۔"

"وہ اس کا دیوانہ پن تھا۔"

"میری محبت بھی تو اس دیوانگی سے کم نہیں ہے۔" پائل نے معصومیت سے کہا اور چیتن کی آنکھوں میں دیکھنے لگی۔ چیتن نے اس کی بات کا کوئی جواب نہ دیا تو وہ

پھر بول پڑی۔ "چیتن، تم چندن سے اس کی مہک کیو نکر چھین سکتے ہو؟"

"لیکن اس مہک کو میں اپنا بھی تو نہیں سکتا۔ دیکھو تو چندن کے پیڑ کے تنے سے ناگ لپٹ رہے ہیں۔"

"لیکن یہ ناگ اس پیڑ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ وہ ان کا سارا زہر کھینچ کر امرت میں بدل دیتا ہے۔"

"تم کہنا کیا چاہتی ہو؟"

"کیا ایسا ممکن نہیں کہ ہمارا پونتر پریم سماج کے اس سارے زہر کو کھینچ کر امرت میں بدل دے؟"

"اس کے لئے تمہیں اپنے باپ سے بغاوت کرنی ہوگی۔"

"اور تمہیں اپنی ماں سے.....!" پائل جلدی سے بول پڑی۔

"نہیں پائل نہیں۔ مجھ سے اتنا بڑا امتحان نہ لو۔ میں اس بیوہ کا اکلوتا سہارا ہوں۔" کہتے ہوتے چیتن کسی بچے کی طرح بلک اٹھا۔ اور پائل کا سامنا کرتے ہوتے منہ موڑ کر کھڑا ہو گیا۔ وہ ایک انوکھے تذبذب میں گرفتار تھا۔ پائل نے قریب آکر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تو اس کا سارا بدن لرز کر رہ گیا۔ پائل گھوم کر اس کے سامنے آتے ہوتے بولی۔

"گھبراؤ نہیں چیتن میں تمہاری ماں کا اکلوتا سہارا کبھی نہ چھینوں گی!"

یہ کہتے ہوتے اس کی آنکھیں نم ہوگئیں۔ اس نے ضبط سے کام لیا اور اچانک پلٹ کر اپنے بنگلے کی طرف بھاگ نکلی۔ چیتن عجیب سی بے بسی کے عالم میں وہیں کھڑا رہ گیا۔ اس میں اتنی ہمت نہ تھی کہ وہ بھاگ کر اپنی محبوبہ کو روک لیتا۔

باغ کے اس کونے سے نکل کر پائل حبیب اپنے بنگلے کی طرف جانے لگی تو اچانک منیم سے ٹکرا گئی۔ منیم اس کی گھبراہٹ کو نگاہوں سے جانچتے ہوئے پوچھ بیٹھا۔

"بی بی۔ ادھر کیا کرنے گئی تھیں؟"

"گلاب کے پھول توڑنے کاکا!"

"لیکن ہاتھ تو خالی ہے؟"

"ہاتھ..... ہاں ہاں خالی ہے۔ پھول نہیں ملے۔" وہ گڑبڑا کر بولی۔

"کتنی بار کہا ہے اس چندن کے پیڑ کے نیچے مت جایا کرو وہاں ناگ رہتا ہے کہیں ڈس نہ لے۔"

پائل نے نگاہیں اٹھا کر منیم کے چہرے کی طرف دیکھا تو اس کے ہونٹوں پر ایک معنی خیز مسکراہٹ تھی۔ اس نے نفرت سے منہ موڑ لیا اور تیز تیز جلتی ہوئی بنگلے کی طرف چلی گئی۔ منیم نے اپنا چشمہ دھوتی کے کونے سے صاف کیا اور دوبارہ آنکھوں پر لگا کر چندن کے پیڑ کی طرف دیکھا تو پیڑ کے اس پار دور ایک پگڈنڈی پر چیتن گردن جھکائے چلا جا رہا تھا۔

رات بھر چیتن سو نہ سکا۔ پائل کے الفاظ کہ وہ کبھی اس کی ماں کا اکلوتا سہارا نہ چھینے گی رہ رہ کر اس کے ذہن کو جھنجھوڑ رہے تھے۔ وہ جانتا تھا پائل اسے دل و جان سے چاہتی ہے لیکن آج اس کی بے رخی دیکھ کر شاید وہ بھی ڈگمگا گئی ہو۔ مانا کہ محبت صبر اور ایثار سکھاتی ہے لیکن ہزار کوشش کے باوجود وہ ذہنی پریشانی سے چھٹکارا نہ پا سکا۔ پائل کی یاد رات بھر اس کے دل و دماغ کو ڈستی رہی اور وہ تڑپتا رہا۔

دوسرے دن چیتن کالج گیا تو پائل غیر حاضر تھی۔ دن بھر اس کے دل میں طرح طرح کے وسوسے پیدا ہوتے رہے۔ شام کو اس نے باغ کا ایک چکر لگایا لیکن کافی دیر تاک جھانک کرنے کے باوجود اسے پائل نظر نہ آئی۔

اس سے اگلے روز بھی جب پائل کالج نہ آئی تو وہ بے حد پریشان ہوا تھا۔ اس نے سوچا وہ اس کی بے رخی دیکھ کر اس سے روٹھ گئی ہے۔

اسی اُلجھن میں اس نے دفتر میں جا کر کلرک سے پائل کی غیر حاضری کی وجہ معلوم کرنا چاہی۔ لیکن اسے مایوسی ہی ہوئی۔ پائل کی کوئی درخواست ابھی تک کالج نہیں آئی تھی۔ وہ اس خدشے سے پریشان ہوا تھا کہ کہیں کرنل صاحب نے بیٹی سے کالج ہی نہ چھڑا دیا ہو۔

آج چھٹی ہونے سے پہلے ہی چیتن کالج سے لوٹ آیا اور پائل کے بنگلے کے آس پاس منڈلانے لگا۔ وہ اس سے ملنے کے لئے بے تاب ہو گیا تھا۔ اور طرح طرح کی ترکیبیں سوچنے میں مصروف تھا۔ اسی کشمکش میں وہ بنگلے کی دائیں طرف والی دیوار تک چلا آیا اور دیوار کے اوپر سے اندر جھانکنے لگا۔

برآمدے میں کرنل صاحب ڈٹے شام کی چائے پی رہے تھے۔ ان کے قریب ہی پائل ایک آرام کرسی پہ بیٹھی ہوئی کوئی کتاب پڑھ رہی تھی۔ چیتن نے محسوس کیا ان دونوں کے درمیان ایک عجیب سی خاموشی اور گھٹن چھائی ہوئی تھی چیتن نے چاہا پائل کسی طرح اس کی طرف دیکھے تو وہ اسے اشارہ کر کے باہر بلانے کی کوشش کرے۔ لیکن وہ اس کی موجودگی سے بے خبر کتاب پڑھنے میں محو تھی۔

اسی وقت گھر کا خانساماں پائل کے لئے ایک گلاس میں دودھ لے کر آیا۔ پائل نے دودھ پینے سے انکار کیا تو کرنل صاحب تحکمانہ لہجہ میں بولے۔

"تمہیں دودھ پینا ہی ہوگا!"

"میں نے کہا نا دودھ مجھے اچھا نہیں لگتا!" وہ جھنجھلا کر بولی۔

"میں جانتا ہوں لیکن بچوں کے لئے دودھ کتنا ضروری ہے۔ یہ تم نہیں جانتیں۔"

"اُف، صبح شام لکچر، لکچر.... میں تو تنگ آچکی ہوں.....!" وہ روہانسی ہوگئی۔

"پائل.....!" کرنل صاحب گرج اُٹھے اور وہ اس گرج سے اچانک سہم گئی۔ دوسرے ہی لمحہ وہ گلاس ہاتھ میں لے کر دودھ کو غٹا غٹ پی گئی۔

اسی وقت چتین نے دیکھا بنگلے کے اندر کرنل صاحب کی جیپ داخل ہو کر رکی اور اس میں سے بینم اترکر کرنل صاحب کی طرف بڑھا۔ چتین نے اسے دیکھ کر جلدی سے اپنا سر نیچے کر لیا۔

"کیا کہا سکسینہ نے۔ درخواست منظور ہوگئی یا نہیں؟" کرنل صاحب نے بینم کے قریب آتے ہی پوچھا۔

"منظوری مشکل ہی نظر آرہی ہے،" بینم نے مایوسی سے کہا۔

"کیوں مشکل کی کیا بات ہے۔ اس سال تو بارش بھی اچھی ہوئی ہے۔ اگر ہمارے باغ کو آدھا گھنٹہ زیادہ پانی مل جاتے تو پانی کا ذخیرہ تو خالی نہیں ہو جائے گا،" کرنل صاحب نے غصہ سے کہا۔

"وہ تو ٹھیک ہے۔ مگر سکسینہ کا رویہ کچھ ٹھیک نہیں تھا۔ میرا خیال ہے بغیر رشوت دیئے کام نہ چلے گا۔ ہزار پانچ سو روپے تھما دیجئے یہ روز روز کا جھنجھٹ ہی ختم ہو جائے گا۔"

"یعنی کہ تم مجھے کہ پشن سکھا رہے ہو؟ میں ملٹری کا ریٹائرڈ کرنل ہوں۔ اور ملٹری میں کرپشن کرنے والے کو گولی مار دی جاتی ہے،" کرنل صاحب نے آپے سے باہر ہوتے ہوئے کہا۔

"مگر یہ ملٹری نہیں ہے سرکار۔ سرکاری محکمہ ہے اور سرکاری محکموں کا جو حال ہے آپ جانتے ہی ہوں گے۔ بڑے سے بڑے منسٹروں تک کو رشوت دینی پڑ جاتی ہے۔ مجال ہے رشوت کے بغیر کوئی درخواست ایک میز سے دوسری میز پر پہنچ جائے۔ چپڑاسی سے لے کر انچارج تک سب رشوت کھا رہے ہیں۔"

"مگر میں رشوت نہیں دوں گا۔ یہ میرے اصول کے خلاف ہی نہیں میری توہین بھی ہے۔ میں دیکھتا ہوں سکسینہ کیسے پانی نہیں دیتا۔ یہاں سے لے کر دہلی تک ہلا کر رکھ دوں گا۔۔۔۔!" کرنل صاحب نے جوشیلے لہجہ میں کہا اور چائے پینے کے لئے پیالی اٹھالی۔

ابھی انہوں نے چائے کا ایک گھونٹ ہی لیا تھا کہ اندر سے نوکر بھاگا ہوا آیا اور بتایا کہ ان کا فون آیا ہے۔ کرنل صاحب فوراً اٹھ کر اندر کی طرف گئے۔

انہوں نے میز پر رکھا ہوا چونگا اٹھایا اور کان سے لگاتے ہوئے بولے۔

"ہیلو، میں کرنل درگا پرشاد بول رہا ہوں۔۔۔۔ او ہو سکسینہ صاحب،

فرمایئے کیا حکم ہے؟"

"آپ کی درخواست مجھے مل گئی ہے۔ لیکن آپ تو جانتے ہیں کہ پانی کی کتنی کمی ہے۔" اُدھر سے آواز آئی۔

"آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟"

"فون پر بات کرنا میرے خیال سے مناسب نہیں"

"صاف صاف کیوں نہیں کہتے کہ آپ کو رشوت چاہیئے۔ آپ بے ایمان اور کرپٹ ہیں۔"

"یہ رشوت نہیں، بیوپار ہے کرنل صاحب۔ آخر ہمیں بھی بیوی بچوں کی حسرتوں کو پورا کرنا ہوتا ہے۔ آپ تو جانتے ہی ہیں آج کل تنخواہ میں گذر کہاں ہوتا ہے۔"

"تو آپ رشوت کے بنا پانی نہیں دیں گے؟"

"بالکل نہیں!"

"شاید آپ مجھے نہیں جانتے۔ میں کرنل دُرگا پرشاد ہوں میں نے سیکنڈ ورلڈ وار میں بارہ جرمن مارے ہیں!"

"آپ جیسے اُلّو کے پٹھے میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے.....!"

کرنل صاحب نے غصہ سے بے قابو ہو کر کچھ کہنا چاہا لیکن اُدھر سے فون کٹ ہو چکا تھا۔ انہوں نے ریسور کریڈل پر پٹخ دیا اور دہاڑتے ہوئے مینم کو پکارا اور اسے ساتھ لیتے ہوئے جیپ کی طرف بڑھ گئے۔

باپ کے جاتے ہی پاٹل کو لگا جیسے اس کے سر سے کوئی بوجھ اتر گیا ہو،

کسی لمبی قید سے اسے آزادی مل گئی ہو۔ یکایک بنگلہ، باغ اور طوطوں کی آوازیں سب اسے دلکش نظر آنے لگیں۔ اس نے آرام کرسی سے اُٹھ کر ایک انگڑائی لی۔ تبھی اس کی نظر میز پر رکھے لوٹسٹ اور آملیٹ وغیرہ کی پلیٹوں پر پڑی تو یکایک جیسے اس کی مری ہوئی بھوک زندہ ہوگئی اور وہ جلدی جلدی لوٹسٹ اور آملیٹ کھانے لگی۔

اسی وقت پیچھے سے ایک کنکری آکر اس کی پشت پر لگی۔ اس نے پلٹ کر دیکھا تو حیرت سے اُچھل پڑی۔ کچھ دور پر چندن کے پیڑ کے نیچے کھڑا چیتن اسے اشارے سے بلا رہا تھا۔ نہ چاہنے کے باوجود اس کے قدم اس طرف بڑھنے لگے۔ تبھی گلاب کی کیاریوں کے بیچ سے نکلتے ہوتے مالی نے اسے ٹوک دیا۔

"بی بی۔ اُدھر نہ جاؤ۔ ناگ نکلا ہوا ہے"

چیتن مالی کی بات سُن کر جلدی سے تنے کی آڑ میں ہو گیا اور پائل نے لاپرواہی سے کہا۔

"ہاں ہاں۔ میں جانتی ہوں۔ تم فکر نہ کرو۔ وہ تو روز ہی نکلتا ہے"

مالی سر جھکاتے ایک طرف چلا گیا اور پائل چندن کے پیڑ کی طرف بڑھ گئی۔

"تم یہاں کیا کرنے آتے ہو؟" اس نے ماتھے پر بل ڈالتے ہوتے چیتن سے پوچھا۔

"صرف یہ پوچھنے کہ تم نے کالج کیوں چھوڑ دیا؟"

"کالج میں میرے لئے رکھا ہی کیا ہے؟"

"میرا پیار.....!"

"جھوٹ مت بولو۔ تمہیں مجھ سے زیادہ اپنی ماں کا حکم پیارا ہے جاؤ ان کی سیوا کرو۔ اور میرا پیچھا چھوڑ دو.....!"

"نہیں پائل۔ تم نہیں جانتی۔ میں تین دن تک تمہارے لئے کتنا تڑپتا رہا ہوں مجھے اب احساس ہوا ہے کہ میں تمہارے بنا نہیں رہ سکتا۔"

"مگر میں کہہ چکی ہوں کہ میں تمہاری ماں کا سہارا نہیں چھینوں گی۔"

"لیکن میری محبت چھیننے کا حق بھی تو تمہیں نہیں ہے۔

"اوہ جیتن۔ اب تم جاؤ ورنہ پاپا آجائیں گے۔"

"وہ وائلڈ ورکس ڈیپارٹمنٹ کے دفتر گئے ہوئے ہیں۔ دو گھنٹے سے پہلے نہیں لوٹ سکتے۔"

"تمہیں کیسے معلوم ہوا؟" پائل نے حیرت سے پوچھا۔

"میں نے ہی تو پاس کے کلب سے انہیں فون کیا تھا انسپکٹر بن کر۔"

"تم نے.....؟" پائل کو جیسے یقین نہ آیا۔

"ہاں!"

"مگر کیوں؟"

"تم سے ملنے کی اور کوئی صورت بھی تو نہیں تھی۔"

"اگر تمہیں یہاں کسی نے دیکھ لیا تو غضب ہو جائے گا۔"

"تو ان کی گھٹی ہوئی فضاؤں سے باہر نکل آؤ۔ آؤ میرے ساتھ کہیں اور چلیں۔"

پائل نے جلدی سے اِدھر اُدھر دیکھا اور کسی کو قریب نہ پاکر واپس برآمدے کی طرف دوڑی، جہاں کرسی پر اس کا دوپٹہ رکھا ہوا تھا۔ دوپٹہ اٹھا کر وہ چند ہی لمحوں بعد چنین کے ساتھ باہر جا رہی تھی۔

کرنل صاحب کی جیپ ابھی دو تین میل ہی گئی ہو گی کہ سامنے سے آتی ہوئی ایک دوسری جیپ نے انہیں کراس کیا۔ اور کرنل صاحب چونک پڑے۔ یہ سکینہ کی جیپ تھی۔

"سکینہ۔۔۔۔!" وہ زور سے چرچرا کر بریک لگاتے ہوئے چیخ پڑے۔ سکینہ نے یہ آواز سنی تو اس نے بھی اپنی جیپ روک لی اور بیک کر کے ان کے برابر آتے ہوئے کہہ اٹھا۔

"کرنل صاحب۔۔۔۔آپ!"

"جی ہاں میں۔۔۔!" انہوں نے بندوق سنبھالتے ہوئے کہا۔ "ذرا پھر تو کہیئے کہ میں الّو کا پٹھا ہوں!"

"یہ اچانک کیا مذاق سوجھا ہے آپ کو؟" سکینہ نے حیرت سے کہا۔

"یہ مذاق نہیں۔ آپ کی گالی ہے جو آپ نے مجھے فون پر دی ہے آپ کو رشوت چاہیئے اور وہ بھی مجھ سے سکرنل درگا پرشاد سے۔ جس نے سیکنڈ ورلڈ وار میں بارہ جرمن مارے ہیں"

"کیسی بہکی بہکی باتیں کر رہے ہیں آپ۔ میں اتنا بے ہودہ ہوں کہ آپ کو گالی دوں گا۔ اور پھر رشوت مانگوں گا آپ سے؟"

"مگر پھر وہ فون کس نے کیا تھا؟" کرنل صاحب کچھ نرم پڑتے ہوئے

بولے۔

"کسی لونڈے نے شرارت کی ہوگی۔ آج فرسٹ اپریل ہے نا۔ آپ کو اپریل فول بنا دیا..... اور آپ مجھ پر چڑھ دوڑے۔ میں نے تو آپ کی درخواست پر آپ کے فیور میں نوٹ لکھ کر منظوری کے لئے آگے بڑھا دی ہے"

یہ کہہ کر سکسینہ تو اپنی جیپ اسٹارٹ کر کے آگے بڑھ گیا۔ لیکن کرنل صاحب اس اُلجھن سے کافی دیر تک چھٹکارا نہ پا سکے اور جیپ موڑ کر واپس چلنے سے پہلے مینم سے پوچھ بیٹھے ــــ "وہ بدتمیز کون ہو سکتا ہے؟"

"کہیں وہ تو نہیں۔" مینم کچھ سوچتے ہوئے بڑبڑایا۔

"کون؟"

"وہی، جواری کا بیٹا چیتن!"

چیتن کا نام سن کر جیسے کرنل صاحب کے سینے پر سانپ لوٹ گیا اور وہ اپنے بوجھل دل کو سنبھالے جیپ گاڑی سڑک پر موڑنے لگے۔

چیتن اور پاٹل دنیا والوں کی نگاہوں سے چھُپ کر ایک آبشار کے نیچے پتھر پر لیٹے ہوئے تھے۔ بہتی ہوئی چاندی جیسے نرمل پانی کی چادر نے انہیں ڈھانپ رکھا تھا۔ وہ اس پُرسکون تنہائی سے لُطف اندوز ہو رہے تھے۔ آبشار کے چھینٹے ان کے سلگتے ہوئے جسموں پر پڑتے تو انہیں پھریری سی آجاتی اور ایک عجیب طرح کی لذت ان کی رگوں میں دوڑنے لگتی۔ وہ نہ جانے کب سے اسی طرح چپ چاپ لیٹے ہوئے تھے اور کبھی کبھی سوالیہ نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھ لیتے تھے۔ جو کچھ ان کے اوپر گذری تھی اور گذرنے والی تھی، شاید

وہ اسی بارے میں سوچ رہے تھے۔ ان کی محبت کا کیا انجام ہوگا یہ سوال دونوں کے ذہن میں بار بار اُٹھ رہا تھا۔ اسی طرح سوچتے ہوئے چیتن کے منہ سے اچانک نکل گیا۔

"عجب مشکل ہے.....!"

"کیا؟" پائل نے چونک کر اس کی طرف کروٹ لیتے ہوئے پوچھا۔

"ماں مجھے ماما کے پاس بھیج دینا چاہتی ہے۔"

"کیوں؟"

"کہتی ہے۔ یہاں لوگ بات بات پر تمہیں جواری کا بیٹا ہونے کا طعنہ دینے لگتے ہیں۔ ہر کوئی تمہیں نفرت سے دیکھتا ہے۔ میں نہیں چاہتی کہ تمہاری زندگی کو تمہارے باپ کا ماضی تاریک بنا دے۔ اس لئے تم اپنے ماما کے پاس چلے جاؤ۔"

"میرے نانا جی نے بھی پاپا کو خط لکھا ہے کہ پائل کو یہاں بھیج دو یہاں اس کی دیکھ بھال کرنے کو اس کی نانی اور موسی موجود ہیں اور کالج بھی شملہ سے اچھا ہے۔"

"تو کیا فیصلہ کیا تم نے؟" چیتن جلدی سے پوچھ بیٹھا۔

"تم نے کیا فیصلہ کیا ہے؟" پائل نے اُلٹا اسی سے سوال کر دیا۔

"کچھ بھی ہو میں تمہیں چھوڑ کر نہیں جا سکتا۔"

"میں بھی نہیں جانا چاہتی۔"

"لیکن اگر تمہارے پاپا نے مجبور کیا تو؟"

"تو میں بھاگ کر تمہارے گھر آجاؤں گی!"

پائل کی بات سن کر جیتن بے ساختہ ہنسنے لگا۔ پائل حیران ہو کر اسے دیکھنے لگی لیکن اس سے پہلے کہ وہ اُس سے اس ہنسی کی وجہ پوچھتی وہ خود ہی کہہ اٹھا۔

"ارے یہ زندگی کی پرابلم ہے۔ کوئی آنکھ مچولی تھوڑے ہی ہے کہ تم جہاں چاہو چھپ کر بیٹھ جاؤ۔"

پائل اس کی بات سن کر خاموش ہوگئی اور سوچنے لگی شاید وہ ٹھیک ہی کہتا ہے۔ یہ پرابلم اتنی آسان نہیں جتنی وہ سمجھ رہی ہے۔ وہ کافی دیر تک گم سم لیٹی رہی تو جیتن سے نہ رہا گیا اور پوچھ بیٹھا۔

"کیا سوچ رہی ہو؟"

"سوچ رہی ہوں۔ پاپا سکسینہ کے پاس پہنچے اور انہیں معلوم ہوا کہ فون سکسینہ نے نہیں کیا تو کیا ہوگا؟"

"ہوگا کیا۔ اگر انہیں مجھ پر شک ہوا تو پھر سیکنڈ ورلڈ وار میں بارہ جرمن مارنے لگیں گے۔ اور کچھ زیادہ ہی تاؤ آیا تو بندوق اٹھا کر ہوا میں ایک فائر کر دیں گے۔"

جیتن کے منہ سے ابھی یہ نکلا ہی تھا کہ پہاڑیاں فائر کی آواز سے گونج اٹھیں دونوں ایک ساتھ اچھل کر بیٹھ گئے۔ تبھی انہوں نے دیکھا دائیں طرف کی پہاڑی پر کرنل صاحب میم کے ساتھ کھڑے تھے۔ اور ایک فائر کرنے کے بعد دوبارہ بندوق لوڈ کر رہے تھے۔ پائل باپ کو دیکھتے ہی اُٹھ کر تیزی سے ایک طرف بھاگ کھڑی ہوئی اور جیتن نے ان کی گولی سے بچنے کے لئے ندی میں چھلانگ لگا دی۔

جیسے ہی وہ غوطہ لگا کر ندی کی سطح پر ابھرا، کرنل صاحب نے بندوق اُٹھا کر اسے نشانے کی زد پر لیا اور فائر کرنا ہی چاہتے تھے کہ نیم نے جلدی سے ان کی بندوق پکڑ کر اس کا رخ دوسری طرف موڑتے ہوئے کہا۔

"یہ کیا غضب کر رہے ہیں آپ؟"

"چھوڑ دو بندوق۔ میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا!" کرنل صاحب نے نیم کو جھٹکتے ہوئے کہا۔

"جانتے ہیں اس کا نتیجہ کیا ہوگا..... عدالت میں مقدمہ چلے گا، شہر بھر میں چرچے ہوں گے اور پاتل بٹیا بدنام ہو جائے گی۔ بیٹی کے باپ کو ایسے معاملہ میں جوش سے نہیں ہوش سے کام لینا چاہیئے۔"

نیم کی باتوں نے واقعی کرنل صاحب کے ہوش ٹھکانے کر دیئے۔

اور وہ بے بسی سے پوچھ بیٹھے۔

"تو پھر کیا کیا جائے؟"

"بیٹا کے نانا کی بات مان لیجئے اور جلد سے جلد اسے وہاں بھیج دیجئے۔ انہوں نے تو لڑکا بھی دیکھ رکھا ہے۔ کم پڑھا لکھا ہے تو کیا ہوا، ہے تو لکھ پتی کا بیٹا۔ میرے خیال سے تو آپ فوراً ہاں کہہ دیجئے۔ شادی ہوتے ہی بٹیا سب بھول بھال جائے گی۔ اس روگ کا بس یہی علاج ہوتا ہے۔"

کرنل صاحب نے نیم کی بات کا کوئی جواب نہ دیا۔ ان کی آنکھوں میں ابھی تک خون اترا ہوا تھا۔ اور نگاہ اس ندی پر جمی ہوئی تھی جس میں غوطہ لگا کر چیتن اُن کی نظروں سے اوجھل ہو گیا تھا۔

چیتن آج کالج کافی دیر سے پہنچا تھا۔ ماں کی طبیعت اچانک خراب ہو جانے کی وجہ سے وہ اسے لے کر ڈاکٹر کے یہاں چلا گیا اور جب تک دوا وغیرہ لے کر واپس آتے، کالج کی تین پیریڈ نکل چکے تھے۔ وہ جلدی جلدی قدم بڑھاتا ہوا جیسے ہی کلاس کے اندر جانے لگا دروازے پر اس کا دوست مراری مل گیا۔ اس نے چیتن کو روکتے ہوئے پوچھا۔

"اماں یار۔ اب تک کہاں تھے؟"

"ماں کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی، ڈاکٹر کے ہاں لے کر گیا تھا۔"

"پائل نے کالج چھوڑ دیا!"

"کیا.....؟"

چیتن جیسے بوکھلا گیا اور کچھ رک کر پوچھ بیٹھا... "تمہیں کیسے معلوم ہوا؟"

"وہ خود آئی تھی۔ اور لیونگ سرٹیفکیٹ لے کر چلی گئی۔"

"اوہ... کب؟"

"ابھی کچھ دیر پہلے۔ کافی دیر تک اس نے تمہاری راہ بھی دیکھی جب تم نہیں آئے تو وہ تمہاری یہ کتاب دے کر چلی گئی۔" کہتے ہوئے مراری نے بغل میں دبی ایک کتاب اسے تھما دی۔

"میری کتاب۔۔۔۔؟" چیتن نے وہ اکنامکس کی کتاب الٹ پلٹ کر دیکھتے ہوئے حیرت سے کہا اور پھر جیسے کچھ سوچ کر جلدی سے بولا۔

"ہاں ہاں، میری کتاب۔۔۔۔!"

مراری نے اس کی پریشان صورت کو دیکھا اور پلٹ کر کلاس کے اندر چلا گیا چیتن بھی آہستہ آہستہ اس کے پیچھے ہی کلاس میں چلا آیا۔

لکچر کلاس میں کچھ لکچر دے رہا تھا لیکن چیتن اس لکچر سے بے خبر چپ چاپ بیٹھا اس کتاب کے ورق الٹنے میں مصروف تھا وہ سمجھ گیا تھا ضرور اس کتاب میں اس کے لئے کوئی پیغام ہوگا کیونکہ یہ کتاب اس کی نہ تھی اور پاٹل نے بہانے سے اس کے پاس پہنچائی تھی۔ آخر ایک صفحہ پر اسے پاٹل کی باریک تحریر نظر آ ہی گئی اور وہ جلدی جلدی اسے پڑھنے لگا۔ لکھا تھا۔

"میں کل اپنے نانا کے یہاں جا رہی ہوں ہمیشہ کے لئے۔ کاش جانے سے پہلے تم سے ایک بار مل سکتی۔۔۔۔!"

یہ تحریر پڑھتے ہی چیتن کو لگا جیسے اس کا دل سینے کے اندر کسی نے مٹھی میں بھینچ لیا ہو۔ اس کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا اور سارا کلاس روم اسے گھومتا ہوا محسوس ہونے لگا۔

رات کا پہلا پہر بیت چکا تھا۔ بلا کی سردی پڑ رہی تھی۔ چاروں طرف کہرا

چھایا ہوا تھا اور ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دیتا تھا۔

پائل اپنے کمرے میں بستر پر لیٹی کروٹیں بدل رہی تھی۔ اس نے سونے کی کوشش میں کمرے کی بتی بجھا دی تھی۔ لیکن آتشدان میں دہکتے کوئلوں کی سرخ روشنی سے کمرے میں مدہم سا اُجالا پھیلا ہوا تھا۔

اس نے کروٹ بدل کر آتشدان کی طرف دیکھا اور سوچنے لگی اس کے اپنے اندر بھی ایک آتشدان تپ رہا ہے جس کی تپش سے اس کا سارا بدن جیسے پگھلتا جا رہا ہے۔ اس بلا کی سردی میں بھی اس نے اپنے ماتھے پر پسینے کی بوندیں اُبھرتی محسوس کیں۔ اس نے گھبرا کر ایک گہرا سانس لیا اور یہ سوچ کر اچانک پاگل سی ہو گئی کہ اسے بارہ گھنٹوں کے بعد چیتن سے ہمیشہ کے لئے جدا ہو جانا ہے وہ اپنی اس بے بسی پر تڑپ کر رہ گئی۔

اسی وقت پیچھے کی طرف کھلنے والے بند روشندان پر کسی نے دھیرے سے دستک دی وہ چونک پڑی۔ اس نے گردن گھما کر دیکھا تو بنگلے کی پہلی منزل پر واقع اس کمرے کے روشندان پر ایک سائے کو دیکھ کر وہ ڈر گئی۔ کہیں کوئی چور تو نہیں، اس نے ڈر کر سوچا اور دیکھا کہ وہ کوئی رومال سے روشندان کے شیشے کی بھاپ کو صاف کر رہا ہے۔ دھیرے دھیرے شیشہ صاف ہوا تو اس کے پیچھے اسے چیتن کا چہرہ نظر آنے لگا۔ وہ اچھل کر پلنگ سے اٹھی اور لپک کر ایک اسٹول اٹھا کر روشندان کے نیچے رکھ کر اس پر کھڑی ہو گئی اس نے روشندان سے لٹکی ڈوری کھینچ کر روشندان کا پٹ کھول دیا اور چیتن کو دیکھتے ہی کہہ اٹھی۔

"تم..... اس وقت؟"

"ہاں۔ اور کوئی چارہ بھی تو نہ تھا۔ تم سے ملنے کا!"

"اتنی رات کو۔ اس طرح؟"

"ہاں۔ سوچا اس کمرے کی آڑ لے کر تم سے مل آؤں" کہتے ہوئے چیتن نے اچھل کر روشندان میں داخل ہونے کی کوشش کی۔

پائل نے دیکھا وہ سردی سے ٹھٹھر رہا ہے۔ اس کا سانس بھی پھولا ہوا ہے۔ اور باہر نکلتے ہی بھاپ میں تبدیل ہوا جا رہا ہے۔

"ٹھہرو۔" اس نے کہا اور اسٹول سے اتر کر اپنے بستر کی طرف لپکی۔ اس نے بستر کے قریب رکھے ٹیبل لیمپ کو روشن کرنا چاہا۔ پھر کچھ سوچ کر رک گئی۔ آتشدان کی دھندلی روشنی میں اس نے ادھر اُدھر دیکھا اور لپک کر دروازے کی چٹخنی چڑھا دی۔ پھر اسٹول پر چڑھ کر اس نے ہاتھوں کا سہارا دے کر چیتن کو روشندان سے اندر کھینچنا چاہا۔ لیکن اس کوشش میں اسٹول پھسل کر اس کے پیروں کے نیچے سے نکل گیا۔ وہ دھڑام سے فرش پر آگری اور اس کے حلق سے ایک دبی دبی چیخ نکل گئی۔ چیتن روشندان میں آدھا اندر لٹکا رہ گیا۔

تبھی باہر سے کتے کے بھونکنے کی آواز آئی۔ پائل نے گھبرا کر چیتن کو دیکھا اور فوراً اسے بھاگ جانے کا مشورہ دیا۔ چیتن نے بمشکل اپنا جسم تنگ روشندان سے آزاد کیا اور نیچے کود پڑا۔

وہ باہر کود کر بھاگا ہی تھا کہ کرنل صاحب کا السیشن کتا ریکسن اس پر جھپٹ پڑا۔ اس نے چیتن کی ٹانگ پکڑ لی۔ چیتن نے ایک جھٹکے سے اپنی ٹانگ چھڑائی اور بھاگنا چاہا لیکن کتا غرا کر دوبارہ اس پر جھپٹا اور اس بار چیتن کی قمیض

کا دامن اس کے منہ میں آگیا۔ چیتن نے بمشکل اپنے آپ کو چھڑایا اور چاروں طرف چھائی گہری دھند کا سہارا لئے بھاگتا چلا گیا۔

کتے کے بھونکنے کی آواز نے کرنل صاحب کی نیند میں خلل ڈال دیا وہ ہڑبڑا کر اُٹھ بیٹھے اور اپنی بندوق سنبھالے باہر نکل آئے۔ برآمدے میں کھڑے ہو کر انہوں نے ایک ہوائی فائر کیا اور زور سے اپنے کتے کو پکارنے لگے۔

"جیکی... جیکی...!"

کچھ ہی دیر میں گھر کے تمام نوکر آ جمع ہوئے۔

بنگلے کی ساری بتیاں روشن ہو گئیں۔ لیکن باہر چھاتے گہرے کہر کی وجہ سے بھاگنے والے چور کا کوئی نشان بھی نہ پا سکا۔ چند منٹ بعد ہی جیکی بھاگتا ہوا اپنے مالک کے پاس آ کھڑا ہوا۔ اس کے منہ میں چیتن کی قمیص کا ایک ٹکڑا دبا ہوا تھا۔ جس پر خون کے چند دھبے بھی تھے۔ کرنل صاحب نے جیکی کے منہ سے وہ ٹکڑا نکالا اور غور سے اسے دیکھنے لگے۔ ان کے گرد جمع نوکر اس چور کے متعلق بالکل غلط اندازے لگا رہے تھے۔ انہوں نے ڈانٹ کر انہیں خاموش کیا اور خود غصہ میں بھرے ہوتے اندر چلے گئے۔

تیزی سے چلتے ہوئے وہ پائل کے کمرے کے سامنے آ کر رُکے۔ انہوں نے اس کپڑے کے ٹکڑے کو پھر سے دیکھا اور پائل کے دروازہ کو زور زور سے تھپتھپانے لگے۔

کچھ ہی دیر بعد دروازے کے کواڑ کھلے۔ پائل اس طرح آنکھیں مل کر باپ کو دیکھنے لگی جیسے وہ سوتے سے ابھی اُٹھی ہے اور اس کی آنکھوں میں نیند بھری ہے۔

نیند سے بوجھل آواز میں اس نے "پاپا" کہا اور کرنل صاحب اسے گھورتے ہوئے کمرے میں گھس آئے۔ انہوں نے برقی لیمپ کا بٹن دبایا اور اجالا ہوتے ہی بیٹی کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے اس کی گھبراہٹ کا اندازہ کرنے لگے۔ پھر انہوں نے اپنی نگاہوں کو کمرے میں چاروں طرف دوڑایا اور ایک طرف اسٹول گرا ہوا دیکھ کر بے ساختہ ان کی نظر اوپر، روشندان کی طرف اٹھ گئی جو مکمل طور پر بند نہ ہوا تھا۔ وہ اس کے قریب چلے آئے اور بندوق کی نال سے اس کے پٹ کو جانچنے لگے۔ پھر اچانک وہ بیٹی کی طرف پلٹے جو سر سے پیر تک کانپ رہی تھی۔ اور گرجدار آواز میں پوچھ بیٹھے۔

"کون آیا تھا یہاں؟"

"جی... کوئی بھی تو نہیں.....!" پائل کے ہونٹ تھرتھرائے۔

کرنل صاحب نے کچھ کہنے کے لئے ہونٹ کھولے۔ پھر کچھ سوچ کر کچھ نہ بولے۔ اور آگے بڑھ کر روشندان کی ڈوری پوری طاقت سے کھینچ کر کھٹاک سے بند کر دیا۔ پھر وہ جانے کے لئے پلٹے ہی تھے کہ ان کی نگاہ اس میز پر پڑی جس کی ایک ٹانگ ٹوٹی ہوئی تھی۔ اس پر ہیرالڈ رابنس کا ناول ادھ کھلا پڑا تھا۔ انہوں نے آگے بڑھ کر اسے اٹھایا اور اس کا نام پڑھا۔

WHERE LOVE HAS GONE"

انہوں نے جھنجھلا کر ناول کو پھاڑ دیا اور ٹکڑے ٹکڑے کر کے آتشدان میں ڈال دیا۔ پائل ان کا غصہ دیکھ کر ایک طرف ڈری ہوئی کھڑی تھی۔ وہ اس کی طرف پلٹے اور غصیلے لہجہ میں بولے۔

"کتنی بار کہا ہے۔ ایسے بازاری ناول بچوں کے پڑھنے کے لئے نہیں ہوتے!"

ان الفاظ کے ساتھ ہی وہ تیزی سے باہر نکل گئے۔ پائل گم سم کھڑی انہیں جاتا دیکھتی رہی۔ اس ناول کو پھاڑنے اور جلانے کی تہہ میں غصہ کی جو وجہ چھپی تھی وہ اچھی طرح سمجھ چکی تھی۔ لیکن وہ یہ بات پاپا سے نہ کہہ سکی۔

چند منٹوں تک وہ وہیں گم سم کھڑی رہی۔ پھر اپنے بوجھل قدموں سے رینگتی ہوئی بستر پر جا گری اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

ادھر جب چتن چھپتے چھپاتے اپنے گھر میں داخل ہوا تو اس کی ماں اس کے انتظار میں ابھی تک جاگ رہی تھی۔ اس نے دیکھا کہ چتن کے کپڑوں پر جگہ جگہ کیچڑ لگی ہوئی تھی اور سردی سے اس کا چہرہ تمتما کر سرخ ہو رہا تھا۔ چتن نے نظر چرا کر اپنے کمرے میں جانا چاہا لیکن اسی وقت ماں پوچھ بیٹھی۔

"ماں کی طبیعت کو بھی نہ پوچھے گا کیا؟"

"اوہ ہاں، کیسی ہو ماں۔ بخار اترا کہ نہیں؟" وہ کھسیا کر بولا۔

"بدن تو ٹھنڈا ہے۔ لیکن دماغ گرمی سے جیسے پھٹا جا رہا ہے۔"

"کیوں ماں؟"

"آدھی آدھی رات تک تم گھر سے غائب رہو تو دماغ ٹھکانے رہ سکتا ہے۔"

"ماں، دراصل میں ایک دوست کے ہاں پڑھنے چلا گیا تھا۔ وہ اپنا مراری ہے نا مراری۔ اس کے ہاں کمرے میں ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دے رہا تھا راستے میں ایک جگہ پیر جو پھسلا تو کیچڑ میں گر گیا۔ یہ دھبے جو دیکھ رہی ہو نا ماں۔ اسی کے ہیں۔"

وہ جلدی جلدی ایک ہی سانس میں کہہ گیا۔

تبھی ماں کی نظر قمیض کے پھٹے ہوئے دامن اور پتلون کے پائنچوں پہ لگے خون کے دھبّوں پر پڑی تو وہ گھبرا کر چیخ اُٹھی۔

"ارے یہ کیا.... خون....؟"

"اوہ یہ کچھ نہیں ماں۔ کیچڑ میں پتھر بھی تھے نا۔ کوئی لگ گیا ہوگا!" چیتن نے لاپرواہی سے کہا۔

شانتی دیوی پلنگ سے اُٹھ کر بیٹے کے قریب چلی آئی اور پاؤں پہ سے اس کی پتلون اُٹھا کر دیکھنے لگی۔ پنڈلی کے زخموں کو دیکھ کر وہ پریشان ہو کر پوچھ بیٹھی۔

"کہاں گیا تھا رے تو؟"

"کہانا، مراری کے ہاں!"

"تو ماں سے جھوٹ بولے گا رے؟"

"نہیں ماں، کبھی نہیں۔" چیتن نے توبہ کے انداز میں کان پکڑتے ہوئے کہا۔

"لیکن یہ تو کسی جانور کے دانتوں کے نشان ہیں؟"

"ارے نہیں ماں۔ جانور کیسا۔ کہا نا پتھر لگ گیا تھا۔"

"پھر جھوٹ....!"

شانتی نے اسے گھورا اور اس کی آنکھوں میں دیکھتی ہوئی پوچھ بیٹھی.....

"ارے تو کہیں باغ یا بغیچہ میں تو نہیں گیا تھا۔ اس چھوکری سے ملنے؟"

"افوہ؟ تم تو ہر بات میں اس چھوکری کو ہی بیچ میں لے آتی ہو... بات بات پہ شک کرتی ہو.... مان لو، کسی جانور نے ہی کاٹ کھایا تو پائل کے باغ کے

علاوہ کہیں اور یہاں جانور نہیں ملتا؟،، اس نے ماں سے نظریں چراتے ہوئے کہا۔
ماں اس کی جھلاہٹ اور نظریں چرانے کے انداز سے سمجھ گئی کہ اس کا بیٹا جھوٹ بول رہا ہے۔ لیکن اس نے سوچا اگر یونہی وہ اس پہ سوالات کی بوچھاڑ کرتی رہی تو وہ اس سے باغی بھی ہو سکتا ہے۔ وہ اپنے غصہ کو پی گئی اور ہونٹوں پہ زیر دستی مسکراہٹ لاتی ہوئی بولی۔

"تو ٹھہر۔ میں ابھی تیرے زخموں کو بھر دیتی ہوں،،

"ارے نہیں ماں۔ یہ تو معمولی زخم ہیں،،

"میں جانتی ہوں۔ لیکن جانور کا کاٹا کبھی کبھی خطرناک بھی ہو جاتا ہے،،

"آدمی پاگل ہو جاتا ہے نا؟،،

"جب جانتا ہے تو بحث کیوں کرتا ہے۔ ویسے تو تو بھی دیوانے سے کم نہیں ہے،، کہتے ہوئے ماں رسوئی گھر میں چلی گئی۔

چیتن اپنے زخمی پاؤں کو ہولے ہولے زمین پہ ٹیکتا ہوا پلنگ پہ جا بیٹھا۔ جہاں جیکی کے دانت لگے تھے وہاں بلا کی جلن ہو رہی تھی لیکن وہ اس درد کو جبراً بھینچ کر ضبط کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

شانتی رسوئی گھر سے لال مرچیں پیس کر لے آئی اور اس کا موٹا موٹا لیپ چیتن کے زخموں پہ لگا دیا۔ لیپ لگتے ہی اس کو محسوس ہوا جیسے اس کے زخموں پہ انگارے رکھ دیئے ہوں۔ بے ساختہ اس کے منہ سے ایک سسکاری نکل گئی۔ اور اس نے دونوں ہاتھوں سے پنڈلی کو جکڑ لیا۔

اس بلا کی سردی میں بھی اس کا چہرہ پسینے سے تر ہو گیا لیکن پھر رفتہ رفتہ تکلیف

کم ہونے لگی اور اس کے چہرے پہ راحت کے آثار نظر آنے لگے۔

"کیوں رے۔ جلن کم ہوتی؟" ماں نے پوچھا۔

"ہاں ماں!"

"یہ دیسی ٹوٹکا ہی ایسا ہے۔ فوراً کام کرتا ہے"

"یہ ٹوٹکے کا نہیں ماں۔ تمہارے ہاتھوں کا اثر ہے۔" چیتن نے ماں کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر پیار سے کہا۔

شفقت سے شانتی کی آنکھیں نم ہوگئیں اور اس نے بیٹے کو اپنی بانہوں میں بھینچ لیا۔

باہر کی سردی سے چیتن کا بدن برف ہوگیا تھا۔ اب جو ماں کی گود میں سمٹ کر اسے ممتا کی گرمی ملی تو اس کے بدن میں خون گرم ہو کر رگوں میں دوڑنے لگا اور اسے ایک عجیب سے سکون کا احساس ہوا۔

"تو تو نے کیا فیصلہ کیا؟" ماں نے چند لمحوں کی خاموشی کو توڑا۔

"کس بات کا؟"

"اپنے ماما کے ہاں جانے کا!"

"تم سے الگ ہونے کو جی نہیں چاہتا۔"

"پگلا۔"

ماں نے اس کے سر پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔۔۔ "کیا عمر بھر ماں کی گود میں سمٹا رہے گا؟ کل کو بہو آگئی تو ماں کو پوچھے گا بھی نہیں رات دن۔۔۔"

"بس بس، اب اور لکچر نہ دو،" چیتن نے ماں کی بات کاٹ دی اور پھر کچھ

رک کر بولا۔۔۔ "تم چاہتی ہو تو میں چلا جاؤں گا!"

"صرف چلے جانے ہی سے کام نہیں چلے گا۔ ایک بڑا آدمی بن کر لوٹنا ہوگا۔ اس شہر میں، تاکہ لوگ تمہیں باپ کے نام سے نہیں، تمہارے اپنے نام سے پہچانیں۔"

"اچھا اچھا۔ ایسا ہی ہوگا۔ اب جلدی سے کھانا تو پروس دو۔ زوروں کی بھوک لگی ہے۔" چین نے ماں کی گود میں سے سر نکال کر کہا اور اٹھ کر منہ ہاتھ دھونے غسل خانے کی طرف چلا گیا۔

شانتی آج بیٹے کی فرمانبرداری دیکھ کر دل ہی دل میں پھولی نہ سماتی اور بیٹے کے لئے کھانا پروسنے رسوئی گھر کی جانب چل دی۔

ڈاک گاڑی چیختی چنگھاڑتی، رات کی سوئی ہوئی تاریکی کو جھنجھوڑ کر جگاتی چلی جا رہی تھی۔ ڈائننگ کار میں مسافر رات کا کھانا کھانے میں مصروف تھے۔ ایک کونے میں کرنل صاحب اور پائل بھی کھانے کی میز پر بیٹھے ہوئے تھے۔ کرنل صاحب کے آگے انگریزی طرز کا کھانا چنا ہوا تھا۔

وہ خاموشی سے چھری اور کانٹے کی مدد سے کھانا کھا رہے تھے۔ ان کا دل بوجھل تھا لیکن وہ اس کی کیفیت بیٹی پر عیاں نہ کر رہے تھے۔ بلکہ جب پائل نے یہ کہہ کر کہ اسے بھوک نہیں ہے صرف کافی کا آرڈر دیا، تب بھی انہوں نے اسے کھانے کے لئے مجبور نہیں کیا۔

دونوں طرف گہری خاموشی چھائی تھی۔ پائل کے چہرے سے گہری اداسی جھلک رہی تھی۔ وہ اپنے اور باپ کے درمیان چھائی اس گھٹن سے بے چین ہو رہی تھی۔ اس نے جلدی جلدی کافی ختم کی اور باپ سے اجازت لے کر اپنے

کمپارٹمنٹ کی طرف چل پڑی۔ کرنل صاحب اس کی بے چینی محسوس کرتے ہوئے اسے صرف ایک نظر دیکھ کر رہ گئے۔

پائل اپنے کمپارٹمنٹ میں داخل ہوئی تو اس نے دیکھا کوئی فرسٹ کلاس کے کوپوں پر جھک جھک کر مسافروں کے نام پڑھنے کی کوشش کر رہا ہے وہ اپنے کوپے کے قریب پہنچی تو یہ دیکھ کر اسے ایک جھٹکا سا لگا کہ وہ کوئی اور نہیں، چیتن ہے۔ اس نے گھبرا کر دائیں بائیں دیکھا اور جلدی سے چیتن کا ہاتھ تھامے اسے ڈبے کے دوسرے حصّہ میں لے آئی اور ایک اندھیرے کونے میں چھپتے ہوئے بولی۔

"تم... تم یہاں کیسے آ گئے؟"

"مجھے معلوم تھا تم اسی ٹرین سے سفر کر رہی ہو۔"

"لیکن تم کہاں جا رہے ہو؟"

"تم اپنے نانا کے یہاں جا رہی ہو۔ میں اپنے ماما کے یہاں جا رہا ہوں۔"

"کل رات کے واقعہ کے بعد بھی تمہیں مجھ سے ملتے ہوئے ڈر نہیں لگا؟"

"ڈر کس بات کا۔ زیادہ سے زیادہ تمہارے پاپا مجھے گولی مار دیں گے۔"

"چیتن ــــ" پائل نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھتے ہوئے ایک دبی دبی چیخ کے ساتھ کہا ــــ "ایسا نہ کہو چیتن.... ایسا نہ کہو!"

"تو کیا کہوں۔ تم سے جدا ہو کر جینا تو موت سے بھی بدتر ہے۔"

"میں کیا کروں چیتن۔ پاپا کی ضد نے مجھے اپنے نانا کے ہاں رہنے پر مجبور کر دیا ہے۔"

"کل ان کی ضد تمہیں اور کے پلّو کے ساتھ بندھنے پر بھی مجبور کر دے گی۔"

"وہ دن کبھی نہ آئے گا۔ اس بندھن میں بندھنے سے پہلے ہی میں اپنی جان دے دوں گی۔"

"یہ سب کتابی باتیں ہیں۔"

"تو پھر تم کیا چاہتے ہو؟"

چیتن چند لمحوں کے لئے سوچ میں پڑ گیا۔ پھر غور سے پائل کے چہرے کو دیکھا اور اس کی بھیگی پلکوں کو انگلیوں سے صاف کرتے ہوئے بے ساختہ کہہ اُٹھا۔

"آؤ، میرے ساتھ بھاگ چلو!"

"چیتن ....!" پائل کی ایک دبی دبی چیخ نکل گئی۔

"ہاں پائل۔ تمہیں نے کہا تھا۔ تم اپنی ماں کو چھوڑ دو۔ میں اپنے باپ کو چھوڑ دوں گی.... میں نے محبت کے لئے اپنی ماں کو چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ اب تمہارا کیا فیصلہ ہے؟"

چیتن کے اس سوال نے پائل کو تذبذب میں ڈال دیا۔ کہنے اور کرنے میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ اتنا بڑا اقدم اُٹھاتے ہوئے اسے ڈر لگ رہا تھا۔ وہ گم سم کھڑی اپنے محبوب کو دیکھتی رہی جو اس کے لئے اتنی بڑی قربانی دینے کو تیار ہو گیا تھا اس سے پہلے کہ وہ اسے اپنا فیصلہ سناتی کرنل صاحب کے کھنکارنے کی آواز آئی۔ وہ ڈائننگ کار سے واپس آ رہے تھے۔ پائل جلدی سے چیتن کو باتھ روم میں دھکیلتے ہوئے تیزی سے اپنے کوپے کی طرف چل پڑی۔

"کہاں چلی گئی تھیں؟" کرنل صاحب نے بیٹی کو دیکھتے ہی پوچھا۔

"کہیں نہیں پاپا۔ باتھ روم میں تھی!"

"اوہ۔ چلو گیارہ بج چکے ہیں۔" انہوں نے گھڑی دیکھتے ہوئے کہا۔

پائل ان کے ساتھ کوپے میں داخل ہو گئی اور جلدی جلدی پاپا کا بستر

بچھانے لگی۔ کرنل صاحب نے کہا بھی کہ وہ خود بچھا لیں گے لیکن اس نے اُن کی ایک نہ سُنی اور بڑے پیار سے بستر بچھا دیا۔ پھر پاپا کے چپل کپڑے سے صاف کر کے اُن کے برتھ کے نیچے رکھے اور اُن کا کوٹ اُتارنے میں ان کی مدد کرنے لگی۔ کرنل صاحب اس کے بدلے ہوتے رویّے کو دیکھ کر تعجب میں پڑ گئے اور حیرت بھری نظروں سے اسے دیکھنے لگے۔

"کیا دیکھ رہے ہیں پاپا؟" پائل نے پیار سے پوچھا۔

"کچھ نہیں مجھے آج لگ رہا ہے میں ایک بیٹی کا باپ ہوں"

"تو کیا آج تک میں آپ کی بیٹی نہ تھی؟"

"بیٹی تو تھی۔ لیکن بیٹی کا سا پیار نہ دیا تھا۔"

"آپ نے ہی کب مجھے ایک پاپا کی طرح چاہا ہے، پیار دیا ہے؟"

"کیا کہ دوں۔ اس جواری کے بیٹے نے میرا جینا حرام کر رکھا تھا۔"

پاپا کے اس جملے نے پائل کے دل کو ایک تیز نشتر کی طرح چھُوا۔ لیکن وہ ضبط کر کے رہ گئی۔ اس کی سنجیدگی دیکھ کر کرنل صاحب پھر بولے۔

"جانتا ہوں۔ تم سمجھتی ہو میں تمہارے ساتھ زیادتی کر رہا ہوں... لیکن یاد رکھو کہ میں ایک باپ ہوں اور ہر باپ کو اولاد کے بھلے کے لئے اس کے ساتھ کچھ سختی کرنی ہی پڑ جاتی ہے۔ چیتن اگر جواری کا بیٹا اور آوارہ لڑکا نہ ہوتا تو شاید میں تمہارا اس سے میل جول بند نہ کرتا۔ لیکن مجھے سماج میں رہنا ہے اور تمہارا سُکھ بھی دیکھنا ہے اس لئے میں جو کچھ کر رہا ہوں مجھے وہی کرنا چاہیئے تم....."

"اب چھوڑیئے پاپا۔" پائل نے باپ کی بات کاٹ دی اور پھر زیر دستی ہونٹوں پر مسکراہٹ لاتے ہوئے بولی "جب ایک شہر چھوٹ گیا تو اس کے لوگوں کو یاد کر کے کیا لینا۔"

پھر اس نے پاپا کا نائٹ سوٹ اٹیچی کیس سے نکال کر انہیں تھما دیا کرنل صاحب بیٹی کے اس جملے پر من ہی من میں مسکرا دیئے اور نائٹ سوٹ لئے ہوئے باتھ روم میں چلے گئے۔

پائل پھر سے سنجیدہ ہو گئی۔ اس کے ذہن کے پنجرے میں چیتن کے کہے ہوئے الفاظ ایک پرندے کی طرح پھڑ پھڑا رہے تھے۔

"آؤ میرے ساتھ بھاگ چلو... آؤ میرے ساتھ بھاگ چلو!"

اس کا ذہن جھنجھنا رہا تھا اور وہ کوئی فیصلہ نہ کر پا رہی تھی۔

کرنل صاحب جب نائٹ سوٹ پہن کر آئے تو پائل نے اپنا بستر بچھا لیا تھا۔ اور اس پر خاموشی سے لیٹی ہوئی تھی۔ کرنل صاحب بھی چپ چاپ اپنے بستر پر لیٹ گئے اور بیٹی سے پوچھ کر بتی بند کر دی تھوڑی ہی دیر میں وہ خراٹے بھرنے لگے۔ نہ جانے کتنے دنوں بعد آج وہ شاید اطمینان کی نیند سو رہے تھے۔ کیونکہ انہیں یقین ہو گیا تھا کہ ان کی بیٹی راہِ راست پر آ گئی ہے۔

لیکن پائل کی آنکھوں سے نیند کوسوں دور تھی۔ وہ ذہنی کشمکش میں مبتلا تھی باپ یا محبوب۔ وہ کس کو اپنائے۔ آخر سوچتے سوچتے محبت باپ کے پیار پر غالب آ گئی۔ اس نے چیتن کے ساتھ بھاگنے کا فیصلہ کر لیا۔

یہ فیصلہ کرتے ہی اس کے دل میں باپ کے لئے پیار کا دریا ٹھاٹھیں مارنے لگا وہ اب اس باپ کو کبھی نہ دیکھ سکے گی، جس نے اسے باپ کا پیار ہی نہیں ماں کی ممتا بھی دی ہے۔ اسے بڑے لاڈ پیار سے پالا ہے۔ وہ اُٹھ کر بیٹھ گئی اور بڑی دیر تک دُھندلی روشنی میں سوتے ہوئے باپ کے معصوم چہرے کو دیکھتی رہی۔ اس کا جی چاہ رہا تھا کہ بڑھ کر اسے چوم لے۔ لیکن اس کے جگ جانے کے خوف سے وہ ایسا نہ کر سکی اور چپ چاپ ٹکٹکی باندھے اسے دیکھتی رہی۔۔۔۔ دیکھتی رہی۔۔۔۔

ریل گاڑی گھڑگھڑاتی ہوئی کسی پل سے گذری اور ایک بھیانک وسل کے ساتھ اچانک رک گئی۔ اس اچانک جھٹکے سے کرنل صاحب گہری نیند سے چونک کر جاگ گئے اور اُٹھ کر بیٹھتے ہوئے بول اٹھے۔

"کیا ہوا بیٹی؟"

بیٹی کا جواب نہ پاکر انہوں نے دھندلی روشنی میں غور سے پائل کی برتھ کی طرف دیکھا تو وہاں پائل کو موجود نہ پاکر ان کا دل زور سے دھڑک اٹھا انہوں نے گھبرا کر جلدی سے بتی جلا دی اور کوپے میں اِدھر اُدھر نظر دوڑا کر تیزی سے باہر نکل گئے۔

پائل وہاں بھی نہ تھی۔ انہوں نے پورا ڈبہ چھان مارا۔ دونوں باتھ روم کھول کر دیکھے لیکن ان کی بیٹی کہیں نہ ملی۔ وہ ڈبے کا دروازہ کھول کر نیچے اترنے لگے۔ لیکن پھر انہوں نے دیکھا گاڑی کسی اسٹیشن پر نہیں، ایک ندی کے پل پر رکی کھڑی تھی۔ جس کا پانی طوفانی رفتار سے شور مچاتا ہوا بہہ رہا تھا۔

کہ نل صاحب کا دماغ چکرانے لگا۔

وہ دیوانہ وار گاڑی کے دوسرے ڈبوں میں چکر لگانے لگے لیکن پاتل کا کہیں پتہ نہ لگا۔ وہ مایوس ہو کر اپنے ڈبے میں آ گئے۔ پھر اچانک وہ یہ سوچ کر کانپ گئے کہ کہیں ان کی بیٹی اس بھیانک ندی میں نہ گود گئی ہو۔ پھر وہ خود ہی چلا اٹھے۔

"نہیں نہیں، وہ ایسی نادانی کبھی نہیں کر سکتی!"

تبھی انہیں اچانک پاتل کے بدلے ہوئے رویّے کا خیال آ گیا کیا وہ اسی لئے ان سے اتنا پیار کرنے لگی تھی کہ انہیں چھوڑ کر بھاگنا چاہتی تھی۔

سوچتے سوچتے انہیں اپنا دل ڈوبتا ہوا محسوس ہوا۔ انہوں نے جلدی سے ڈبے کی دیوار کا سہارا لیا اور ایک ایسے آدمی کی طرح جس کی کمر اچانک ٹوٹ گئی ہو، دھیرے دھیرے دیوار کا سہارا لیتے ہوئے اپنے کوپے میں داخل ہو گئے۔

اندر لائٹ جل رہی تھی لیکن انہیں کچھ بھی نظر نہ آ رہا تھا کیونکہ ان کی دنیا تاریک ہو چکی تھی۔ وہ اپنے بستر پر دھم سے گر پڑے۔

شانتی دیوی اپنے گھر کے برآمدے میں جھاڑو دے رہی تھی کہ اچانک اپنے سامنے بندوق کی نال دیکھ کر چونک پڑی۔ اس نے گھبرا کر نظریں اٹھائیں تو اپنے سامنے کرنل صاحب کو کھڑا پایا۔ وہ جلدی سے جھاڑو چھوڑ کر اپنے سر کو ساڑھی کے پلو سے ڈھکنے لگی۔

"کہاں ہے تمہارا بیٹا؟" کرنل صاحب غرائے۔

"اپنے ماما کے یہاں چلا گیا!"

"ماں کے یہاں نہیں گیا۔ میری بیٹی کو بھگا لے گیا ہے!"

"کیا کہہ رہے ہیں آپ؟" وہ ڈرتے ڈرتے بولی۔

"وہ جو سچ ہے۔ وہ چلتی ٹرین سے اسے لے کر فرار ہوگیا ہے!"

"نہیں کرنل صاحب۔ وہ ایسی نادانی نہیں کرسکتا!" وہ بڑی پختگی سے بولی۔

"فی الحال تو کر بیٹھا ہے۔ لیکن یاد رکھو۔ اگر دو دن کے اندر تم نے میری بیٹی کو واپس نہ کیا تو میں سارے ملک کی پولس اس کے پیچھے لگا دوں۔۔۔۔ اسے جیل بھجوا دوں گا۔ یہ میری عزت کا سوال ہے۔۔۔۔!"

"آپ کی عزت میری عزت ہے کرنل صاحب۔ اگر چیتن نے سچ مچ ایسا کیا ہے تو میں زندگی بھر اسے معاف نہ کروں گی۔" شانتی دیوی نے دردناک لہجہ میں کہا۔

کرنل صاحب نے غضبیلی نظروں سے اسے دیکھا اور ایک نظر گھر کی بوسیدہ حالت پر ڈالتے ہوئے تیزی سے گھر کے باہر چلے گئے۔

شانتی دیوی کے جیسے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ اس کی سمجھ میں نہ آرہا تھا۔ کہ وہ کیا کرے۔ آخر کچھ سوچ کر اس نے الماری سے کچھ پیسے نکالے اور باہر نکل کر مکان کا دروازہ بند کر کے پوسٹ آفس کی طرف روانہ ہوگئی۔

وہ اپنے بھیّا کو جوابی تار بھیج کر جانکاری کرنا چاہتی تھی کہ چیتن اس کے ہاں پہنچا یا نہیں۔

دو ہی روز بعد چیتن اور پائل بمبئی آ پہنچے۔

نیا شہر، اجنبی لوگ، چاروں جانب آدمیوں کا ریلا۔ آسمان کو چھوتی ہوئی بلند و عالی شان عمارتیں۔ دو منزلہ بسوں اور موٹر گاڑیوں کی ریل پیل۔ طوفانی رفتار سے چلنے والی بجلی کی ریل گاڑیاں۔ ان سب نظاروں کو دیکھ کر ان کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جاتیں اور سر گھومنے لگتا۔ آنکھوں کے سامنے اندھیرا سا چھا جاتا اور وہ چلتے چلتے راستوں پر لڑکھڑا کے رہ جاتے۔

چیتن کو یقین تھا کہ کرنل صاحب اپنی بیٹی کی تلاش میں اپنی طاقت اور پیسے کا پورا استعمال کریں گے۔ اس لئے وہ جلد سے جلد پائل کو شادی کے بندھن میں باندھ دینا چاہتا تھا۔ کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اس پوتر بندھن میں بندھ جانے کے بعد کوئی قانون یا سماج انہیں ایک دوسرے سے جدا نہ کر سکتا تھا۔

لیکن اسکی یہ حسرت پوری نہ ہوئی۔ پائل ابھی نابالغ تھی۔ اس کے بالغ ہونے میں ابھی چھ مہینے کا عرصہ باقی تھا۔ اس نے آریہ سماج سناتن مندر اور سول میرج کورٹ

تک کا دروازہ کھٹکھٹایا، لیکن اس کا ساتھ کسی نے نہ دیا۔ بلکہ اسے اچھی طرح سمجھا دیا گیا کہ اگر اس نے پائل کے ساتھ بالغ ہونے سے پہلے شادی کی تو اسے جیل کی ہوا کھانی پڑے گی۔

اس رکاوٹ نے دونوں کے دلوں میں ایک خوف بھر دیا۔ ان کے سامنے اب سب سے بڑا مسئلہ یہ تھا کہ انہیں چھ مہینے تک آدمیوں کے اس گھنے جنگل میں جان پہچان والوں کی نظروں سے چھپ کر رہنا تھا وہ اس مسئلے کو حل کرنے کے لئے انجان سڑکوں اور گلیوں کو ناپنے لگے۔

آخر شہر کی کئی گلیوں اور راستوں کو چھاننے کے بعد انہیں ایک سستا سا اور ایک گلی کے اندر چھپا ہوا ہوٹل مل ہی گیا۔

جس کا نام نتھارام بھروسے ہوٹل۔ اس کے ارد گرد رہنے والے بھی زیادہ تر اوسط درجہ کے لوگ تھے۔ ہر کوئی اپنی ہی دھن میں مست تھا۔ کسی کو کسی کی فکر نہ تھی۔ چیتن کو یہ جگہ مناسب لگی اور وہ دونوں اپنا اسباب اٹھائے ہوئے رام بھروسے ہوٹل میں داخل ہو گئے۔

سامنے ہی کاؤنٹر پر ہوٹل کا مالک رام بھروسے خود ہی منیجر کے فرائض بھی انجام دے رہا تھا۔ پھولا ہوا گول چہرہ، آنکھوں پر چشمہ منڈھے ہوئے سر پر گچھا نما چوٹی، پیشانی پر سندوری چندن کا تر چھا ٹیکہ اور صاف ستھرے کھادی کے کپڑے، ڈیل ڈول اور لیئے سے شدھ گھی کی طرح شدھ برہمن لگ رہا تھا لیکن منہ میں رام رام کی جگہ ماں بہن کی وزنی گالیاں تھیں جو وہ اپنے نوکروں کو دے رہا تھا۔

جیسے ہی رام بھروسے نے اپنے سامنے نوجوانوں کا یہ دلکش جوڑا دیکھا تو اس کے حلق میں نوکروں کے لئے گالی گھٹ کر رہ گئی اور وہ اپنا چشمہ ناک پر درست کرتا ہوا جھینپ کر بولا۔

"سوری سر، کمبخت جب تک گالی نہ سنیں کام ہی نہیں کرتے.... کہئے کیا سیوا کروں آپ کی؟"

"ایک کمرہ ملے گا؟" چیتن نے نڈر لہجہ میں پوچھا۔

"خالی نہیں بھی تو کرا دیا جائے گا۔ آج تک رام بھروسے نے کسی نوجوان جوڑے کو انکار نہیں کیا۔ دیس بدیس سے نہ جانے کتنے جوڑے ہمارے ہوٹل میں ہنی مون منانے کے لئے آتے ہیں اور خوبصورت یادیں لئے چلے جاتے ہیں۔"

رام بھروسے نے ایک سانس میں کہہ دیا لیکن اس دوران وہ اپنی نگاہ پائل کے چہرے سے ایک پل کے لئے بھی نہ ہٹا سکا تھا۔ چیتن کو اس کی اس بھوکی نظر پر غصہ تو آیا لیکن وہ وقت کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے چپ رہا اور اس کی توجہ بدلنے کے لئے بولا۔

"کمرہ دو بیڈ والا ہونا چاہیئے۔ اور کرایہ مناسب"

"ایسا ہی ہوگا۔ دو بیڈ، آرام دہ اور ٹکاؤ اور کرایہ صرف پندرہ روپے....!"

"پندرہ روپے مہینہ؟" چیتن نے چونک کر پوچھا۔

"پندرہ روپے روزانہ مہاشئے۔ یہ بندرابن نہیں، بمبئی ہے!"

چیتن اور پائل نے گھوم کر ایک دوسرے کو دیکھا اور اشاروں ہی اشاروں میں وہاں ٹھہرنے کا فیصلہ کر لیا۔ چیتن رام بھروسے کی طرف رخ بدلتے ہوئے بولا۔

"، یہیں منظور ہے!"

رام بھروسے نے عادت کے مطابق ناک پر چشمہ درست کرتے ہوئے مسافروں کے قیام کا رجسٹر ان کے سامنے کر دیا۔ اور انہیں اپنا نام اور پتہ لکھنے کو کہا۔ چیتن نے فوراً رجسٹر اپنی جانب کھینچا اور اس میں اپنا نام اور پتہ درج کرنے لگا۔

نام تو اس نے بے خیالی میں صحیح لکھ دیا لیکن پتہ شملہ کے بجائے دارجلنگ کی ایک فرضی جگہ کا لکھا۔ اور جب وہ اس کالم کو بھرنے لگا جس میں اسے اپنا اور پائل کا رشتہ لکھنا تھا تو پل بھر کے لئے ٹھٹھک گیا۔ رام بھروسے نے اسے مشکوک نظروں سے دیکھا اور فوراً پوچھ بیٹھا۔

"آپ کا رشتہ کیا ہے.... یعنی آپس میں؟"

"دوستی کا.... میرا مطلب ہے میاں بیوی کا!" چیتن نے گڑبڑا کر کہا۔

"تو آپ لکھتے ہوتے گھبرا کیوں رہے ہیں؟ رام بھروسے نے اس کے گھبراتے ہوتے اور پائل کے زرد ہوتے ہوتے چہرے کو دیکھتے ہوتے پوچھا۔

"نہیں تو.... وہ بات یہ ہے۔ زندگی میں پہلی بار ہوٹل میں ٹھہر رہے ہیں نا۔" چیتن نے سنبھل کر کہا۔

"ایشور آپ کی یہ پہلی بار کئی بار لائے۔" رام بھروسے نے مسکرا کر کہا اور ان دونوں کے چہروں پر بھی یکبارگی مسکراہٹ آگئی۔

چیتن نے فوراً اپنا رشتہ میاں بیوی کا لکھ دیا اور رجسٹر کھسکا کر رام بھروسے کی طرف کر دیا۔ رام بھروسے نے تیس روپے بطور پیشگی طلب کئے تو پائل نے اپنے بٹوے سے دس دس کے تین نوٹ نکال کر اسے تھما دیئے۔ رام بھروسے نے ہوٹل

سے کے ایک چھوکرے سے مکھن سنگھ کو پکارا۔ اسے ان دونوں کا سامان کمرہ نمبر دس میں لے جانے کا حکم دیا اور خود کمرے کی چابی لے کر چیتن اور پائل کو اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کرتا ہوا ایک طرف چل پڑا۔

رام بھروسے نے جونہی دس نمبر کمرے کا دروازہ کھولا ایک عجیب سی بدبو کا بھبکا کمرے سے خارج ہوا۔ جیسے وہ کمرہ کافی دنوں سے کھلا ہی نہ ہو۔ اس نے اندر آکر بتی جلا دی وہ دونوں بھی مکھن سنگھ کے پیچھے جھجکتے ہوئے اندر داخل ہو گئے اور کمرے کے مختصر سے فرنیچر کو دیکھنے لگے۔

رام بھروسے نے ان کا ناپسندیدہ نظر کو بھانپا اور جلدی سے کمرے کی تعریف میں قصیدہ پڑھنا شروع کر دیا۔

مکھن سنگھ سامان ایک طرف رکھ کر اپنے مالک کے ساتھ واپس جانے لگا تو رام بھروسے جاتے جاتے پلٹا اور چیتن سے مخاطب ہوا۔

”گھنٹی کا بٹن سامنے دیوار پہ ہے۔ کوئی چیز درکار ہو تو یاد کیجئے گا۔“

چیتن نے اثبات میں گردن ہلا دی۔ لیکن وہ جاتے سے پہلے پھر کہہ اٹھا۔

”بے بی کے لئے کچھ دودھ، پھل بھجواؤں؟“

”جی نہیں شکریہ، ہمیں کچھ نہیں چاہیئے!“ چیتن نے کرخت لہجہ میں کہا اور وہ دونوں جلدی سے باہر نکل گئے۔ رام بھروسے نے باہر نکلتے ہوئے کمرے کا دروازہ بھی بند کر دیا۔

ان کے جاتے ہی چیتن اور پائل نے اطمینان کا سانس لیا اور کمرے کو چاروں طرف نظر گھما کر دیکھنے لگے جس کی تاریکی دور کرنے کے لئے دن میں بھی بتی روشن رکھنی پڑتی

تھی۔ دیواروں کی حالت ایسی تھی جیسے ان پر رنگ ہوئے برس گذر گئے ہوں فرنیچر پر گرد کی ایک موٹی تہہ جمی تھی۔

نہ جانے کیا سوچ کر پائل اچانک ہنسنے لگی اور پھر ہنستے ہنستے اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ چیتن نے آگے بڑھ کر اس کے آنسو پونچھے اور بڑے پیار سے پوچھا۔

"کیوں کیا ہوا؟"

"کچھ نہیں۔۔۔۔!"

"نہیں پائل، میں تمہارے دل کا درد سمجھتا ہوں"

"کیا؟"

"میں تمہیں ایک محل سے نکال کر کھنڈر میں بولے آیا ہوں"

"نہیں چیتن ہنسی اور رونا تو مجھے زندگی کے اس مذاق پر آگیا جو اس نے ہمارے ساتھ کیا ہے۔۔۔ سوچتی ہوں پاپا کی ایک معمولی سی ضد نے ہمیں کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔"

"پچھتا رہی ہو کیا؟"

"نہیں چیتن۔ اب تو میری وہی حالت ہے۔ وہ فلم ہم نے ایک ساتھ دیکھی تھی نا۔ "River of No Return"۔۔۔۔ اور مجھے اس کا کوئی غم نہیں!"

"اور میں بھی تم سے وعدہ کرتا ہوں پائل کہ تمہیں اپنے اس فیصلے پر پچھتانا نہیں پڑے گا۔۔۔۔!"

رام بھروسے پھر سے اپنی جگہ پر جا بیٹھا تھا۔ کچھ دیر کے لئے وہ اپنا تکیہ کلام

بھول کہ پائل کے خوبصورت چہرے کا تصور ذہن میں لئے خاموش بیٹھا تھا۔ آج سے پہلے اس کے ہوٹل میں اتنا خوبصورت جوڑا کبھی ہنی مون منانے نہ آیا تھا وہ چپ چاپ بیٹھا یہی سوچ رہا تھا اور مکھن سنگھ فرش پہ بیٹھا اس کے پاؤں کے تلوے سہلا رہا تھا۔

"مالک.... !" اچانک مکھن سنگھ نے اس کے تصور کو بھنگ کر دیا۔

"کیا ہے بے؟" وہ چونک کر بولا۔

"بڑی دیر سے آپ نے گالی نہیں بکی"

"تو کیا ہوا حرام زادے؟"

"ہاں۔ اب ہوئی نہ بات۔ میں جانتا ہوں آپ کسی چنتا میں ڈوبے ہوئے ہیں۔"

"کیسی چنتا؟"

"اس نئے جوڑے کی۔ مجھے تو دال میں کچھ کالا نظر آتا ہے"

"کیسے؟"

"نہ بندیا۔ نہ مانگ میں سندور، کپڑے بھی نئے نہیں لگتا ہے دونوں میاں بیوی نہیں"

"یہ پوچھ تاچھ کرنا پولیس کا کام ہے، اپنا نہیں"

"لیکن ہمیں کچھ تو پتہ رہنا چاہیئے"

"نہیں۔ کوئی ضرورت نہیں۔ اس پوچھ تاچھ میں رہے تو اپنا بزنس آدھا ہو جائے گا۔ ویسے یہاں کون سے میاں بیوی آتے ہیں۔ ہم بھی سوچتے ہیں چار دن کا شباب ہے۔ اڑنے دو عیش اور کمانے دو ہمیں مال!"

پائل اور چیتن صبح سے بھٹکتے بھٹکتے تھک چکے تھے۔ اس لئے جلد ہی انہوں نے

اپنے بستروں کو سنوارا اور آرام کرنے کے لئے لیٹ گئے۔ دونوں کے بستر ایک دوسرے سے ملے ہوتے تھے اور وہ سیدھے لیٹے ہوتے تھے اور اس کمرے کی بوسیدہ چھت کو دیکھ رہے تھے جس پر جگہ جگہ مکڑیوں نے جالے بُن کر گھر بنا رکھے تھے۔ دونوں اپنی اپنی سوچوں میں گم تھے کہ اچانک پائل نے کسی خیال سے چونکتے ہوئے کہا۔

"چیتن.....!"

"کیا ہے؟" چیتن نے لیٹے لیٹے ہاتھ بڑھا کر اس کے بالوں میں انگلیاں الجھاتے ہوئے پوچھا۔

"کہیں رام بھروسے کو شک ہو گیا کہ ہم میاں بیوی نہیں ہیں تو...؟"

"تو کیا۔ ہم اس کا شک دور کر دیں گے"

"کیسے؟"

"اس کے سامنے میاں بیوی کا سا پیار جتا کر۔" کہتے ہوئے چیتن نے پائل کو اپنی جانب کھینچ لیا۔ اور اپنا منہ اس کے گھنے اور ریشمی بالوں میں چھپا لیا۔

اسی وقت دھڑام سے کمرے کا دروازہ کھلا، وہ دونوں اُچھل کر اپنے اپنے بستر پر بیٹھ گئے اور شرمسار نظروں سے سامنے کھڑے رام بھروسے کو دیکھنے لگے جس کے موٹے موٹے ہونٹوں پہ بھدی سی مسکراہٹ تھی۔ چند لمحے تک وہ خاموش کھڑا انہیں دیکھتا رہا اور پھر بولا۔

"آپ کتنے دن رہیں گے؟"

"جب تک ہمارا جی چاہے گا!" چیتن نے گھبراہٹ پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

"یہ ممبئی ہے برخوردار، بندرابن نہیں۔ یہاں بتانا پڑتا ہے کہ آپ کب تک براجمان

رہیں گے۔"

"جب تک مجھے نوکری نہ مل جائے"

"مانا نوکری مل بھی گئی تو اس کے ساتھ رہنے کو مکان تو نہیں ملے گا۔ نوکری ملنے پہ جاؤ گے کہاں؟"

"جہاں بھی جائیں۔ آپ زیادہ دن بوجھ نہیں بنیں گے"

"اوہو۔ آپ تو ناراض ہو گئے۔ میں تو یہ جاننا چاہتا تھا کہ اگلی بکنگ کب کی کر دوں ورنہ مجھے کیا۔ چاہو تو زندگی بھر یہیں پڑے رہو۔"

کہتے ہوئے رام بھروسے پلٹ گیا اور کوڑا بند کرتے ہوئے باہر چلا گیا۔

تھوڑی دیر بعد ہی باہر سے اس کی گالیوں کی آواز آنے لگی جو وہ اپنے نوکروں کو دے رہا تھا۔ چیتن اور پائل دیر تک خاموش بیٹھے ایک دوسرے کو دیکھتے رہے اور پھر پائل بے ساختہ کہہ اٹھی۔

"دیکھ لیا پیار کا مزہ؟"

"پیار میں ڈر کیا۔ جب ہم کرنل صاحب کی بندوق سے نہیں ڈرے تو نیولا ہمیں کیا ڈرائے گا۔"

پائل اس کی جانب دیکھ کر مسکرائی اور پھر سے بستر پہ لیٹ گئی۔ چیتن بھی کچھ نہ بولا اور چپ چاپ اپنے بستر پہ لیٹ گیا۔ دونوں پھر سے کمرے کی چھت کو گھورنے لگے۔ تھوڑی دیر میں پائل تو سو گئی لیکن چیتن بستر پہ لیٹا دیر تک کروٹیں بدلتا رہا۔ اس کے ذہن کے پردوں سے یہ بار بار سوال آ کر ٹکرا رہا تھا۔ کہ کہیں پائل کو بمبئی لا کر اس نے کوئی بڑی غلطی تو نہیں کی۔

شانتی دیوی اور کرنل صاحب دونوں پریشان تھے۔ شانتی کے بھائی کا جوابی تار آجانے سے تو وہ بے حد پریشان ہوا تھا اور کرنل صاحب کے گھر جاکر بیٹے کی اس بچگانہ اور نادان حرکت پر ان سے معافی مانگنے لگی۔ لیکن وہ اس پر ایک زہریلے ناگ کی طرح غصے سے پھنکار اٹھے۔

جب کئی دن تک چیتن اور پائل کی خبر نہ ملی تو کرنل صاحب سیدھے پولیس اسٹیشن جا پہنچے اور چیتن کے خلاف اغوا کی ایک رپورٹ لکھوا دی انسپکٹر بخشی نے ان سے وعدہ کیا کہ وہ ان کی بیٹی کو ڈھونڈ نکالے گا۔ کرنل صاحب پولیس کی اس تسلی سے کچھ پر اُمید ہو کر گھر لوٹے۔ لیکن ان کی بے چینی کم نہ ہوئی وہ سوچ رہے تھے کہ اگر بالغ ہونے سے پہلے ان کی بیٹی واپس نہ آگئی تو وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اسے کھو دیں گے۔

جب سے پائل غائب ہوئی تھی انہوں نے گھر سے نکلنا چھوڑ دیا تھا لیکن کب تک گھر میں چھپے رہتے۔ آخر ایک دن گھبرا کر گھر سے نکل کھڑے ہوتے اور کلب کی طرف چل پڑے۔

کئی دنوں بعد انہیں کلب میں آتا دیکھ کر لوگ معنی خیز نظروں سے انہیں دیکھنے لگے اور کرنل صاحب کا دل دھڑکنے لگا کہ کوئی پائل کے بارے میں ان سے نہ پوچھ بیٹھے لیکن لوگ ان کی دلی کیفیت بھانپ کر صرف رسمی طور سے ان کی مزاج پرسی کر کے رہ گئے اور وہ کسی سے آنکھ نہ ملاتے ہوئے کلب کے اندرونی حصہ میں چلے گئے۔

بلیرڈ روم اس وقت بالکل خالی تھا۔ انہوں نے اسٹک اٹھائی اور اکیلے ہی بلیرڈ کی گیندوں کو نشانہ بنانے لگے۔ لیکن ان کے دل و دماغ میں اب تک لوگوں کی معنی خیز نگاہیں چبھی جا رہی تھیں اور وہ دل ہی دل میں کلب آنے پر پچھتا رہے تھے۔

"ہیلو کرنل...!"

اچانک کسی آواز پر وہ چونک پڑے..... انہوں نے گھبرا کر پلٹتے ہوئے ہیلو کہنے والے کو دیکھا تو یہ ان کے علاقے کے پولیس کمشنر تھے۔

"اوہ کمشنر صاحب، آیئے آیئے.....!" کرنل صاحب نے ہکلاتے ہوئے کہا۔

"آپ کی بیٹی کا کوئی پتہ چلا؟" کمشنر صاحب نے قریب آتے ہوئے بے دھڑک پوچھ لیا۔

"جی نہیں...!" کرنل صاحب نے نگاہیں چھپکاتے ہوئے مری ہوئی آواز میں کہا اور اسٹک سے گیند کو ایک زوردار چوٹ لگائی۔

"انسپکٹر بختی سے میری بات ہوئی تھی۔ آپ کی بیٹی کی تلاش کے لئے سارے بڑے بڑے شہروں میں پولیس کو انفارم کر دیا گیا ہے۔" کمشنر صاحب نے بلیرڈ اسٹک سنبھالتے ہوئے کہا۔

"جی ہاں۔ میں جانتا ہوں!" کرنل صاحب نے دبی آواز میں کہا۔

"ایک مشورہ دوں آپ کو؟"

"جی....؟" کرنل صاحب چونک کر بولے۔

"آپ پائل کی تصویر اخبارات میں چھپوا دیجئے۔" کمشنر صاحب نے کھٹ سے

گیند پہ اشک کا نشانہ لگاتے ہوئے کہا۔

کرنل صاحب کو لگا جیسے یہ اشک گیند پہ نہیں ان کے دل پہ لگی ہے۔ وہ تڑپ کر رہ گئے لیکن جواب میں کچھ کہہ نہ سکے۔ وہ خاموشی سے کمشنر صاحب کو گیند پہ نشانہ جماتے دیکھتے رہے۔ تو کمشنر صاحب نے اپنی بات پوری کی۔

"اس طرح پولیس کو اسے تلاش کرنے میں آسانی ہو جائے گی"

کرنل صاحب نے کچھ نہ کہا اور خاموشی سے اسٹک ایک طرف رکھ کر بلیرڈ روم سے باہر نکل گئے۔ ان کی یہ کیفیت دیکھ کر کمشنر صاحب کے دل میں ہمدردی کا جذبہ جاگ اٹھا اور زبان سے اپنے آپ نکل گیا۔

"بے چارہ باپ۔۔۔۔ اور وہ بھی اکلوتی بیٹی کا!"

رام بھروسے صبح صبح کرسی پہ بیٹھا مکھن سنگھ سے چمپی کروا رہا تھا اس کے ہاتھ میں آج کا اخبار تھا۔ مکھن سنگھ آج کچھ ضرورت سے زیادہ ہی ہاتھوں کی تیزی دکھا رہا تھا۔ اس سے رام بھروسے کو اخبار پڑھنے میں دقت محسوس ہو رہی تھی۔ بار بار ایک موٹی سی گالی اس کے ہونٹوں پہ آکر رہ جاتی تھی آخر تنگ آکر وہ مکھن سنگھ سے پوچھ بیٹھا۔

"کیا بات ہے بے۔ آج پہلوانی کیوں دکھا رہا ہے؟"

"کچھ نہیں۔ ذرا اس لونڈے کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ روز سویرے سویرے نکل جاتا ہے اور سانجھ کو منہ لٹکائے واپس آجاتا ہے۔ آج تین دن سے ایڈوانس بھی نہیں دیا آپ کو۔"

"کہہ رہا تھا۔ نوکری ملتے ہی ایک ساتھ دے دوں گا۔"

"مگر نوکری تو مہینوں جوتے گھسنے کے بعد ملتی ہے۔ کہیں باہر ہی باہر سے بھاگ گیا تو.....؟"

"ابے تو کیا میں تیری طرح الو کا پٹھا ہوں۔" رام بھروسے نے جھنجھلا کر کہا اور کچھ رک کر آہستہ سے بولا۔ "چلا جاتا ہے مگر اس کی گارنٹی تو ہوٹل میں بیٹھی رہتی ہے۔"

"ہائے کیا گارنٹی ہے.....!" مکھن سنگھ اپنے دل پہ ہاتھ رکھتے ہوئے بولا۔

"کیا کہا بے۔ ذرا پھر تو کہہ حرامزادے!" رام بھروسے بپھر کر بولا۔

"بھول ہو گئی سرکار۔ اخبار پڑھتے اخبار.....!" مکھن سنگھ جلدی سے بولا۔ اور تیزی سے اپنے ہاتھ چلانے لگا۔

رام بھروسے نے اخبار کا دوسرا صفحہ الٹا ہی تھا کہ اس کے ہاتھ سے اخبار چھوٹتے چھوٹتے بچا۔ وہ چونک کر اس صفحہ پر چھپی پائل کی تصویر کو دیکھنے لگا اور اس کے منہ سے بے ساختہ نکل گیا۔

"ہائیں.....!"

"کیا ہوا سرکار.... کوئی خاص خبر؟" مکھن سنگھ نے پیچھے سے اخبار کی طرف جھانکتے ہوئے پوچھا۔ اور رام بھروسے جلدی سے اخبار بند کرتے ہوئے اس پہ پلٹ پڑا۔

"ابے ادھر کیا جھانک رہا ہے۔ جا بھاگ یہاں سے۔ کیا صبح سے شام تک چمچی ہی کرتا رہے گا۔ کوئی اور کام نہیں ہے کیا؟"

"مگر مالک۔ آپ ہی نے تو چمچی کرنے کو کہا تھا!" مکھن سنگھ نے حیران ہو کر کہا۔

"اچھا تو اب کہتا ہوں، جا ہوٹل کی صفائی کر۔ ٹنکی میں پانی بھر بازار سے سودا خرید لا حرام کی کھانے کی عادت پڑ گئی ہے۔ چل بھاگ یہاں سے..... ابے جاتا ہے یا.....؟" کہتے ہوئے رام بھروسے نے جوتے کی طرف ہاتھ جھکایا اور لکھن سنگھ جلدی سے بولا۔

"جاتا ہوں سرکار۔ جاتا ہوں.....!"

"حرامزادہ..... اُلّو کا پٹھا.....!" رام بھروسے دوبارہ اخبار کھولتے ہوئے بڑبڑایا اور پائل کی تصویر کے نیچے چھپی ہوئی عبارت پڑھتے ہوئے پائل کی تصویر سے مخاطب ہو کر بولا۔

"اچھا تو تم سنملہ کی رہنے والی ہو..... کرنل کی بیٹی۔ یار کے ساتھ بھاگ کر آئی ہو پتہ بتانے والے کو ایک ہزار روپے انعام.....!"

کہتے ہوئے وہ اٹھ کھڑا ہوا اور آئینے کے پاس جا کر اس میں اپنا چہرہ دیکھنے لگا۔ مونچھیں مروڑتے ہوئے اس نے اپنی چٹیا درست کی، تولیہ سے چہرہ رگڑ کر چمکایا اور کھنکارتا ہوا ہوٹل کے اندر چلا گیا۔

پائل گیلے بالوں کو جھٹکتی ہوئی باتھ روم سے نکلی۔ اس نے صرف بلاؤز اور پیٹی کوٹ پہن رکھا تھا اور ننگے شانوں کو تولیہ سے ڈھک رکھا تھا۔ وہ جیسے ہی آئینہ کی طرف بڑھی دروازے پر دستک سنائی دی۔ اس نے سوچا شاید آج چیتن جلدی لوٹ آیا ہے اور لپک کر بے دھڑک دروازہ کھول دیا۔ لیکن چیتن کے بجائے رام بھروسے کو کھڑے دیکھ کر اس کے منہ سے نکل گیا۔ "تم.....!" اور گھبراہٹ میں تولیہ اس کے کندھوں پہ سے پھسل کر گر پڑا۔ وہ جلدی سے جھک کر تولیہ اُٹھانے لگی۔

اور رام بھروسے اس کے نیم عریاں جسم کو دیکھ کر ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگا۔ جیسے ہی پائل نے تولیہ اُٹھا کر اپنا جسم ڈھانپا، رام بھروسے نے ہاتھ میں لیا ہوا ایک خوبصورت سیب اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"یہ سیب لایا ہوں تمہارے لئے۔ شملہ سے ایک دوست نے بھجوائے ہیں"

"جی.... !" شملہ کا نام سن کر پائل چونک پڑی۔

"ہاں۔ شملہ میں اس کا بہت بڑا باغ ہے۔ ہمیشہ بھیجتا ہے مجھے شملہ کے سیب بے حد پسند ہیں۔ خوشنما بھی ہوتے ہیں، رسیلے بھی اور مزیدار بھی۔"

رام بھروسے نے پائل کے چہرے پر نظریں گاڑتے ہوئے اور منہ میں آئے ہوئے پانی کو نگلتے ہوئے کہا۔

"معاف کیجئے۔ میں پرایوں کا تحفہ نہیں لیا کرتی.... !" پائل نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔

"ارے۔ تو کیا تم ابھی تک مجھے پرایا سمجھتی ہو؟ میں نے تو اپنی سمجھ کر تین دن سے کرایہ بھی نہیں لیا۔"

"گھبرائیے نہیں۔ انہیں نوکری ملتے ہی آپ کا کرایہ مل جائے گا۔"

"اگر نوکری نہ ملی تو؟"

"تو میں اپنا یہ کنگن بیچ دوں گی" پائل نے اپنے سونے کے کنگن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "چاہو تو ابھی سے گروی رکھ سکتے ہو"

"سونے کا ہے؟"

"ہاں۔ خالص سونے کا!"

"دیکھ سکتا ہوں کیا؟"

پائل نے فوراً اپنا کنگن اتار کر رام بھروسے کو دے دیا۔ اُس نے اُلٹ پلٹ کر اس کا اچھی طرح معائنہ کیا اور بولا۔

"کھرا سونا۔ بالکل تمہاری طرح .... مگر میں اتنا نروتی نہیں ہوں کہ تمہاری کلائی سونی کر دوں۔" کہتے ہوئے رام بھروسے نے اس کی کلائی پکڑ لی۔

"یہ ..... یہ کیا کر رہے ہو؟" پائل نے ہاتھ ایک جھٹکے سے چھڑاتے ہوئے کہا۔

"کنگن پہنا رہا تھا!" اس نے پھر پائل کی کلائی پکڑ لی اور کنگن پہناتے ہوئے بولا۔ "تم کہو تو تمہاری دونوں کلائیاں سونے کی چوڑیوں سے بھر دوں ..... !" اور اس نے اچانک پائل کو کھینچ کر سینے سے لگا لیا۔

"کمینے، بدمعاش .... یہ کیا کر رہا ہے!" پائل نے تڑپ کر اس کی گرفت سے نکلتے ہوئے کہا۔

"جہاں ایک یار، وہاں دو سہی، کیا فرق پڑتا ہے!" کہتے ہوئے رام بھروسے نے جیب سے اخبار نکال کر پائل کو اس کی تصویر دکھاتے ہوئے کہا۔

پائل اخبار میں اپنی تصویر دیکھ کر خوف سے لرز گئی۔ اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر کبھی رام بھروسے اور کبھی تصویر کو دیکھنے لگی۔ رام بھروسے اس کے خوف زدہ ہونے سے سمجھ گیا کہ اب چڑیا آسانی سے قابو میں آجائے گی وہ اس پر اپنا احسان جتاتے ہوئے بولا۔

"گھبراؤ نہیں۔ میں پولیس کو اطلاع نہیں دوں گا۔ ایک ہزار روپے کا انعام کیا چیز ہے، میں تو تمہارے لئے ایک لاکھ کو بھی ٹھوکر مار سکتا ہوں!"

کہتے ہوئے اس نے جھپٹ کر پائل کو اپنی گرفت میں لے لیا۔ پائل نے چیخنا چلانا لیکن اس نے فوراً ہاتھ سے اس کا منہ بند کر دیا۔

ممکن ہے وہ اپنے ناپاک ارادے میں کامیاب ہو جاتا لیکن اسی وقت پیچھے سے ایک زوردار لات اس کے کولہوں پر پڑی اور وہ دھڑام سے گر پڑا۔

یہ لات چیتن کی تھی جو ابھی ابھی کمرے میں داخل ہوا تھا۔ پائل لپک کر اس سے لپٹ گئی۔

پھر اس سے پہلے کہ رام بھروسے اٹھ کر چیتن پر وار کرتا، اس نے ایک ہاتھ سے پائل کو اپنے سے الگ کیا اور لاتیں مار مار کر رام بھروسے کو ادھ موا کر دیا۔

"بس، گرمی نکل گئی یا ابھی کچھ باقی ہے؟" اس نے آخری ٹھوکر مارتے ہوئے پوچھا۔

"ایک تو دوسرے لڑکی بھگا کر لائے ہو، اوپر سے داداگیری دکھاتے ہو!"

رام بھروسے نے زمین پر پڑے اخبار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا جس کا پائل کے فوٹو والا صفحہ کھلا پڑا تھا۔

چیتن نے اخبار ہاتھ میں اٹھا کر فوٹو کے نیچے کی عبارت پڑھی اور سناٹے میں آ گیا۔ اس نے سوچا ہی نہ تھا کہ کرنل صاحب پائل کا فوٹو بھی اخبار میں چھپوا سکتے ہیں اور اب ان کا بمبئی میں لوگوں کی نظروں سے چھپنا مشکل ہو جائے گا۔

رام بھروسے نے اس کی گھبراہٹ دیکھ کر شیر بنتے ہوئے کہا۔

"میں ابھی جا کر پولیس کو خبر کرتا ہوں!"

"ہاں ہاں۔ کر دو پولیس کو خبر۔" چیتن نے سنبھلتے ہوئے کہا۔

"مگر یہ سوچ لو۔ مجھ سے پہلے تم اندر کہہ دیتے جاؤ گے اور یہ ہوٹل جو تم نے بنا رکھا ہے، بند کر دیا جائے گا!"

چیتن کی بات سن کر رام بھروسے کی سٹی گم ہو گئی لیکن اپنی بات اونچی رکھنے کے لئے بولا۔

"ٹھیک ہے۔ ٹھیک ہے۔ اندر کون ہوتا ہے، یہ وقت ہی بتلائے گا!" کہہ کر وہ کراہتے ہوئے زمین سے اُٹھ کر کرسی پر بیٹھ گیا۔

"زیادہ بکواس کی تو تھوبڑا توڑ دوں گا سمجھے!" چیتن نے غصہ سے کہا اور پھر پائل کی طرف مڑ کر بولا "چلو پائل۔ یہ شریفوں کے رہنے کی جگہ نہیں ہے.... !"

یہ کہہ کر وہ جلدی جلدی اپنے کپڑے وغیرہ سوٹ کیس میں رکھنے لگا۔ پائل نے بھی جلدی سے ساڑی باندھی اور اپنا سامان سمیٹ کر چیتن کے ساتھ جانے کو تیار ہو گئی۔ رام بھروسے چپ چاپ بیٹھا ان کی تیاری دیکھتا رہا۔ پٹائی اتنی زبردست ہوئی تھی کہ وہ تین دن کا کیا یہ ملنگے کی ہمت نہ کر سکا چیتن نے باہر جاتے جاتے پلٹ کر اس کی طرف دیکھا اور نفرت سے زمین پر تھوک دیا۔ رام بھروسے نے غصہ میں کچھ کہنا چاہا تو وہ اسی کے انداز میں بولا۔

"چپ حرامزادے!"

وہ پائل کے ساتھ کمرے سے باہر نکل گیا اور رام بھروسے خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔ تبھی اسے اپنی چوٹوں میں تکلیف کا احساس ہوا اور وہ درد سے کراہنے لگا۔ جب اس نے اندازہ لگا لیا کہ اب چیتن ہوٹل سے باہر چلا گیا ہوگا تو زور سے چلایا۔

"ابے او لکھن سنگھ، گدھے کی اولاد!"

"آیا سرکار، آیا!" مکھن سنگھ کی دور سے آواز آئی اور پھر وہ بھاگتے ہوئے کمرے میں داخل ہو کر بولا "مٹھی چمپی کروانی ہے سرکار؟" تبھی اس کی نظر رام بھروسے کے چہرے پر چوٹ کے نشانوں پر پڑی تو گھبرا کر کہہ اُٹھا "معلوم ہوتا ہے کسی اور نے کر دی۔"

"چپ حرامزادے..... جا جلدی سے ڈاکٹر کو بلا کر لا!"

مکھن سنگھ ڈاکٹر کو بلانے کے لئے بھاگا اور رام بھروسے دل ہی دل میں چتین کو گالیاں دیتے ہوئے کراہنے لگا۔

ہوٹل رام بھروسے سے نکل کر چیتن اور پائل سر چھپانے کی جگہ تلاش کرنے میں لگ گئے۔ کسی بڑے ہوٹل میں ٹھہرنے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔ اور چھوٹے ہوٹلوں کا جو حال تھا اس کا تجربہ انہیں ہو ہی چکا تھا۔

اُدھر اخبار میں اشتہار چھپنے سے انہیں اپنی گرفتاری کا دھڑکا لگا ہوا تھا۔ اس لئے سوچ بچار کے بعد انہوں نے جھونپڑوں والی ایک بستی کا رخ کیا۔ لیکن وہاں کا ماحول انہیں رہنے کے قابل نہ لگا۔ اسی چکر میں گھومتے گھومتے شام ہو گئی۔

جوں جوں شام کا سرمئی اجالا اندھیرے میں تبدیل ہوتا جا رہا تھا، ان کی تھکن اور مایوسی بڑھتی جا رہی تھی۔ چلتے چلتے وہ سمندر کے کنارے باندرہ کے بینڈ اسٹینڈ علاقے میں پہنچ گئے۔ یہ علاقہ دوسرے علاقوں کے مقابلے میں ذرا خاموش اور سنسان تھا۔ پائل ذرا دیر ستانے کے خیال سے ایک چٹان پر بیٹھ گئی اور چیتن اپنا سامان اس کے پاس رکھ کر سڑک کے کنارے بے چینی سے ٹہلنے لگا۔ جوں جوں رات قریب آ رہی تھی اس کی بے چینی بڑھتی جا رہی تھی۔

اچانک اسے قریب ہی ایک ٹوٹی پھوٹی کھنڈر نما عمارت نظر آئی، جس کے باہر ایک بورڈ لگا ہوا تھا اور اس پر موٹے موٹے حروف میں "LOVE NEST" لکھا ہوا تھا اس نام نے چیتن کو اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ اور وہ اس کے قریب جا کر بورڈ پر لکھی عبارت پڑھنے لگا۔ اس پر پرانی عمارت کو توڑ کر وہاں ایک دس منزلہ بلڈنگ بنائی جانے والی تھی جس کا نام "LOVE NEST" ہوگا۔

چیتن نے فوراً پلٹ کر پائل کو اپنے پاس آنے کا اشارہ کیا اور جیسے ہی وہ قریب آئی پوچھ بیٹھا۔

"یہ جگہ کیسی رہے گی؟"

"یہ تو کھنڈر ہے!" پائل نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔

"لیکن بھیڑ بھاڑ سے الگ۔ کسی کا گذر نہیں۔ اور جب تک نئی عمارت نہ بنے گی ہم اس میں رہ سکیں گے"

"خیال تو برا نہیں" پائل نے کچھ سوچ کر مسکراتے ہوئے کہا۔

"تو چلو۔ یہیں رین بسیرا کر لیں!" چیتن نے کہا اور لپک کر سامان اُٹھا لیا۔ پائل نے بھی اپنا سامان اٹھایا اور دونوں کھنڈر کی جانب بڑھ گئے۔

کھنڈر اس قابل نہ تھا کہ کوئی انسان اس میں رہائش اختیار کر سکے۔ کسی کمرے کی کھڑکیاں دروازے غائب تھے، کسی سائبان کی چھت ٹوٹی ہوئی تھی۔ کسی ہال سے آسمان صاف نظر آ رہا تھا۔ جگہ جگہ مکڑیوں نے جالے تان رکھے تھے اور چوہوں نے بل کھود کھود کر مٹی کے ڈھیر لگا دیئے تھے۔ ایسا لگتا تھا وہ عمارت برسوں پرانی ہے اور اس کے رہنے والے اس کی خستہ حالت پر رحم کھا کر اسے خالی کر گئے ہیں۔

کچھ دیر تک دونوں چپ چاپ کھڑے اِدھر اُدھر دیکھتے رہے پھر پائل جیسے چیتن کا دل رکھنے کے لئے آگے بڑھتے ہوئے بولی۔

"جگہ بری نہیں۔ اس ہال کو ہم اپنا ڈرائنگ روم بنا دیں گے اور اس کمرے کو ڈائننگ روم.... باقی پرابلم رہتا ہے صرف بیڈ روم کا....."

کہتے کہتے وہ اچانک رک گئی۔ کیونکہ اسے اندھیرے میں اوپر جانے والی سیڑھیوں پر ایک سایہ سا رینگتا نظر آیا۔ وہ ڈری ہوئی اسے دیکھنے لگی۔ تبھی ایک بڑی خوفناک سی غراہٹ کمرے میں گونجی اور پائل "بھوت.... بھوت....!" چیختی ہوئی چیتن سے جا لپٹی۔ چیتن نے اسے اپنی بانہوں کا سہارا دیتے ہوئے جلدی سے پوچھا۔

"کہاں ہے بھوت؟"

"وہ رہا....!" سہمی ہوئی پائل نے سیڑھیوں کی طرف اشارہ کر دیا۔

چیتن نے پائل کو اپنے سے الگ کیا اور آگے بڑھ کر سیڑھیوں کے پاس اندھیرے میں ادھر ادھر جھانکا لیکن اسے وہاں کوئی بھی نظر نہ آیا۔

اس نے زینے کے پاس اندھیرے کمرے میں جھانکنا چاہا۔ اسی وقت اس کمرے کے اندھیرے میں وہی غراہٹ پھر گونجی۔ اور وہ آگے بڑھتے بڑھتے ٹھٹک گیا۔ اس نے پلٹ کر پائل کو دیکھا جو کچھ دور کھڑی خوف سے تھر تھر کانپ رہی تھی۔ وہ ہمت کر کے آگے بڑھا تبھی وہ سایہ تاریکی سے نکل کر غراتا ہوا اس کے سامنے نمایاں ہو گیا۔ یہ لمبے بالوں اور ڈھیلے ڈھالے سیاہ کپڑوں والا ایک ڈراؤنا سا آدمی تھا جو ہاتھ میں پکڑی چلم سے کش لگاتے ہوئے بڑی بڑی لال آنکھوں سے چیتن کو گھورنے لگا اور پھر اس نے ڈانٹ کر پوچھا۔

"کون ہو تم ؟"

"تم کون ہو ؟" چیتن نے بھی بے خوف ہو کر اسی انداز میں پوچھا۔

"میں بھوت ہوں۔ تمہیں کھا جاؤں گا !"

"جھوٹ۔ تم بھوت نہیں ہو۔ کیونکہ بھوت سلفہ نہیں پیتے !" چیتن نے مسکرا کر کہا۔

چیتن کی یہ دلیری دیکھ کر اس بھوت نما آدمی کے چہرے پر نرمی کے آثار پیدا ہوئے اور وہ بے ساختہ ایک قہقہہ لگا کر ہنستے ہوئے بولا۔

"کافی نڈر معلوم ہوتے ہو۔۔۔ اس کھنڈر میں کیا کرنے آئے ؟"

"سر چھپانے کی جگہ تلاش کر رہے تھے۔ جب دن بھر تھکنے پر کہیں نہ ملی تو یہاں چلے آئے۔"

"یہ ساتھ میں کون ہے ؟"

"فی الحال تو لڑکی ہے کچھ دنوں بعد میری بیوی بن جائے گی"

"تو صاف بات کہو نا اسے پھنسا کر عشق کرنے آیا ہوں"

"نہیں۔ تم ہمیں غلط سمجھ رہے ہو ہم دونوں آپس میں پیار کرتے ہیں۔ ماں باپ نے ہمارے پیار کے بیچ دیوار کھڑی کرنی چاہی تو ہم اس دیوار کو توڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے" چیتن نے صاف صاف بتا دیا۔

"اوہ ..... میں پیار کرنے والوں کی قدر کرتا ہوں۔۔۔ لیکن یہاں کب تک رہو گے ؟"

"جب تک کوئی قاعدے کا ٹھکانہ نہ مل جائے"

"تو ٹھیک ہے۔ تم یہاں رہ سکتے ہو۔ لیکن ایک بات کا خیال رکھنا۔"

"کیا؟"

"اس کوٹھڑی میں قدم رکھنے کی کوشش نہ کرنا۔" اس نے اسی اندھیرے کمرے کی طرف اشارہ کر کے کہا جس سے وہ ابھی نکل کر آیا تھا۔

چیتن حیران ہو کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔ لیکن اس سے پہلے کہ وہ اس کی وجہ جاننے کی کوشش کرتا وہ خود ہی کہہ اُٹھا۔

"میرے باپ دادا مجھے دولت نہیں دے گئے۔ ورثے میں صرف یہ کال کوٹھڑی دے گئے ہیں۔ مالک مکان نئی بلڈنگ بنانے کے لئے مجھ سے یہ کال کوٹھڑی بھی چھین لینا چاہتا ہے۔ لیکن میرا نام بھی مست قلندر ہے۔ بھوت کی طرح اس کوٹھڑی سے چمٹ کر رہ گیا ہوں۔ جب تک وہ اس کے بدلے مجھے نیا فلیٹ دینے کا وعدہ نہیں کرتا اسے خالی نہیں کروں گا!"

"پھر تو وہ مالک ہمیں یہاں رہنے نہیں دے گا۔"

"وہ نہیں نہیں نکال سکتا۔ کہہ دینا ہم مست قلندر کے رشتہ دار ہیں۔"

"رشتہ دار؟"

"ہاں ہاں۔ دوستی کا رشتہ۔" مست قلندر نے مسکرا کر کہا۔ پھر کچھ سوچ کر بول پڑا۔ "نہیں۔ دوستی کا نہیں، بھائی چارہ کا!"

چیتن اس کی دلچسپ بات سن کر مسکرا پڑا اور پلٹ کر پائل کی طرف دیکھا جس کا خوف بھی دور ہو چکا تھا اور وہ آہستہ آہستہ رینگتی ہوئی اس کی طرف بڑھ رہی تھی۔ مست قلندر نے اسے بھی تسلی دی اور انہیں اطمینان سے وہاں سامان وغیرہ

جما کر رہنے کو کہہ کر باہر چلا گیا۔

چیتن کو یہ پاگل سا آدمی کافی دلچسپ نظر آیا۔ اس نے سوچا قدرت نے اس کے لئے ایک اچھا پڑوسی مہیا کر دیا ہے۔ پھر اس نے پائل کی مدد سے ایک ذرا ٹھکانے کا کمرہ صاف کر کے اس میں اپنے اپنے سوٹ کیس اینٹوں کے اوپر رکھ دیئے اور فرش پہ چادر بچھا کر آرام کرنے لگے۔

تھوڑی ہی دیر میں سڑک کی بتیاں جل اٹھیں۔ جن کی روشنی ٹوٹی پھوٹی دیواروں سے چھن چھن کر اندر آنے لگی۔ سمندر کی لہروں کا شور بھی بڑھ گیا جو ماحول پر چھائی ہوئی خاموشی کو آہستہ آہستہ توڑنے لگا۔ اب اُن دونوں کو بھوک ستانے لگی تھی چیتن ابھی سوچ ہی رہا تھا کہ کھانے کا کیا انتظام کرے کہ سامنے سے مست قلندر ڈھیلے ڈھالے میلے کپڑوں کے بجائے ایک شاندار سوٹ پہنے اور کندھے پر ایک کیمرہ لٹکائے اندر داخل ہوا۔ اس کے الجھے لمبے بال بھی اس وقت قاعدے سے سنورے ہوئے تھے اور ہونٹوں پہ مسکراہٹ تھی۔

"ارے۔ تم.....!" اس کا یہ نیا روپ دیکھ کر دونوں کی زبان سے ایک ساتھ نکلا۔

"میں کھانا کھانے جا رہا تھا۔ سوچا مہمانوں سے بھی پوچھ لوں کھانا کھایا کہ نہیں" مست قلندر نے چٹکی سے کوٹ کی آستین سے خیالی گرد جھاڑتے ہوئے کہا۔

"لیکن کہاں جانا ہوگا؟" چیتن نے پوچھا۔

"تاج محل!"

"تاج محل.....؟ وہ تو آگرہ میں ہے" پائل نے بھولپن سے کہا۔

" ایسے نہیں۔ وہ تاج محل نہیں" مست قلندر کو ہنسی آگئی اور بمشکل ہنسی روکتے ہوئے بولا۔ "بمبئی شہر کا ایک مشہور ہوٹل ہے تاج محل۔"

" ہماری حیثیت سے باہر ہے وہاں کا کھانا۔ ہم یہیں کھالیں گے۔" چیتن نے جلدی سے کہا۔

" پیسوں کی فکر نہ کرو۔ ایک پروڈیوسر کے ——— لڑکے کی شادی ہے اس نے ڈنر دیا ہے۔ بہت سے فلمی ستارے بھی آئیں گے چلو مزہ آجائے گا!"

" سچ۔ کیا دیو آنند اور راجکمار بھی آئیں گے؟" پاٹل نے اشتیاق سے پوچھا۔

" ہاں۔ ایک راجکمار کیا، سبھی کمار اور کماریاں آئیں گی وہاں!"

" لیکن ہم تو انوائیٹڈ نہیں ہیں۔" چیتن حیرت سے بولا۔

" تو میں کہاں انوائیٹڈ ہوں۔" مست قلندر مسکرا کر بولا۔ وہ دونوں بھونچکا ہو کر اسے دیکھنے لگے تو وہ ہنستے ہوئے بولا۔ "یہ کیمرہ دیکھ رہے ہو نا۔ بڑے کام کی چیز ہے۔ اس میں فلم وغیرہ کچھ بھی نہیں ہے۔ لوگ پریس فوٹوگرافر سمجھ کر روک ٹوک نہیں کرتے اور میں جس پارٹی میں چاہتا ہوں شان سے مہمانوں کے ساتھ مل کر دعوت کے مزے اڑاتا ہوں۔ رہا یہ سوٹ۔ تو لانڈری والا ایک رات کے دو روپئے لیتا ہے۔ کہو تو تمہیں بھی منگوا دوں؟"

مست قلندر کی بات سنکر چیتن اور پاٹل کھلکھلا کر ہنس پڑے اور پھر چیتن ہنسی روکتے ہوئے بولا۔

" نہیں۔ اس کی ضرورت نہیں۔ ہمارے پاس سوٹ بھی ہے اور بڑھیا ساڑی بھی۔۔۔ لیکن ہمارے پاس کیمرہ نہیں۔"

"اس کی فکر نہ کرو۔ بس ذرا صاف ستھرے کپڑے پہن لو۔ بھیڑ بھاڑ میں کوئی نہیں دیکھتا کہ کون آ رہا ہے کون جا رہا ہے،، مست قلندر نے کہا اور جلدی سے انہیں تیار ہو جانے کا حکم دے کر باہر چلا گیا۔

ٹھیک ایک گھنٹے بعد وہ دونوں مست قلندر کے ہمراہ ہوٹل تاج محل پہنچ گئے۔ انہوں نے سر اُٹھا کر ایک طائرانہ نظر ہوٹل کی عمارت پر ڈالی تو پرانے طرز کی بنی اس عمارت سے وہ کچھ مرعوب نہ ہوئے۔ لیکن جب وہ مست قلندر کے ساتھ اندر داخل ہوئے تو چند لمحوں کے لئے انہیں یوں لگا جیسے کسی نے جنت کے دروازے ان پہ کھول دیئے ہوں۔ اندر کی سجاوٹ اور رونق دیکھ کر تو ان کی آنکھیں چندھیا گئیں۔ مست قلندر کے کہنے کے مطابق وہاں بہت سے فلمی ستارے جمع تھے۔

چیتن اور پائل جب کسی ستارے کو قریب سے دیکھنا چاہتے تو مست قلندر فوراً اس ستارے کو روک کر ایک فوٹو اتار لیتا۔ اسی طرح تینوں کافی دیر تک اس پارٹی سے مزے لیتے ہوئے فلمی ستاروں کے انداز دیکھتے رہے۔

مست قلندر تو مفت کی انگور یزی شراب پینے کے لئے کچھ ستاروں ساتھ بار روم کی طرف ہو لیا لیکن ـــــ چیتن پائل کو اس شرابی محفل سے الگ لے کر ایک کونے میں آ بیٹھا اور وہ دونوں مہمانوں کے لباسوں کی چمک دمک دیکھنے لگے۔ جوں جوں بھیڑ بڑھتی گئی چیتن کا خوف کم ہوتا گیا اور تھوڑی ہی دیر میں وہ اپنے آپ کو سچ مچ ہی اس پروڈیوسر کا مہمان محسوس کرنے لگا۔

تبھی پائل کی نگاہیں فلمی ستاروں کے جھرمٹ سے ہٹ کر پھولوں اور رنگ برنگے قمقموں سے سجے اس اسٹیج کی طرف اُٹھ گئیں۔ جہاں دولہا دولہن شادی کے

جگمگاتے کپڑوں میں ملبوس اپنے مہمانوں سے تحفہ وصول کرتے ہوئے مسکرا مسکرا کر شکریہ ادا کر رہے تھے۔ وہ یہ سب دیکھ کر سنجیدہ سی ہو گئی۔

" کیا دیکھ رہی ہو؟" چیتن اس کی دلی کیفیت بھانپتے ہوئے پوچھ بیٹھا۔

" دونوں کتنے خوش ہیں!"

" جب ہماری شادی ہو گی تو ہم بھی اس طرح خوش ہوں گے"

" لیکن ہماری شادی اس طرح نہیں ہو گی۔ کوئی مہمان شریک نہیں ہوگا۔ کوئی تحفے نہیں دے گا!" کہتے ہوئے پائل کے منہ سے ایک سرد آہ نکل گئی۔ چیتن نے چونک کر اسے دیکھا اور بے ساختہ پوچھ بیٹھا۔

" اس کا تمہیں دُکھ ہے؟"

" ارے نہیں۔ وہ تو یونہی خیال آ گیا...." کہتے ہوئے پائل نے اپنا سر اس کے کندھے سے لٹکا دیا اور آنکھیں بند کر لیں۔

" یہ اپنے کھنڈر کی اندھیری کوٹھری نہیں، شادی کی جگمگاتی محفل ہے!" کوئی ان کے قریب ہی دھیرے سے پھسپھسایا اور وہ دونوں چونک کر ایک دوسرے سے الگ ہو گئے۔ انہوں نے پلٹ کر دیکھا تو مست قلندر قریب کھڑا نشے میں جھوم رہا تھا۔

اس کے دونوں ہاتھوں میں چھلکتا جام تھا جو اس نے "CHEERS FOR YOUR LOVE" کہتے ہوئے غٹاغٹ حلق سے اتا لیا اور دوبارہ بار روم کی طرف پلٹتے ہوئے جاتے جاتے بولا۔

" بس ایک اور.... آخری!"

وہ دونوں بدحواس سے ہوئے اسے دیکھتے رہ گئے۔

تھوڑی ہی دیر میں کھانا لگ گیا۔ چیتن اور پائل بھوک سے پریشان ہوتے پارٹی کی گہما گہمی سے اپنا دل بہلا رہے تھے کھانے کی خوشبو سونگھتے ہی اپنی زبان پر اس کے چٹخارے محسوس کرنے لگے۔

ابھی وہ اس طرف بڑھنے کے بارے میں سوچ ہی رہے تھے کہ پارٹی کے کافی لوگ ایک ساتھ اس طرف پل پڑے۔

ان سے بھی نہ رہا گیا اور وہ اس بھیڑ میں شامل ہو کر میز تک پہنچ کر کھانا کھانے لگے۔ آج کئی روز بعد انہیں اچھا کھانا نصیب ہوا تھا۔

پائل نے کھانوں کا معائنہ کرتے ہوئے جونہی ایک ڈونگے میں سے مرغ کی ٹانگ اٹھانا چاہی کسی آواز نے اسے روک دیا۔ اس کے قریب ہی ایک لمبا تڑنگا آدمی کھانے کی پلیٹ ہاتھ میں لئے اس سے پوچھ رہا تھا۔

"تم پائل ہو کیا؟"

پائل اس کے لبوں پر اپنا نام سنتے ہی ایک جنگلی بالنس کی مانند کانپ کر رہ گئی۔ ذرا ہی دیر میں اس کا بدن پسینے میں شرابور ہو گیا۔ اس کی خاموشی اور گھبراہٹ دیکھ کر اس آدمی نے اپنا سوال دہرایا۔ پائل نے گھبرا کر اس سے آنکھیں چار کیں اور اپنی تھرتھراتی آواز میں "نہیں"، کہہ کر جلدی سے نگاہیں جھکا لیں۔

لیکن اس کی گھورتی نگاہوں کی چبھن وہ اپنے چہرے پر محسوس کر رہی تھی۔ اس کی مخمور آنکھوں اور لڑکھڑاتی آواز سے صاف ظاہر تھا کہ اس نے دو چار پیگ چڑھا رکھے ہیں۔ وہ وہاں سے کھسکی اور چیتن کے اس طرف پہنچ کر اس کے کندھے

کا سہارا لے کر رک گئی اس نے دیکھا وہ شخص بھی ادھر ہی چلا آیا۔

"کیا بات ہے مسٹر؟" چیتن نے فوراً اسے گھورتے ہوئے پوچھا۔

"مسٹر نہیں کرنل کہو۔ کرنل کھورانہ!" اس شخص نے تحکمانہ لہجہ میں کہا۔

"اوکے، اوکے۔ کرنل کھورانہ۔ فرمایئے کیا بات ہے؟"

"میں صرف یہ جاننا چاہتا ہوں۔ یہ پائل ہے کہ نہیں؟"

"کون پائل؟"

"کرنل..... کرنل درگا پرشاد کی بیٹی!"

کرنل کی بات سُنکر چیتن اور پائل کے چہروں پر ہوائیاں اُڑنے لگیں۔ دونوں نے گھبرا کر ایک دوسرے کو دیکھا۔ لیکن پھر فوراً ہی چیتن اپنے آپ کو سنبھالتے ہوئے سنجیدگی سے کہہ اُٹھا۔

"شاید آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ نہ یہ پائل ہے۔ نہ کسی کرنل کی بیٹی ہے۔ یہ الکا ہے، الکا۔ فلموں میں چھوٹے موٹے رول کرتی ہے"

"اوہ۔ آئی ایم سوری۔ میں نے اخبار میں ان کی تصویر دیکھی تھی۔ ضرور فلموں میں کام کرتی ہوں گی..... نہ جانے یہ کرنل درگا پرشاد اور پائل کہاں سے آ ٹپکے میرے ذہن میں..... ضرور غلط فہمی ہو گئی..... آئی ایم سوری۔ ریلی آئی ایم سوری..... لیجئے کھایئے نا.....!"

کہتے ہوئے کرنل نے مرغ کی ایک ٹانگ ڈونگے میں سے اُٹھا کر چیتن کی پلیٹ میں رکھ دی اور پھر دوسری ٹانگ اُٹھا کر جیسے ہی وہ پائل کی طرف پلٹا وہ دونوں وہاں سے کھسک کر مہمانوں کی بھیڑ میں مل کر اس کی نظروں سے اوجھل ہو چکے تھے۔

ان کی بھوک ادھوری رہ گئی تھی۔ وہ جلدی جلدی بڑے لقمے نگلنے لگے اور پھر اس ڈر سے کہ کہیں کوئی اور انہیں نہ پہچان لے وہ مست قلندر کا انتظار کئے بنا ہی اس پارٹی سے کھسک لئے۔

رات آدھی سے زیادہ بیت چکی تھی۔ موسم خنک اور خوشگوار تھا۔ آسمان پر کالی گھٹائیں چھائی ہوئی تھیں جن میں رہ رہ کر دور کہیں رکوندا سا لپک جاتا تھا اور ٹھنڈی ہواؤں کے جھونکے کھنڈر کے اندر داخل ہو کر فرش پر لیٹے ہوئے چیتن اور پائل کا جسم سہلا رہے تھے۔

چیتن تو اس وقت گہری نیند سویا ہوا تھا۔ لیکن پائل کی آنکھوں سے نیند کی دیوی روٹھی ہوئی تھی۔ وہ ابھی تک تاج محل کے واقعہ سے ڈری ہوئی تھی اور سوچ رہی تھی اخبار میں اشتہار چھپنے کے بعد انہیں ایسی جگہوں پہ نہیں جانا چاہیئے جہاں اس کے پہچان لئے جانے کا خطرہ ہو۔ آج ہی اس کا راز کھلتے کھلتے رہ گیا۔ اگر وہ کرنل نشے میں نہ ہوتا تو ضرور اسے پہچان جاتا۔

اس کرنل کا خیال آتے ہی اسے اچانک اپنے باپ کی یاد آ گئی۔ جس نے بڑے لاڈ پیار سے اس کی پرورش کی تھی۔ ماں تو اسے یاد ہی نہ تھی۔ لیکن باپ نے کبھی ماں کی کمی محسوس نہ ہونے دی تھی۔ اس کی پوری زندگی بیٹی کے لئے وقف ہو کر رہ گئی تھی۔ جس کی جدائی اسے ایک پل کو بھی گوارہ نہ تھی وہ شاید اس سے ہمیشہ کے لئے جدا ہو گئی تھی۔

"نہ جانے میں نے گھر چھوڑ کر اچھا کیا یا بُرا ..... !"

اس کے منہ سے اچانک نکل گیا اور پھر ایک ٹھنڈی آہ بھر کر وہ کروٹ بدلتے ہوئے سونے کی کوشش کرنے لگی۔

اخبار میں تصویر چھپوانے پر بھی جب پائل کا پتہ نہ چل سکا تو کرنل درگا پرشاد جیسے بجھ کر رہ گئے۔ انہیں اپنی زندگی کسی ریگستان کی طرح بنجر نظر آنے لگی۔ بنگلہ اجاڑ ہو گیا۔ پھولوں کے پودے بھی مرجھا گئے۔ سیبوں کا باغ تو بس ایک جنگل کا روپ لے بیٹھا۔ طوطے پیڑوں میں لگے سیبوں کو کترتے تو انہیں لگتا جیسے پائل کی جدائی کا غم بھی آہستہ آہستہ ان کی زندگی کو اسی طرح کترتا جا رہا ہے۔ بس ایک چیز تھی جس پر اب بھی ان کی نگاہیں جمی رہتی تھیں یعنی ٹیلیفون جس کے آس پاس ہی وہ جمے رہتے۔ دن میں کئی کئی بار پولیس چوکی فون کرتے اور جب کبھی فون کی گھنٹی بجتی وہ جھپٹ کر ریسیور اٹھا لیتے کہ شاید پائل کی کوئی خبر آئی ہو۔ لیکن ہر بار انہیں مایوسی ہی ہوتی۔ انہوں نے خاندان کی عزت کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اپنی بیٹی کی تصویر اخباروں میں شائع کرا دی تھی۔ لیکن پائل کا پتہ نہ لگ رہا تھا اور دن بدن ان کی اُمید کے دیئے بجھتے جا رہے تھے۔

روزمرہ کی طرح آج بھی پولیس چوکی فون کرنے پر جب انہیں وہی جواب ملا تو ان کے ہاتھ سے ریسیور چھوٹ گیا اور وہ دونوں ہاتھوں سے دل کو تھامے زمین پر بیٹھ کر سامنے کھلی کھڑکی کو پتھرائی نظروں سے دیکھنے لگے۔

مینم جو ابھی ابھی کمرے میں داخل ہوا تھا۔ ان کی حالت دیکھ کر گھبرایا ہوا ان کی طرف لپکا اور پلنگ تک پہنچنے کے لئے انہیں سہارا دے کر ٹھکانے لگا۔ ان کا سانس

پھولا ہوا تھا۔ بدن پسینہ پسینہ ہو چکا تھا۔ منیم ان کی حالت دیکھ کر گھبرا گیا اور اس نے فوراً فون کر کے فیملی ڈاکٹر، دیو جی کو بلوا لیا۔

شانتی دیوی اپنے بھائی کے ہاں جانے کی تیاری میں لگی تھی۔ وہ اپنا اسباب باندھ رہی تھی۔ تبھی بیرونی برآمدے میں کسی کے قدموں کی آہٹ سن کر وہ سامان باندھتے باندھتے رک گئی۔ اس نے پلٹ کر دیکھا تو کرنل صاحب کا منیم برآمدہ پار کر کے اس کے قریب آ ٹھہرا تھا۔

"منیم جی۔ تم.....!"

اس کی زبان سے نکل گیا ـــــ لیکن منیم بجائے کچھ کہنے کے ایک ٹک اسے گھورتا رہا تو وہ گھبرا کر کہہ اٹھی "اس طرح کیا دیکھ رہے ہو منیم جی؟"

"دیکھ رہا ہوں۔ ایک بیٹی کے باپ اور بیٹے کی ماں میں کتنا فرق ہوتا ہے!"

"تم کہنا کیا چاہتے ہو؟"

"یہی کہ کرنل صاحب بیٹی کے غم میں دل کے مریض ہو کر رہ گئے ہیں ان کی زندگی خطرے میں ہے..... دیکھو شانتی۔ بیٹی کے غم میں تڑپتے باپ کی بددعا مت لو۔ تم بھی ایک بیٹے کی ماں۔ اولاد کے بچھڑنے کا درد کیا ہوتا ہے۔ تم جانتی ہوں گی... یہ نہیں ہو سکتا اتنے دن تک بیٹے نے تمہاری خبر ہی نہ لی ہو۔ ضرور اس کی چٹھی پتر آیا ہوگا۔"

"چٹھی تو آئی ہے"

"کہاں ہے؟" منیم نے بے ساختہ اچھل کر پوچھا۔

"میرے پاس نہیں، اس کے دوست مراری کے پاس۔ صرف اتنا لکھا ہے کہ میں اس کے بارے میں چنتا نہ کروں۔ وہ دو تین مہینے میں لوٹ آئیں گے۔ پائل بھی ٹھیک ٹھاک ہے۔"

"اس نے پتہ تو لکھا ہوگا؟" نیم نے جلدی سے پوچھا۔

"نہیں مراری کہہ رہا تھا۔ اس نے اپنا پتہ ٹھکانہ کچھ نہیں لکھا۔"

"یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے؟"

"اعتبار نہ ہو تو جاکر مراری سے پوچھ لو۔"

"وہ تو پوچھوں گا ہی۔ لیکن تم کہاں جا رہی ہو؟"

"بھیا کے ہاں!"

نیم نے غور سے پہلے شانتی کی آنکھوں میں جھانکا، اس کے اسباب کا جائزہ لیا اور پھر بنا کچھ کہے پلٹ کر چلا گیا۔ شانتی بدحواس ہوتی اسے دیکھتی رہ گئی۔

چیتن اور پائل کو کھنڈر میں رہتے ہوتے کئی دن ہو گئے۔ پائل تو دن بھر کچھ نہ کچھ کام کر کے، کتابیں یا رسالے پڑھ کر وقت کاٹتی اور چیتن بمبئی شہر کی سڑکیں ناپتا رہتا تاکہ اسے کوئی مناسب نوکری مل سکے۔ دونوں کے پاس جو نقدی تھی وہ کھا چکے تھے اور اب تو انہیں مست قلندر سے ادھار لے کر اس کے سہارے جینا پڑ رہا تھا۔

آج صبح جب چیتن بنا کچھ کھائے پیئے کھنڈر سے جاتے لگا تو پائل نے اسے روک لیا اور اپنی کلائیوں سے کنگن اتار کر دیتے ہوئے بولی۔

"یہ لیتے جاؤ!"

"کیوں.....؟" وہ ایک جھٹکے سے پیچھے ہٹتا ہوا بولا۔

"دونوں کے کم سے کم چھ سات سو روپئے مل جائیں گے ایک دو ماہ آرام سے کٹ جائیں گے۔" کہتے ہوتے پاٹل نے اس کی آنکھوں میں دیکھ کر مسکرانے کی کوشش کی۔

"نہیں پاٹل"

وہ اس سے آنکھیں چراتا ہوا بولا "میں تمہیں جیون کا کوئی بھی سکھ نہ دے سکا۔ اور اب یہ..... نہیں نہیں۔ یہ مجھ سے کبھی نہ ہوگا۔"

"تو کیا ہمیں ہوا پر جینا ہوگا؟" وہ جھنجھلا کر بولی۔

"نہیں۔ دو ایک جگہ نوی کی امید بندھی ہے۔ شاید آج فیصلہ ہو جائے"

"فیصلہ تو ہو گیا!" اچانک مست قلندر کی آواز سن کر دونوں چونک پڑے۔

"کیا فیصلہ ہو گیا؟" چیتن نے مست قلندر کے مسکراتے ہوتے چہرے کو دیکھ کر پوچھا۔

"نوکری کا بھئی..... بمبئی شہر میں نوکری کی کیا کمی ہے" اس نے ہاتھوں میں پکڑا کاغذ کا ایک بنڈل کھولا اور دونوں کے سامنے پھیلاتے ہوتے بولا۔

"لو یہ ناشتہ کرو کری، گرم گرم بھیجا اور پاؤ!"

"لیکن نوکری کا کیا فیصلہ ہوا؟" چیتن نے اُتاؤلے پن سے پوچھا۔

"وہ تو انٹرویو کے بعد ہوگا..... چلو چلو، پہلے ناشتہ تو کر لو"

دونوں نے مست قلندر کی طرف تعجب سے دیکھا اور اس کے اشارہ

پر ناشستہ کرنے لگے۔ لیکن دونوں کی نگاہ اس کے چہرے پر ہی لگی رہیں مست قلندر نے ایک بھیجا اُٹھا کر منہ میں رکھتے ہوئے بغل سے اخبار نکالا اور کھول کر پڑھنے لگا۔

"ضرورت ہے۔ ایک نوجوان، صحت مند اور ہوشیار ڈرائیور کی تنخواہ پانچسو روپے مہینہ۔ کھانا اور رہنا مفت۔ لیکن وہ کنوارا ہونا چاہیئے اور اس پر کوئی نجی ذمہ داری نہ ہو۔"

"تو کیا چیتن ڈرائیور بنے گا؟" پائل نے چونکتے ہوئے کہا۔

"ارے یہ بمبئی ہے۔ ڈرائیور ساہوکار سبھی ایک نظر سے دیکھے جاتے ہیں۔ یہاں۔ پاکٹ میں پیسہ ہونا چاہیئے پیسہ .... اور پھر یہ چار مہینے کاٹنے کو ٹھکانہ تو چاہیئے نا ــــ" مست قلندر نے سمجھایا۔

"لیکن پائل کا کیا ہوگا؟" چیتن نے کچھ فکرمند ہوکر پوچھا۔

"اس کا بندوبست بھی ہوگیا ہے"

"کیا؟"

مست قلندر نے پھر سے آنکھوں کے سامنے وہ اخبار پھیلا لیا اور بلند آواز میں پڑھنے لگا۔

"ضرورت ہے ایک نوجوان سمجھدار اور سادہ مزاج لڑکی کی جو ایک رئیس راجپوت گھرانے میں گورنس بن سکے۔ تنخواہ چار سو روپیہ ماہوار اور کھانا رہنا مفت۔ لیکن وہ کنواری ہونی چاہیئے اور اس پر کوئی نجی ذمہ داری نہیں ہونی چاہیئے۔"

"ارے۔ یہ ایسا لگتا ہے دونوں نوکریاں ہمارے لئے ہی مخصوص ہوتی ہیں"
پائل نے اشتہار سنتے ہی کہہ دیا۔

"تو کیا تم گورنس کا کام کرو گی؟" چیتن نے حیرت سے پوچھا۔

"کیوں نہیں۔ ارے بھئی یہ بمبئی شہر ہے۔ یہاں گورنس اور شہزادیاں سب ایک ہی نظر سے دیکھی جاتی ہیں بس پاکٹ میں پیسہ ہونا چاہیئے پیسہ! اور پھر یہ چار مہینے کاٹنے کو اس سے بڑھ کر اور کونسا ٹھکانہ ملے گا۔" پائل نے مست قلندر کے انداز میں اس طرح جواب دیا کہ چیتن اسے بھونچکا سا ہوا دیکھتا ہی رہ گیا۔

چند پل کے لئے خاموشی چھا گئی۔ پھر اچانک ہی وہ تینوں بے ساختہ ہنسنے لگے اور اس بھجیا پاؤ پر ٹوٹ پڑے۔

مست قلندر کا مشورہ اور پائل کی پیشنگوئی غلط نہ نکلی چیتن اور پائل انٹرویو میں یوں کامیاب ہو گئے جیسے سچ مچ یہ دونوں نوکریاں انہی کے لئے مخصوص تھیں۔

چیتن نشا انٹرپرائزرس میں ڈرائیور بن گیا اور پائل ایک رئیس ٹھکرائن سمترا دیوی کے یہاں گورنس۔ دونوں نوکری کی ہر شرط پہ پورے اترے۔ اور دونوں نے اپنے اپنے مالکوں سے سینچر کی آدھی چھٹی کی شرط منوالی۔

پہلے ہی سینچر کو جب دونوں کھنڈر میں ملے تو دونوں کے چہروں کی رنگت بدلی ہوئی تھی۔ چہروں پر اعتماد اور ایک نئی تازگی دکھائی دے رہی تھی۔ دونوں ایک دوسرے کو چند لمحوں تک دیکھتے رہے اور پھر بے ساختہ ایک دوسرے کی باہنوں میں آکر سمٹ گئے۔

انہیں یوں محسوس ہوا جیسے برسوں کے بچھڑے ملے ہوں ان کی بھری ہوئی سانسوں نے بھی جیسے ایک دوسرے کو پہچان لیا اور بے چین ہو کہ آپس میں گلے مل گئیں۔ چیتن نے انہی بھری سانسوں کے بیچ پائل سے پوچھ لیا۔

"کیسی لگی تمہیں وہ نوکرہی؟"

"بہت اچھی۔ مالکن تو ایک دیوی سمان ہے بے چاری ٹانگوں کی وجہ سے چلنے پھرنے سے محروم ہے۔ اسی لئے اس کا سارا کام مجھے کرنا پڑتا ہے۔ صبح کا غسل، کپڑے پہنانا، پوجا کا سامان تیار کرنا ناشتہ اور....."

"بس بس، میں سب سمجھ گیا۔ کافی محنت کر رہی ہو"

"جی۔ لیکن یہ محنت اس بوریت سے اچھی ہے جو دن بھر کھنڈر میں بیٹھ کر ہوتی تھی۔"

"مالکن اکیلی ہے یا اس کا کوئی اور بھی ہے؟"

"ایک بیٹا ہے!"

"بیٹا....!" چیتن چونک پڑا اور پھر بولا "کم عمر ہوگا۔ اس کی دیکھ بھال بھی تمہیں ہی کرنی پڑتی ہوگی۔"

"ضرور کرتی۔ لیکن ابھی موقعہ نہیں ملا"

"کیوں؟"

"وہ لڑکیوں سے گھبراتا ہے۔ انہیں قریب نہیں پھٹکنے دیتا"

"کوئی شریف زادہ ہوگا، میری طرح"

"کیا کہا۔ تمہاری طرح؟" وہ چمک کر بولی۔

"چلو بھئی میں شریف زادہ نہ سہی۔ لیکن اس کی عمر کیا ہوگی؟"

"ایم۔ اے میں پڑھتا ہے شاید"

"ایم۔ اے میں۔ پھر تو بائیس تیئیس سال کا ہوگا۔"

"ہاں، تو.....؟"

"ماں اپا، بیچ..... اکیلا جوان لڑکا..... اور تم اس کے ہاں نوکری کرتی ہو؟"

"تو کیا ہوا؟"

"نہیں نہیں۔ میں تمہیں وہاں نوکری نہیں کرنے دوں گا"

"بس ڈر گئے۔ ارے بدھو، میں تو مذاق کر رہی تھی۔ وہ تو ابھی دس گیارہ سال کا ہے۔ ساتویں درجے میں پڑھتا ہے۔"

"اوہ میں تو ڈر ہی گیا تھا۔"

"کہ کہیں وہ تمہاری پائل کو تم سے چھین نہ لے؟"

"ہاں، خطرہ تو رہتا ہی ہے"

"اے مسٹر، کبھی تم نے اپنی پائل کو شک کی نظر سے دیکھا تو میں اسی دن شملہ لوٹ جاؤں گی!"

"ارے ارے، تم خواہ مخواہ بگڑ بیٹھیں۔ میں تو مذاق کر رہا تھا۔"

"اچھا چھوڑ دیہ مذاق، اپنی سناؤ۔ مالک کیسا ملا؟"

"مالک نہیں۔ مالکن کہو"

"کیا؟" وہ چونک پڑی۔

"ہاں۔ نشا انٹرپرائزز کی مالکن۔ نشا دیوی ہیں۔ اپنے تمام کاروبار خود سنبھالتی ہیں۔"

"کوئی بیوہ ہے؟"

"بیوہ ہوں ان کے دشمن۔ ابھی تو کنواری ہیں۔ عمر بھی کوئی پینس اکیس سال۔ شہزادیوں کی طرح چلتی ہیں، شہزادیوں کی طرح رہتی ہیں"

"دیکھنے میں کیسی ہے؟"

"کسی سنگتراش کا تراشا ہوا شاہکار لگتی ہیں"

"مجھ سے زیادہ خوبصورت ہے؟" وہ گھبرا کر پوچھ بیٹھی۔

"اپنی محبوبہ سے زیادہ خوبصورت تو میں کسی کو نہیں کہہ سکتا۔ لیکن حقیقت سے منہ بھی کیسے موڑا جا سکتا ہے"

"اور کون رہتا ہے اس کے ساتھ؟"

"دو چار نوکر ہیں بس۔ ورنہ تنہا ہی سمجھو"

"تمہیں اس سے ڈر نہیں لگتا؟"

"کیوں؟"

"کہیں تنہائی میں تم پہ ڈورے نہ ڈال دے"

"نان سنس۔ تم بھی کیا سوچتی ہو۔ کہاں وہ کروڑ پتی کہاں میں ایک معمولی ڈرائیور۔"

"ارے یہ بمبئی ہے۔ یہاں کوئی بڑا چھوٹا نہیں ہوتا۔ میں تو ایسی نڈر اور جوان لڑکی کے ہاں تمہیں نوکری نہیں کرنے دوں گی۔"

"اوہ.... بس ڈر گئیں۔ ارے وہ نڈر ضرور ہے۔ لیکن کنواری بھی ہے... لیکن ہے ساٹھ باسٹھ برس کی بڑھیا"

"تو تم نے مجھ سے جھوٹ کیوں بولا؟"

"تمہارا امتحان لینے کے لئے کہ مجھ پہ کتنا بھروسہ ہے۔ لیکن یاد رکھو۔ اگر چیتن سے تمہارا بھروسہ اُٹھ گیا تو میں تمہیں اکیلا چھوڑ کر چلا جاؤں گا۔"

"کہاں جاؤ گے؟"

"شملہ.....!"

چیتن نے بلند آواز سے کہا۔ لیکن پھر اس نے محسوس کیا کہ یہ سوال کرنے والی پائل نہیں مست قلندر تھا جو ابھی ابھی باہر سے آیا تھا۔

اس وقت بھی وہ لانڈری سے لئے کرائے کے ایک نئے سوٹ میں تھا۔ اور کندھے سے کیمرہ لٹک رہا تھا۔ وہ جھومتا ہوا ان کی طرف بڑھا تو دونوں نے لپک کر اس کا استقبال کیا اور اس کے شور نے کا شکر یہ ادا کرنے لگے جس کی بدولت انہیں نوکری ملی تھی۔

انہوں نے محسوس کیا اس نے کئی پیگ چڑھا رکھے تھے اور کچھ دُھنکی میں تھا۔ وہ ان کے پاس ہی بیٹھ گیا اور جیب سے وہ رومال نکال کر ان کے سامنے کھول دیا جس میں کچھ سموسے اور کیک کے ٹکڑے تھے۔

"کھاؤ۔ تمہارے لئے ہی لایا ہوں" وہ جھومتا ہوا بولا۔

"کہاں سے؟" چیتن نے مسکرا کر پوچھا۔

"سی سی آئی کلب میں آج ایک پارٹی تھی۔"

"لیکن تم نے کیسے جانا ہم یہاں ہوں گے؟" پائل نے کیک کا ایک ٹکڑا اُٹھاتے ہوئے پوچھا۔

"سیلنچر کی چھٹی ہو اور تم اپنے مست قلندر کو بھول جاؤ۔ یہ ناممکن ہے" کہتے

ہوئے وہ اُٹھ کھڑا ہوا اور جھومتا ہوا اپنی کال کوٹھری کی طرف جانے لگا۔
چیتن نے جلدی سے اپنی جیب سے کچھ روپے نکالے اور پائل کے ہاتھ تھماتا ہوا بولا۔

"جاؤ دے دو۔ یہی موقعہ ہے"

پائل فوراً اُٹھی اور اس کے پیچھے لپکتی ہوئی بولی۔

"مست قلندر.... قلندر بھیا.....!"

کوٹھری میں جاتے جاتے وہ اچانک ٹھٹک کر رک گیا اور پلٹ کر سوالیہ نظروں سے پائل کو دیکھنے لگا۔

"یہ..... یہ کچھ روپئے ہیں.....!" پائل نے ڈرتے ڈرتے روپے اس کی طرف بڑھائے۔

اس نے لال لال آنکھوں سے پہلے پائل کو گھورا اور پھر پوچھا۔

"کیسے روپے؟"

"تمہارا قرض ہے نا ہم پر"

"ہوں" کہہ کر وہ نوٹ گننے لگا اور پھر بولا "پچاس روپے ہیں؟"

"ہاں۔ ڈیڑھ سو اور رہ گئے۔ وہ بھی پچاس روپے مہینہ کر کے لوٹا دیں گے"

"صرف اصل لوٹاؤ گے؟" اس نے غرا کر پوچھا تو پائل جھجک کر چند قدم پیچھے ہٹ گئی۔

"کیا مطلب.....؟" وہ ڈرتے ڈرتے بولی۔

"سود نہیں دو گے؟"

"سود؟"

"ہاں۔ پچاس روپے مہینہ تو سود ہی ہوا۔ اصل اپنی جگہ پہ قائم رہی۔"

"ٹھیک ہے۔ جو تم مناسب سمجھو۔ تم نے ہماری بُرے وقت میں مدد کی ہے ہم کیسے بھول سکتے ہیں۔"

"تو لو۔ یہ رقم تم رکھ لو۔" وہ پائل کے پاس آتے ہوئے بولا۔ "ان روپوں کی میری طرف سے ایک ساڑی خرید لینا۔"

"جی۔۔۔۔!" وہ حیرت سے اسے تکنے لگی۔

"ہاں۔ روپوں کی شکل میں مجھے سود نہیں چاہیئے۔ سود تو مجھے ایک پیاری بہن کے روپ میں مل گیا ہے۔۔۔ اور رہی اصل کی بات۔"

کہتے کہتے وہ اچانک غصّہ میں بھر گیا۔ پائل خوف سے سہمی ہوئی اسے دیکھنے لگی تو وہ چیخ کر بولا۔ "وہ لوٹانی چاہی تو تم دونوں کو اُٹھا کر کھنڈر سے باہر پھینک دوں گا۔۔۔ سمجھیں!"

پائل کو جیسے اپنے کانوں پہ یقین نہ آیا اور بوکھلاہٹ میں اسے دیکھتی رہ گئی۔

کچھ ہی دیر بعد مست قلندر کی کوٹھری سے خراٹوں کی آواز آنے لگی۔ وہ شراب کے نشہ میں گہری نیند سو گیا تھا۔ اور اس کے نتھنوں سے عجیب و غریب آوازیں نکل رہی تھیں۔ پہلے جب کبھی وہ ایسے خراٹے بھرتا تو چیتن اور پائل مسکرائے بغیر نہ رہتے تھے۔ لیکن آج جس طرح اس نے پائل کو بہن بنا کر روپے لوٹا دیئے تھے۔ انہیں ان خراٹوں میں بڑی دلکشی محسوس ہو رہی تھی۔ کچھ دیر تک دونوں چپ چاپ

ان خراٹوں کو سنتے رہے اور پھر اس خیال سے کہ کہیں ان کی گفتگو اس کی نیند میں خلل نہ ڈال دے وہ خاموشی سے اُٹھ کر باہر چلے گئے۔

ان کے پاس رات کے نو بجے تک کا وقت تھا اور وہ اسے بہترین طریقے سے گزارنا چاہتے تھے۔ چیتن پہلے پائل کو ایک انگریزی فلم دکھانے لے گیا۔ اس کے بعد بھوک محسوس ہوئی تو اسے چائنیز کھانا کھلانے کے لئے "کوئی ریستوران" کے چائنیز روم میں داخل ہو گیا۔

پائل کھانا شروع کرنے سے پہلے سوپ پیتے ہوئے اچانک کچھ سوچتے ہوئے کہہ اُٹھی۔

"چیتن۔۔۔۔!"

"ہوں!"

"یہ مرد لوگ شادی سے پہلے اپنی ہونے والی بیوی سے اتنا پیار کیوں کرتے ہیں؟"

"تم کہنا کیا چاہتی ہو؟" چیتن نے کھانے کھاتے رک کر پوچھا۔

"جاننا چاہتی ہوں۔ کیا شادی کے بعد بھی تم اسی طرح میرے ناز اُٹھاؤ گے؟" وہ مسکرا کر بولی۔

"نہیں۔۔۔۔!" چیتن سنجیدگی سے بولا۔

"کیوں؟" وہ چونک پڑی۔

"وقت پر کھانا تیار کرنا، کپڑوں کی دھلائی، گھر کی صفائی اور پھر۔۔۔ پھر ننھے منّوں کی دیکھ بھال۔ تمہیں وقت ہی کہاں ملے گا ناز دکھانے کا۔"

"تو کیا تم میرے لئے کوئی نوکر نہیں رکھو گے؟" پائل نے گھبرا کر کہا۔

" رکھوں گا۔ مگر نوکر تو صرف کام میں مدد کرتے ہیں۔ اصل کام تو گھر کی مالکن کو
ہی کرنے پڑتے ہیں۔ جو کام صرف نوکروں پر چھوڑ دیئے جاتے ہیں وہ اکثر بگڑ جا
کرتے ہیں۔"

" نا بابا۔ مجھ سے اتنے سارے کام نہ ہو سکیں گے۔ کھانا پکانا کپڑوں کی دھلائی
گھر کی صفائی۔ یہ سب تو میں نوکروں سے ہی کرواؤں گی"، پائل نے ٹھنکتے
ہوئے کہا۔

" لیکن بچے تو تمہیں اکیلے ہی پیدا کرنے پڑیں گے؟" چیتن نے شرارت سے
اس کے کاندھے کو اپنے کاندھے سے ٹھوکا مارتے ہوئے کہا۔

پائل اس کی بات سنتے ہی زور سے کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ اس کی اس بے
ہنسی نے ریستوران میں بیٹھے ہوئے لوگوں کو اس کی طرف متوجہ کر دیا۔ اور وہ پل
پلٹ کر اس کی طرف دیکھنے لگے۔ وہ یکایک خاموش ہو گئی اور ان گھورتی ہوئی نگا
سے شرمندہ ہوتی دھیرے دھیرے ڈنر کھانے لگی۔ چیتن کو اس کی یہ شرمندگی بڑی
پیاری لگی اور اس کے دلربا انداز کا لطف اٹھانے کے لئے وہ خود بھی اسے کنکھی نگاہ
سے دیکھنے لگا۔ وہ اسے اس طرح غصہ سے گھورتے دیکھ کر اور سہم گئی اور اپنا چہرہ
کھانے کی پلیٹ پر جھکا لیا۔

" چلو، اٹھو چہرہ .... لوگوں کی نظریں ہٹ گئی ہیں .....!" چیتن نے غصہ
کے ساتھ کہا پائل نے گھبرا کر سر اٹھایا تو وہ مسکرا رہا تھا۔ وہ جھینپ کر بولی۔

" جاؤ۔ میں تم سے بات نہیں کروں گی!"

" کیوں؟

"تم نے سب کے سامنے مجھے مذاق بنا دیا"

"میں نے؟"

"ہاں۔ نہ تم ایسی بات کہتے، نہ میں زور سے ہنس پڑتی" پائل نے سسکی
تے ہوئے کہا۔

"ہنس پڑیں تو کیا ہوا۔ ہمیں کسی کی پرواہ پڑی ہے کیا؟" چیتن نے اسے
سہ دیتے ہوئے کہا۔

"نہیں نہیں، لیکن مجھے تو ہے" پائل نے کہا اور اس کی آنکھوں میں بھرے
تے آنسو ڈھلک کر گالوں پہ آ گئے۔ چیتن نے جلدی سے نیپکن دیتے ہوئے کہا
"پگلی کہیں کی۔ یہ بھی کوئی رونے کی بات ہے؟"

"رو نہیں رہی ہوں!" پائل نے نیپکن سے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔

"پھر یہ آنسو؟"

"غلطی سے نوڈلز میں چلی سوس زیادہ پڑ گیا تھا۔"

"اوہ..... !" چیتن بے ساختہ کھلکھلا کر ہنس پڑا۔

لوگ اس کی ہنسی سن کر پھر..... اُدھر متوجہ ہو گئے۔ اب چیتن کے جھلینپنے
باری تھی۔ لیکن وہ کہہ چکا تھا کہ اسے کسی کی پرواہ نہیں ہے۔ اس لئے اپنی
ت رکھنے کے لئے اس نے ذرا بھی شرمندگی کا اظہار نہ کیا اور ناک سپٹرتی پائل
ے ساتھ کھانا کھانے میں مصروف ہو گیا۔

ریستوران سے باہر نکل کر پائل نے پان کھانے کی خواہش ظاہر کی چیتن اسے
ئے ہوئے سامنے کے فٹ پاتھ پہ پان والے کی دوکان پہ چلا گیا۔ جہاں پان کھانے

والوں کا جمگھٹا لگا ہوا تھا۔

دوکان کے سامنے پڑی ہوئی بنچ پر کچھ آوارہ قسم کے لوگ براجمان تھے۔ کوئی
شراب کے نشے میں جھومتا ہوا پان والے کی روزانہ بکری کا اندازہ لگا رہا تھا۔ کو
گانجے کی جھونک میں آتی جاتی گاڑیوں کو گن رہا تھا۔ ایک مہاشے اتنی رات ک
صبح کا مڑا تڑا اخبار پڑھنے میں مصروف تھے۔

چین نے اس ماحول سے جلد ہی باہر نکل جانے کا فیصلہ کرتے ہوئے دو
میٹھے پان بنانے کا آرڈر دیا اور بے چینی سے پانوں کا انتظار کرنے لگا۔ اخبار
پڑھتے پڑھتے وہ مہاشے اچانک بول پڑے۔

"آج کے لونڈوں لونڈیوں نے تو حد ہی کر دی ہے"

"کیا ہوا یار کے؟" دوسرے آدمی نے منہ میں تمباکو کا پان رکھ کر چونا چاٹتے
ہوئے پوچھا۔

"وہی جو روز ہوا کرتا ہے..... ایک کرنل کی لونڈیا اپنے یار کے ساتھ بھاگ
گئی اور صدمے سے باپ پر فالج گر پڑا"

یہ سنتے ہی پائل کا چہرہ فق ہو گیا اور وہ سوالیہ نظروں سے چین کو دیکھنے لگ
جو خود بھی یہ خبر سنکر اچانک پریشان ہو گیا تھا اور کچھ دیر کے لئے پانوں کو بھول
کر اس مہاشے کی بات سننے لگا تھا۔ وہ پھر اپنے ساتھی سے کہہ رہا تھا۔

"اب اسے واپس بلوانے کے لئے اخبار میں اشتہار چھپوایا ہے۔ لکھا ہے
میرے بچنے کی کوئی امید نہیں ہے اپنے بابا کی صورت دیکھنا چاہتی ہو تو جہاں کہیں
بھی ہو لوٹ آؤ....."

'' بالکل پیٹنٹ اشتہار ہے۔ ہر باپ بھاگی ہوئی لڑکی کو پھانسنے کے لئے
جال بچھاتا ہے۔ مگر عشق بڑی ظالم چیز ہے پیارے۔ کم ہی لڑکیاں اپنے
و چھوڑ کر باپ کے پاس پہنچتی ہیں'' پان کھانے والے آدمی نے پچ سے پان
یک دیوار پہ پھینکتے ہوئے کہا۔

'' پان لیو صاحب!'' پان والے بھیّا نے سوچ میں ڈوبے ہوئے چیتن کو مخاطب

چیتن نے جلدی سے اس کے ہاتھ سے پان جھپٹ لئے اور پانچ کا نوٹ اس کی
ف پھینک کر جلدی سے پائل کو لیتے ہوئے ایک ٹیکسی کی طرف بڑھ گیا۔

'' ارے بھیّا۔ اپنا پیسوا تو لیت جاؤ.... !'' بھیّا نے گولک سے چار روپے
پیسے نکال کر چیتن سے اونچی آواز میں کہا۔

لیکن تب تک ٹیکسی روانہ ہو چکی تھی۔ جہاننے نے اخبار سے نظریں ہٹاتے
ئے کہا۔

'' رکھ لو بھیّا۔ رکھ لو۔ بڑے لوگ دو چار روپئے واپس لینا اپنی توہین سمجھتے ہیں
. اسے بخشش سمجھو بخشش!''

'' اور پھر جب لونڈیا ساتھ ہو تو یہ لونڈے یوں بھی حاتم طائی بن جاتے ہیں''
ی نے جھومتے ہوئے مسکرا کر کہا اور وہاں کھڑے سب لوگ قہقہہ مار کر
نے لگے۔

ٹیکسی پوری رفتار سے خاموش سڑکوں پہ دوڑی چلی جا رہی تھی....

لیکن ٹیکسی کے اندر باہر سے بھی زیادہ خاموشی چھائی ہوئی تھی چیتن نے کئی بار اس

خاموشی کو توڑنا چاہا لیکن پائل کی جذباتی حالت کا اندازہ لگاتے ہوئے ہر بار کسمسا کر
گیا۔ آخر سوچتے سوچتے پائل ہی بول پڑی۔
"کیا وہ اشتہار سچا تھا؟"
"سچا بھی ہو سکتا ہے اور جھوٹا بھی.....!" چیتن نے سنجیدگی سے کہا
"میرا تو دل بیٹھا جا رہا ہے۔ اگر سچ مچ پاپا کو کچھ ہو گیا تو....." کہتے کہتے
وہ رو پڑی۔
"بھگوان نہ کرے تمہارے پاپا کو کچھ ہو جائے۔ وہ معمولی آدمی تو ہیں نہیں
ملٹری کی ہڈی ہے۔ ایسے معمولی جھٹکے ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ سنا نہیں وہ آد
کیا کہہ رہا تھا۔ بالکل پیٹنٹ اشتہار ہے۔ ہر باپ اپنی بھاگی ہوئی لڑکی کو پھلا
کے لئے یہی جال بچھاتا ہے" چیتن نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔
پائل نے اس معاملے میں اس سے بحث کرنا مناسب نہ سمجھا اور خاموش ہو گئ
چیتن نے اس کا آنسوؤں سے بھیگا ہوا چہرہ اپنے ہاتھوں میں لے لیا اور اس
آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔
"گھبراؤ مت پائل۔ اب دن ہی کتنے باقی رہ گئے ہیں، شادی ہوتے ہی
شان سے ان کا آشیرواد لینے چلیں گے"
"اگر انہوں نے گولی چلا دی تو....؟" پائل نے زبردستی مسکرانے کی کوشش
کرتے ہوئے کہا۔
"وہ گولی نہیں چلا سکیں گے۔ جرمن کو مارنا آسان ہے، لیکن داماد کو نہیں...
اور وہ بھی اکلوتا داماد۔ وہ دیکھتے ہی ہمیں سینے سے لگا لیں گے"

چیتن کی بات سنتے ہی پائل اس دن کے تصوّر میں کھو گئی جب وہ دلہن بنی ہوئی اپنے پاپا سے ملنے جائے گی اور پاپا دوڑ کر اسے اپنے سینے سے لگا لیں گے۔ وہ تصور ہی تصور میں اس مدھر ملن کا لطف لینے لگی۔

ابھی وہ پاپا کی شفقت کے لمس کا لطف پوری طرح نہ اُٹھا نے پائی تھی کہ چیتن کی آواز نے اسے تصورات کی دنیا سے باہر نکلنے پر مجبور کر دیا۔

" لو آ گئی تمہاری منزل۔ کس گلی میں جانا ہے تمہیں ؟ " تیلوا جی پارک کے چوراہے پر پہنچتے ہی چیتن نے سوال کر دیا تھا۔

" بس یہیں روک دو۔ میں اس گلی سے ہو کر چلی جاؤں گی۔ تمہارا وہاں تک جانا ٹھیک نہیں ہے۔" پائل نے ٹیکسی سے اُترتے ہوئے کہا اور " گڈ نائٹ " کہتے ہوئے گلی میں داخل ہو گئی۔ چیتن کچھ دور تک اسے جاتے دیکھتا رہا اور پھر ڈرائیور کو آگے بڑھنے کی ہدایت دی۔

گھر جا کر گھڑیال نے رات کے بارہ بجا دیئے لیکن پائل ابھی تک اپنے بستر پر لیٹی کروٹیں بدل رہی تھی۔ اسے نیند نہیں آ رہی تھی۔ وہ بار بار آج کا اخبار اُٹھا لیتی اور سائیڈ لیمپ کی دھندلی روشنی میں اس میں چھپے اشتہار کو دیکھنے لگتی۔

" اگر اپنے پاپا کی صورت دیکھنا چاہتی ہو تو چلی آؤ ! "

یہ جملہ ہتھوڑے کی طرح اس کے دماغ پہ لگنے لگتا۔ اور وہ سر سے پیر تک کانپ کر رہ جاتی۔ آخر بے قرار ہو کر وہ اُٹھ بیٹھی اور دونوں ہاتھوں سے سر کو تھام

کہ گہری سوچ میں ڈوب گئی۔ اس کے دل میں یہی وسوسہ سمایا ہوا تھا۔ کہ نہ جانے وہ اب اپنے پاپا کی صورت دیکھ بھی سکے گی یا نہیں۔ اگر اس کے واپس جانے سے پہلے ہی پاپا کو کچھ ہو گیا تو وہ زندگی بھر اپنے آپ کو معاف نہ کر سکے گی وہ یہ فیصلہ نہیں کر پا رہی تھی کہ اسے فوراً شملہ واپس جانا چاہیئے یا نہیں۔

ٹیکسی اس کے بنگلے کے کمپاؤنڈ میں داخل ہوئی تو وہاں کی حالت دیکھ کر پائل کا دل دھک دھک کرنے لگا۔ باغ بالکل ویران پڑا تھا۔ شاخیں پھولوں سے خالی تھیں اور ایسا لگتا تھا مہینوں سے درختوں کو پانی نہیں دیا گیا۔ ہر طرف گہری اداسی اور خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ اس نے ایک نظر پچھواڑے کی طرف ڈالی تو چند دن کا درخت بھی بالکل اجاڑ سا لگا۔ یہ وہی سرسبز و شاداب درخت تھا۔ جس کے نیچے اس کی محبت پروان چڑھی تھی۔ اور آج وہ اس محبت کو ٹھکرا کر اپنے پاپا کے پاس لوٹ آئی تھی۔

ٹیکسی کا رکنا ابھی چکا کہ جیسے ہی وہ اندر کی جانب بڑھی تو گھر سے باہر نکلتے ہوئے منیم نے اسے دیکھ لیا۔ ایک پل کے لئے تو جیسے اسے اپنی آنکھوں پر یقین ہی نہ آیا۔ اس نے اپنی آنکھیں مل کر پائل کو دوبارہ دیکھا تو اس کا مرجھایا ہوا چہرہ خوشی سے کھل اٹھا اور وہ چیخ پڑا۔

"پائل۔۔۔۔ پائل بیٹا۔۔۔۔!"

اور پھر وہ الٹے پاؤں گھر کے اندر بھاگتے ہوئے چلایا۔

"سرکار۔۔۔۔ سرکار۔۔۔۔ پائل بیٹا آ گئیں۔۔۔۔ پائل بیٹا آ گئیں۔۔۔۔۔!"

اس آواز کو سنتے ہی کرنل صاحب کے مفلوج اور نیم جان بدن میں جیسے نئی جان پیدا ہو گئی۔ اور وہ بستر سے اُٹھنے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے کمزور اور تھرتھراتی آواز میں پوچھنے لگے۔

"کہاں ہے.... کہاں ہے میری پائل....؟"

پائل نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے باپ کی دردناک حالت کو دیکھا اور لرز کر رہ گئی۔ پھر وہ ہمت کر کے آگے بڑھی اور لرزتی آواز میں بولی۔

"پاپا....."

کرنل صاحب نے اپنی دھندلی نظر سے دیکھا تو سامنے سوٹ کیس ہاتھ میں لئے پائل کھڑی تھی۔ پاپا کی بے چارگی دیکھ کر اس کے ہاتھ سے سوٹ کیس چھوٹ گیا اور وہ "پاپا۔۔۔ پاپا" کہتی ہوئی لپک کر باپ سے لپٹ گئی۔

"تو آ گئی بیٹی....."

کرنل صاحب روتے ہوئے بھرائی ہوئی آواز میں کہنے لگے۔

"میں جانتا تھا تو ضرور آئے گی۔ تو بغیر اپنی صورت دکھائے اپنے پاپا کو نہ مرنے دے گی"

"مجھے معاف کر دو پاپا۔۔۔ مجھے معاف کر دو۔ میری وجہ سے آپ کی یہ حالت ہوئی ہے۔ میں جانتی کہ آپ کو اتنا صدمہ ہو گا تو میں ہرگز آپ کو چھوڑ کر نہ جاتی۔"

پائل نے باپ کے سینے سے لگ کر سسکتے ہوئے کہا۔ اور کچھ رک کر پھر انہیں تسلی دیتے ہوئے بولی۔

"پاپا..... پاپا۔ اب میں تمہیں کبھی چھوڑ کر نہ جاؤں گی!"
"چلو، اب میں آرام سے مر سکوں گا!"
"نہیں پاپا۔ نہیں.....!"

پائل اپنی ہی چیخ سے جاگ اُٹھی۔ اس کا سارا بدن پسینے سے شرابور تھا۔ اور ہونٹ اب تک تھرتھرا رہے تھے۔

"پائل..... پائل بیٹی.....!" اندرونی کمرے سے اس کی مالکن سمترا دیوی کی آواز آئی اور ساتھ ہی ان کے کمرے کی بتی روشن ہو گئی۔

پائل نے اپنے آپ کو سنبھالا اور جلدی سے دروازہ کھولا سمترا دیوی کے کمرے میں پہنچ گئی۔

"کیا بات ہے بیٹی۔ تم اتنے زور سے چلا کیوں رہی تھیں؟" سمترا دیوی نے ممتا بھرے لہجہ میں پوچھا اور اس کے چہرے کو دیکھا۔ جو خوف سے زرد ہو رہا تھا۔

"یوں ہی۔ ایک ڈراؤنا سپنا دیکھا تھا" پائل جھینپتے ہوئے بولی۔

"اوہ..... کتنی بار کہا ہے تکیئے کے نیچے لوہا رکھ کر سویا کرو.....!" انہوں نے کہا اور اپنی چابیوں کا گچھا اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولیں "چابیاں تکیہ کے نیچے رکھ لینا اور چاہو تو اپنا بستر میرے کمرے میں اُٹھا لاؤ۔"

"نہیں ماں جی۔ وہ تو سپنا تھا۔" کہتے ہوئے اس نے ان سے وہ چابیوں کا گچھا لیا اور پھر بولی "اور اب تو تکیہ کے نیچے لوہا ہوگا تو ڈراؤنے سپنے بھی

نہیں آئیں گے۔" کہتے ہوئے وہ اپنے کمرے میں لوٹ گئی اور سمنز ادیوی اس کے بھولے پن پر مسکرا کر رہ گئیں۔

رات کا اندھیرا گہرا ہو گیا۔ پائل نے چابیوں کا گچھا تکیہ کے نیچے رکھ لیا۔ لیکن پھر بھی اس کا خوف کم نہ ہوا اور وہ نہ جانے کب تک بستر پر لیٹی بے چینی سے کروٹیں بدلتی رہی۔

نشا کی شاندار امپورٹڈ کار اس کے بنگلہ کے سامنے آکر رکی۔
ڈرائیور کی وردی پہنے چیتن نے جلدی سے اُتر کر کار کا پچھلا دروازہ کھول دیا
نوجوان، خوب صورت نشا مورڈن لباس پہنے، ہاتھ میں خوب صورت بیگ اور
سفید رنگ کا ایک چھوٹا سا کتا لئے ہوئے اُتری۔ اور اندر جانے سے پہلے
چیتن سے بولی۔
"گاڑی پارک کر دو۔ اور سامان لے کر اوپر آجاؤ!"
"یس میم صاحب!" چیتن نے کہا اور کار کے پیچھے جا کر ڈکی کھولتے ہوئے
اس نے ایک نظر اپنی مالکن کی پر وقار چال پر ڈالی اور دل ہی دل میں اپنے اس
چھوٹے پر مسکرا دیا جو اس نے اپنی محبوبہ سے بولا تھا کہ اس کی مالکن ساٹھ برس
کی بڑھیا ہے۔
نشا انداز بے نیازی سے کھٹ کھٹ چلتی ہوئی بنگلے میں داخل ہوئی اور
ہال میں بیٹھے ہوئے اپنے بزرگ وکیل مسٹر بھار دواج کو دیکھا جو اس کے کیئر ٹیکر

(CARETAKER) بھی تھے اور اس کے ڈیڈی کے پرانے دوست بھی۔ وہ انہیں دیکھ کر خوشی سے چہک اُٹھی۔

"ہائے انکل..... آپ کب سے یہاں بیٹھے ہوتے ہیں؟"

"کوئی آدھا گھنٹہ ہوا۔" مسٹر بھاردواج نے صوفے سے اُٹھتے ہوئے کہا۔

"بیٹھئے بیٹھئے... کہئے، کوئی کام تھا کیا؟" وہ ان کے پاس ہی صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

"یونہی ملنے کے لئے چلا آیا تھا۔"

"بالکل غلط۔ آپ کا آنا اور بنا کسی کام کے۔ ناممکن کہئے انکم ٹیکس کا چکر ہے یا کورٹ کچہری کا؟"

"ان میں سے کوئی بھی نہیں..... اب عمر کا سورج ڈھلتا جا رہا ہے۔ سوچتا ہوں۔ اس کے غروب ہونے سے پہلے اپنی ذمہ داری نبھاتا جاؤں"

"کیسی ذمہ داری؟"

"جو تمہارے ڈیڈی مجھ پر ڈال گئے ہیں..... میرا خیال ہے اب تمہیں نہ سنبھالا گیا تو شاید تمہاری زندگی تباہ ہو جاتے دیکھ رہا ہوں تم دن بدن زیادہ فضول خرچ ہوتی جا رہی ہو۔ کھیل کود سیر و تفریح اور پارٹیوں میں تو پیسہ جا ہی رہا تھا۔ لیکن سنا ہے....." وہ کچھ کہتے کہتے رک گئے۔

"آج کل گانجہ اور چرس کا شوق بھی اُبھر آیا ہے!" نشانے ان کی بات مکمل کر دی اور پھر ذرا جھنجھلا کر کہہ اُٹھی۔

"تو کیا آپ مجھ سے یہ تھوڑی سی خوشی بھی چھین لینا چاہتے ہیں؟.....

مجھے زندگی نے دیا ہی کیا ہے۔ ماں کا سایہ بچپن میں ہی سر سے اُٹھ گیا۔ باپ نو عمری ہی میں مجھے آپ کے سہارے چھوڑ کر کینیڈا چلے گئے۔ اور وہاں دوسری شادی رچا کر مجھے جیسے بھول ہی گئے ورثے میں جو جائیداد اور پیسہ ملا ہے! اس کے سہارے تھوڑی دیر کے لئے ان دکھوں سے چھٹکارا پانا چاہتی ہوں تو وہ بھی آپ سے نہیں دیکھا جاتا۔ . . . ،،

" نہیں بیٹی۔ مجھے غلط نہ سمجھو۔ میں ان دکھوں سے تمہیں ہمیشہ کے لئے چھٹکارا دلانا چاہتا ہوں۔ تمہاری زندگی میں ماں باپ کے نہ ہونے سے جو خلاء پیدا ہو گیا ہے اسے شادی کے ذریعہ پر کر دینا چاہتا ہوں۔ ،،

" اوہ انکل۔ پھر وہی شادی۔ میں سو بار کہہ چکی ہوں کہ جو لوگ بھی مجھ سے شادی کرنا چاہتے ہیں، وہ سب دولت کے بھوکے ہیں انہیں تو مجھ سے دولت مل جائے گی لیکن مجھے ان سے کچھ نہ ملے گا۔ میں شادی کرنے کے بعد بھی تنہا رہ جاؤں گی۔ ،،

" مگر اس بار میں نے جو لڑکا دیکھا ہے، وہ خود دولت مند ہے۔ اسے تمہاری دولت سے کوئی واسطہ نہ ہوگا۔ اس کے علاوہ تعلیم یافتہ خاندانی اور خوبصورت بھی ہے۔ ،،

" انکل کہتے ہیں کھانا اپنی پسند کا کھانا چاہیئے اور کپڑا دوسروں کی پسند کا پہننا چاہیئے۔ لیکن میں کپڑے بھی اپنے پسند کے پہنتی ہوں۔ اور شوہر بھی اپنی پسند کا تلاش کروں گی۔ . . . اس معاملے میں آپ فکر نہ کریں۔ لیکن میں وعدہ کرتی ہوں کوئی نوجوان مجھے پسند آگیا تو سب سے پہلے آپ کا اپیروول (APPROVAL) لوں گی۔ ،،

"لیکن تم ایک بار اسے دیکھ تو لو۔ ہو سکتا ہے تمہیں پسند آجائے۔"

"اوکے۔ میں سوچ کر آپ کو بتاؤں گی۔۔۔۔!" نشا نے اکتائے ہوئے انداز میں کہا۔

اسی وقت چیتن سامان کے بہت سے بنڈل لئے ہوئے ہال میں داخل ہوا اور نشا کا بگڑا ہوا موڈ دیکھ کر چپ چاپ سیڑھیوں سے اوپر جانے لگا۔

مسٹر بھاردواج نے اُٹھتے ہوئے چیتن کو ترچھی نظر سے دیکھا اور پوچھ لیا۔

"یہ تمہارا بیاڈرائیور ہے؟"

"ہاں انکل"

"SEEMS TO BEA SMART FELLOW"

"آخر تو میری CHOICE ہے"

"اب تو ہمیں یقین ہو گیا۔ تم جیون ساتھی بھی غلط نہ چنو گی۔۔۔۔۔ اچھا چلتا ہوں۔"

"اوکے، باتی باتی انکل!" نشا نے اپنا موڈ بدلتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

"باتی باتی۔۔۔۔!" کہتے ہوئے مسٹر بھاردواج ہال سے باہر نکل گئے۔

چیتن نشا کا سامان لئے ہوئے جونہی اس کے بیڈ روم میں داخل ہوا ملائم فرشی قالین پر اس کا پیر پھسل گیا اور ہاتھوں میں تھمے بنڈل چھوٹ کر قالین پر بکھر گئے۔ وہ گھبرا کر جلدی جلدی انہیں سمیٹنے لگا۔

تبھی باہر کے دروازے سے نشا داخل ہوئی وہ اسے دیکھ کر اور زیادہ گھبرا گیا اور بولا۔

"اوہ.... آپ کا سامان....!"

پھر وہ اسی گھبراہٹ میں بنڈلوں کو سمیٹنے لگا۔ لیکن ایک بنڈل اُٹھاتا تو دوسرا ہاتھ سے پھسل جاتا۔ نشا چپ چاپ کھڑی اس کی بوکھلاہٹ سے لطف اندوز ہونے لگی۔ چتین اس کی اس خاموشی کو ناراضگی سمجھتے ہوئے سامان سمیٹتے سمیٹتے بول اُٹھا۔

"جی..... وہ.... جلدی میں پاؤں پھسل گیا۔ اور سامان گر گیا۔ مگر اس میں میرا کوئی قصور نہیں۔ یہ فرش ہی اتنا چکنا ہے...."

"فرش.....؟ لیکن یہ تو قالین ہے!" نشا اپنی بے ساختہ قسم کی مسکراہٹ روکتے ہوئے حیرت سے بولی۔

"سوری۔ میرا مطلب اس چکنے قالین سے تھا.... بہر، یہ سامان کہاں رکھ دوں؟"

"وہ سامنے سائڈ بورڈ پہ!"

چتین نے بنڈل لے جا کر سائڈ بورڈ پہ رکھ دیئے اور سلام کر کے باہر جانے لگا۔ لیکن پھر جاتے جاتے اسے اپنی ٹوپی یاد آئی اور وہ اپنے ننگے سر کو چھوتے ہوئے بولا "سوری"..... اور ایک کونے میں پڑی ہوئی ٹوپی لپک کر اُٹھالی جو قالین پہ پھسلتے ہوئے اس کے سر سے اُتر کر دور جا پڑی تھی۔ پھر وہ جیسے ہی دروازے کی طرف بڑھا، نشا پکار اُٹھی۔

"ٹھہرو....!"

"جی۔" وہ پلٹ آیا۔

"ذرا میری طرف دیکھو!" نشا نے حکم دیا اور وہ بے وقوفوں کی طرح اس کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ چند لمحہ تک غور سے اسے دیکھتی رہی اور پھر ایک سگریٹ ہونٹوں سے لگا کر سلگاتی ہوئی بولی۔

"اس کیپ کو اتار دو!"

چیتن نے فوراً ٹوپی اتار دی تو اس نے پھر ہدایت دی۔

"اب ذرا منہ ترچھا کر کے اُدھر دیکھو!"

چیتن کچھ نہ سمجھتے ہوئے منہ ٹیڑھا کر کے دوسری طرف دیکھنے لگا۔ تو اس نے اپنے ہونٹوں سے سگریٹ نکال کر اسے دیتے ہوئے کہا۔

"یہ سگریٹ منہ سے لگاؤ!"

"جی۔ میں سگریٹ نہیں پیتا!"

"صرف منہ سے لگانے کو کہہ رہی ہوں!" نشا نے سختی سے کہا اور چیتن نے جلدی سے سگریٹ لے کر ہونٹوں سے چپکا لیا۔

"کریکٹ.... ویری گڈ...!" نشا نے خوشی کا اظہار کیا۔ "تم ایک بہترین موڈل بن سکتے ہو۔ کمپنی کو پنامہ سگریٹ کی پبلسٹی کا جو کنٹریکٹ ملا ہے۔ میں اس میں تمہیں موڈل بناؤں گی"

"مجھے.....؟"

چیتن نے 'مجھے' کو کچھ اس طرح کھینچا جیسے اسے یقین نہ آیا ہو اور اس کھینچے ہوئے سانس کے ساتھ سگریٹ کے دھوئیں کا ریلا اس کے حلق میں اتر گیا اور وہ بری طرح سے کھانسنے لگا۔

نشلا اس کے احساسِ کمتری پر مسکرا کر بولی۔

"ہاں۔ تمہیں....!" اس نے بھی "تمہیں" کو اسی طرح کھینچا اور ذرا رکتے ہوئے پھر بولی "ایک پوز کے تمہیں چار سو روپے ملا کریں گے!"

"تھینک یو.... تھینک یو ویری مچ...!" چیتن نے خوش ہو کر کہا لیکن پھر کچھ سوچ کر خوف زدہ ہوتے ہوئے بولا "مگر اس کے لیے تو مجھے فوٹو کھنچوانا پڑے گا!"

"ہاں۔ اخباروں میں تمہارے فوٹو چھپا کریں گے۔ خوب پبلسٹی ملے گی تمہیں۔"

"نہیں نہیں۔ میں فوٹو نہیں کھنچواؤں گا!" چیتن نے اسی خوفزدہ لہجہ میں کہا۔

"کیوں؟" نشلا نے حیرت سے پوچھا۔

"بات یہ ہے میم صاحب کہ فوٹو کھنچوانا میرے خاندان کو راس نہیں آتا۔ میرے پردادا نے فوٹو کھنچوایا تو وہ پاگل ہو گئے۔ دادا نے کھنچوایا تو کنوئیں میں گر پڑے۔ باپ نے کھنچوایا تو لاکھوں کی جائیداد نیلام ہو گئی اور فقیر بن گئے...." چیتن نے بات بناتے ہوئے ایک سانس میں کہہ دیا۔

"نان سنس۔ کیا جہالت کی بات کرتے ہو!" نشلا نے غصّہ سے کہا۔

"یہ جہالت نہیں، حقیقت ہے میم صاحب۔ بھگوان کے لئے مجھ پر دیا کیجئے۔ میں اپنی ماں کی اکلوتی اولاد ہوں اور اس سے وعدہ کر کے آیا ہوں زندگی میں کبھی فوٹو نہیں کھنچواؤں گا۔"

"اچھا اچھا ٹھیک ہے۔ میں تمہاری ہی بھلائی کے لئے کہہ رہی تھی۔ اگر تم نہیں چاہتے تو نہ سہی۔"

"بھلائی ہی کرنا چاہتی ہیں تو مجھے کوئی اور کام دے دیجئے۔ میں پڑھا لکھا آدمی ہوں۔ آنرز کے ساتھ بی۔ اے کیا ہے۔ ٹائپ، شارٹ ہینڈ، بک کیپنگ اور اکاؤنٹس کی کافی جانکاری ہے مجھے"

"ارے، تو تم نے مجھ سے پہلے کیوں نہیں کہا؟"

"بے کاری سے گھبرا گیا تھا۔ سوچا جو نوکری ہاتھ آ رہی ہے کر لوں۔ اسی لئے ڈرائیور بن گیا..... میں کوئی بھی کام کرنے کو تیار ہوں۔ بس یہ ڈرائیور کی وردی اتروا دیجئے۔ تنخواہ چاہے بڑھے نہ بڑھے۔ اسٹیٹس اونچا ہو جائے"، چیتن نے اس سے معصومیت سے کہا کہ نشا کو ہنسی آ گئی۔ اس نے چند لمحہ چیتن کے سراپا کا جائزہ لیا اور اس کے قریب آتے ہوئے بولی۔

"سیکرٹری بنو گے میرے؟"

"سیکرٹری.....؟" چیتن کو جیسے یقین نہ آیا۔

"ہاں، سیکرٹری..... آج سے تم میرے سیکرٹری ہو۔ تمہاری تنخواہ ایک ہزار روپے..... مگر ایک شرط ہے"

"کیا؟"

"اس کے بعد بھی میری کار تم ہی ڈرائیو کرو گے!"

"لیکن....."

"وردی اتار کر... کہو منظور ہے؟"

"سیلنٹ پرسنٹ منظور!" چیتن نے خوشی سے بے قابو ہو کر کہا۔

"تو ادھر آ کر بیٹھو!" نشا نے ایک صوفے پر بیٹھتے ہوئے اسے بھی پاس

بیٹھنے کا حکم دیا۔

"جی ۔۔۔۔؟" وہ حیرت سے دیکھنے لگا۔

"بیٹھو بیٹھو۔ اب تم ڈرائیور نہیں، میرے سیکرٹری ہو۔ تمہیں میرے ساتھ کام کرنا ہوگا۔ ڈرتے رہو گے تو کام کیسے چلے گا۔" نشا نے نرم لہجہ اختیار کرتے ہوئے کہا۔

لیکن چیتن کھڑا ہی رہا۔ اسے کسی طرح اس کے پاس بیٹھنے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔ چہرے پر ایک رنگ آ رہا تھا ایک جا رہا تھا۔ نشا نے اس کی یہ کیفیت دیکھی تو اُس کا ہاتھ پکڑ کر زبردستی اپنے پاس بٹھاتی ہوں مسکرا کر بولی۔

"بیٹھ جاؤ نا مسٹر!"

مجبور ہو کر چیتن اس کے پاس بیٹھ گیا۔ لیکن اس کا دل دھک دھک کرنے لگا۔ اتنی بڑی فرم کی مالکن کے اتنے قریب بیٹھنے کا وہ تصور بھی نہ کر سکتا تھا۔ سینکڑوں لوگ جس کے اشارے پر ناچتے تھے، آتے جاتے سلام کرتے تھے اور وہ رعونت سے دیکھتی ہوئی گذر جاتی تھی۔ وہ ہستی اسے آج اتنی عزت دے رہی تھی۔ وہ اپنی اس خوش قسمتی پر دل ہی دل میں ناز کرنے لگا۔

"اب تو ڈر نکل گیا؟" نشا نے اسے قدرے سنبھلتے دیکھ کر پوچھا۔

"جی" وہ اطمینان سے بولا۔

"تو یہ لو ہزار روپے" نشا نے پرس کھول کر روپے اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "دو تین جوڑے کپڑے اور ایک اچھا سا سوٹ بنوا لو۔ کل سے تمہارا اسٹیٹس سیکرٹری کا ہے"

"تھینک یو میڈم!" چیتن نے روپے لیتے ہوئے کہا اور صوفے سے اُٹھ کھڑا ہوا۔

"ٹھہرو۔" نشا نے ہاتھ اُٹھا کر اسے روک لیا اور بولی۔

"دیکھو۔ یہ میڈم، میڈم مجھے پسند نہیں۔"

"تو؟"

"چاہو تو مجھے نشا کہہ کر بلا سکتے ہو۔ صرف نشا۔"

اسی وقت گھر کی خادمہ چمیلی چائے کی ٹرے لئے اندر آئی اور سلیقے سے میز پر رکھتے ہوئے بولی۔

"چائے بنا دوں میم صاحب؟"

"رہنے دو۔ میں بنا لوں گی!" نشا نے اپنے سینڈل اتارتے ہوئے کہا اور آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر اپنی زلفیں سنوارنے لگی۔

چمیلی چپ چاپ باہر چلی گئی۔ چیتن نے بھی موقعہ دیکھ کر اس کے پیچھے ہی کھسک جانا چاہا تو نشا آئینے میں اس کا عکس دروازے کی طرف کھسکتا دیکھ کر کہہ اُٹھی۔

"تم کہاں جا رہے ہو؟"

"جی .... کہیں بھی نہیں.....!" وہ سٹپٹا کر لوٹ آیا۔

"ایک کپ چائے بناؤ!" کہتے ہوئے نشا آئینے کے سامنے سے پلٹی، اپنے لباس کی زپ کو ڈھیلا کیا اور ٹانگیں پسار کر صوفہ پر بیٹھ گئی۔

چیتن نے اپنی گھبراہٹ کو قابو میں کیا اور جلدی سے نشا کے لئے ایک کپ

چائے بنا کر اس کو پیش کر دی۔ نشا نے ترچھی نظر سے اسے دیکھتے ہوئے پوچھ لیا۔

"شکر کتنی ڈالی؟"

"آدھا چمچہ!"

"تمہیں کیسے معلوم میں آدھا چمچہ لیتی ہوں؟"

"جی وہ۔ اکثر آفس میں آپ کو چائے پیتے دیکھا ہے"

"تم نہیں پیو گے؟"

"پی لوں گا نیچے جا کر"

"اب نیچے اوپر کو چھوڑو۔ تم میرے سیکریٹری ہو۔ زیادہ سے زیادہ وقت میرے ساتھ رہنا ہے۔ مجھے سمجھنا ہے۔ میرے ارد گرد کیا ہو رہا ہے۔ اس پر نظر رکھنی ہے"

"تو ایک بات پوچھوں میڈم.... نہیں نشا جی؟" چیتن نے اپنے لئے چائے کی پیالی بناتے ہوئے کہا۔

"پوچھو"

"جو شریمان جی نیچے بیٹھے ہوتے تھے۔ یہ آپ کے کون ہیں؟"

"اوہ بھاردواج انکل..... میرے ڈیڈی کے دوست میرے لیگل ایڈوائزر اور ٹرسٹی"

"کسی کام سے آتے تھے کیا؟"

"ہاں۔ ہر دوسرے تیسرے مہینے کوئی لڑکا پسند کر کے آ جاتے ہیں۔ آج بھی ایک لڑکے کا رشتہ لائے تھے۔ کہتے تھے شادی کر لو۔

"تو کہہ لیجئے نا۔ کنواری کب تک بیٹھی رہیں گی آپ؟" چیتن نے بغیر سوچے سمجھے کہہ دیا۔

"تم بھی تو کنوارے ہو اب تک" نشا نے اسے معنی خیز نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"جی ہیں۔۔۔ میری تو مجبوری ہے۔" چیتن نے گڑبڑا کر کہا۔

"میری بھی مجبوری ہے۔ سب دولت کے لوبھی ملتے ہیں۔ کوئی پیار کرنے والا نہیں ملتا۔"

"اوہ۔۔۔۔!"

"تم نے پیار کیا ہے کسی سے؟" نشا نے اچانک اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھ لیا۔

"جی۔ پیار۔۔۔۔ ابھی تک تو نہیں کیا۔" چیتن بھانڈا پھوٹنے کے خوف سے صاف جھوٹ بول گیا۔

"کہنے کو جی تو چاہتا ہوگا؟"

"جی۔ بالکل نہیں!"

"کیوں؟"

"پیار کا مطلب ہے۔ شادی۔ اور میں شادی بیاہ کے بندھن میں بندھنا نہیں چاہتا۔ ایک آزاد پنچھی کی طرح زندگی گذارنا چاہتا ہوں۔ جہاں جی چاہا اُڑتے ہوتے چلے گئے۔ جو شاخ اچھی لگی اسی پہ بسیرا کر لیا۔

"بہت اچھے۔ جب تمہارے یہ وچار ہیں تو پھر مجھے شادی کا مشورہ دے

کہ میرے پیر کیوں کترنا چاہتے ہو؟"

"اس لئے کہ آپ ۔ ۔ ۔ آپ ایک لڑکی ہیں!" چیتن نے کہا اور بحث کو طول نہ دیتے ہوئے اٹھ کر جلدی سے باہر نکل گیا۔

نشا نے آواز دے کر اسے روکنا چاہا لیکن پھر کچھ سوچ کر خاموش رہ گئی۔

چیتن نے نیچے اترنے کے لئے جیسے ہی سیڑھیوں پر قدم رکھا، پیچھے سے چمیلی کی رسیلی آواز سنائی دی۔

"میں نے کہا ڈریبر جی۔ رسوئی گھر میں آپ کی چائے ٹھنڈی ہو رہی ہے چل کر پی لیجئے۔"

"وہ تم پی لو۔ میں نے چائے پی لی ہے!" چیتن نے اس کی طرف مڑے ہوئے بغیر کہا۔

"پی لی ہے۔ کہاں؟" چمیلی نے حیرت سے پوچھا۔

"میم صاحب کے ساتھ ۔ ۔ ۔ اور سنو۔ آج سے مجھے ڈریبر و ریبر نہ کہنا کہ ۔ ۔ ۔ میں میم صاحب کا سیکرٹری بن گیا ہوں!" چیتن نے اکڑ کر چھاتی پھلاتے ہوئے کہا اور اپنی ٹوپی سر سے اتار کر ہوا میں اچھال دی۔ ٹوپی دیوار پر آویزاں بارہ سنگھے کے سینگ میں اٹک کر جھولنے لگی اور وہ اسے وہیں چھوڑ کر کھٹ کھٹ کرتا ہوا زینے سے نیچے اتر گیا۔

"واہ ایک ہی دن میں کیا رواب آگیا ہے!" چمیلی نے منہ پچکاتے ہوتے کہا اور رسوئی گھر کی طرف پلٹ گئی۔

پائل اپنی اپاہج مالکن سمترا دیوی کی پہیوں والی کرسی کو دھکیلتی ہوئی ناشتے کی میز تک لائی تو سمترا دیوی آج خلاف معمول ناشتے میں کئی نئی چیزیں سلیقے سے میز پر سجی دیکھ کر حیران رہ گئیں۔ انہوں نے سوالیہ نگاہوں سے پائل کو دیکھا تو وہ مسکرا کر کہہ اُٹھی۔

"آج ناشتہ میں نے تیار کیا ہے"

"کیوں بیٹی۔ کھانا پکانے کو باورچی جو موجود ہے" سمترا دیوی نے اسے شفقت بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"تو کیا ہوا۔ رسوئی گھر میں آتے جاتے رہنے سے جی لگا رہتا ہے"

"یہ تو نہیں، تجھ میں چھپی عورت بول رہی ہے"

"پائل ان کی بات سنکر شرما گئی اور وہاں سے جانے لگی تو انہوں نے اسے روک لیا اور پوچھ بیٹھیں۔

"اشوک نے ناشتہ کر لیا؟"

"جی مالکن!"

"تم مجھے مالکن نہیں کہو گی!" سمترا دیوی نے ذرا ناراضگی سے کہا۔

"پھر کیا کہوں؟"

"ماں جی کہو۔ تم میری بیٹی سمان ہو"

"اچھا ماں جی"

"اشوک نے تمہارے ہاتھوں سے ناشتہ لیا ہے کیا؟"

"نہیں سکھیا لے گیا تھا۔۔۔۔ مجھے تو دیکھتے ہی جیسے غصے میں آجاتے

ہیں۔ شاید انہیں میرے کام پسند نہیں آتے۔"

"نہیں۔ یہ بات نہیں دراصل اسے لڑکیاں ہی پسند نہیں ہیں۔"

"کیوں ماں جی؟" پائل نے حیرت سے پوچھا۔

"اس میں قصور اس کا نہیں، میرا ہے۔ میں نے بچپن سے ہی سے عورتوں سے دور رکھا۔ کسی سے میل جول نہ بڑھانے دیا۔ میری مرضی اس پر اتنی حاوی ہو گئی کہ جب میں اسے ناشتہ کرواتی تو ناشتہ کرتا کھانا کھلاتی تو کھانا کھاتا سونے کا حکم دیتی تو سو جاتا۔۔۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بمبئی جیسے شہر میں وہ کالج کا طالب علم ہوتے ہوتے بھی لڑکیوں سے کوسوں دور بھاگتا ہے۔"

"یہ تو اچھی بات ہے ماں جی۔ آپ کا لڑکا کبھی بگڑے گا نہیں۔" پائل نے خوش ہو کر کہا۔

"لیکن میں چاہتی ہوں کہ وہ بگڑ جاتے۔"

"کیا؟" پائل کو جیسے یقین نہ آیا۔

"ہاں بیٹی۔ مجھے ڈر لگنے لگا ہے۔ کہ اس کی شرافت کہیں میرے ونش کی بربادی کا کارن نہ بن جائے۔۔۔۔ ہم ناسک کے رہنے والے ہیں۔ بہت بڑی جائیداد اور فارم ہے ہمارا۔ اگر اس نے شادی نہ کی تو اس جائیداد کا کوئی وارث نہ رہ جائے گا۔"

"تو کیا وہ شادی کرنا بھی پسند نہیں کرتے؟"

"جب لڑکیوں کے قریب ہی نہیں جاتا تو شادی کس سے کرے گا۔ اس لئے میں چاہتی ہوں کہ تم کسی طرح اس کے دل سے یہ شرم و جھجک دور کر دو۔"

"میں..... میں کیسے کر سکتی ہوں؟"

" اس لئے کہ تم پہلی لڑکی ہو جس کی وہ کبھی کبھی تعریف کرنے لگتا ہے تم سے دور ضرور رہتا ہے لیکن دل سے تمہاری عزت کرتا ہے۔ اگر تم کوشش کروگی تو وہ تمہاری بات مان جائے گا"

پائل کی سمجھ میں نہ آیا کہ وہ کیا جواب دے۔ اس لئے وہ خاموش رہ گئی سمترا دیوی نے اسے تذبذب میں مبتلا دیکھ کر پھر کہا۔

" بولو۔ میرا یہ کام کر سکو گی؟"

" کوشش کروں گی ماں جی.....!" پائل نے جھجکتے ہوئے کہا اور میز سے ناشتہ کے برتن سمیٹنے لگی۔

پائل کو بچپن سے ماں کا پیار نہ ملا تھا۔ اس لئے جب سمترا دیوی نے اپنی بیٹی کہا اور اپنے آپ کو ماں کہہ کر بلانے کا حکم دیا تو اس کے دل میں ان کے لئے بے پناہ پیار کا جذبہ امڈ آیا اور ان کا دکھ دور کرنے کو وہ اپنی ذمہ داری سمجھنے لگی۔ کام کٹھن تھا۔ لیکن اب تو یہ ذمہ داری اسے نبھانی ہی تھی۔

اسی شام کو جب اشوک کالج سے لوٹا تو سکھیا کو چائے لانے کا حکم دیتے ہی وہ اوپر اپنے کمرے میں چلا گیا۔ سکھیا نے فوراً چائے کا پیالہ تیار کیا اور لے کر رسوئی گھر سے نکلا تو پائل نے اس کے ہاتھوں سے پیالہ لے لیا اور بولی۔

" یہ کام میرا ہے۔ تم جاکر بازار سے سودا لے آؤ۔"

" لیکن چھوٹے مالک تو کسی اور کے ہاتھوں چائے نہیں پیتے" وہ گڑگڑا کر بولا۔

"آج وہ پی لیں گے!" پائل نے تحکمانہ لہجہ میں جواب دیا اور چائے کے پیالہ کو ایک ٹرے میں رکھ کر دوسری طشتری میں کچھ بسکٹ اور نمکین سجایا اور ٹرے اُٹھائے اس زینے کی طرف ہولی جو اشوک کے کمرے کی طرف جاتا تھا۔

اشوک میز کے سہارے بیٹھا ہوا کاپی پر کچھ نوٹس تیار کر رہا تھا۔ وہ اپنے کام میں اس قدر محو تھا کہ اسے پتہ بھی نہ چلا کہ پائل کب اوپر آ کر اس کے پاس آ کھڑی ہوتی تھی۔ پائل نے چپکے سے چائے کی ٹرے اس میز پر رکھ دی اور کھنکتی آواز میں بولی۔

"چائے.....!"

اچانک پائل کی آواز سنکر اشوک کے ہاتھ سے قلم چھوٹ گیا اور تیزی سے پلٹ کر اسے ناگواری سے گھورنے لگا۔ پائل نے مسکرا کر چائے کی ٹرے کی طرف اشارہ کیا اور بولی۔

"چائے پی لیجئے۔ ٹھنڈی ہو جائے گی"

"تم... تم میرے کمرے میں کیسے آئیں؟"

"زینہ چڑھ کر...!" پائل نے معصومیت سے جواب دیا۔

"سکھیا کہاں ہے؟" وہ جھلا کر بولا۔

"بازار سے سودا لینے گیا ہے"

"اوہ۔ اسے اسی وقت بازار جانا تھا کیا؟" کہتے ہوئے وہ جھنجھلاہٹ میں اِدھر اُدھر دیکھنے لگا اور پھر غصہ سے پائل کو گھورتے ہوئے بولا۔

"اب تم جا سکتی ہو!"

وہ پھر نوٹس لکھنے میں مصروف ہو گیا۔ پائل وہیں کھڑی ایک ٹک اسے دیکھتی رہی اور پھر نظریں گھما کر اس کمرے کو دیکھنے لگی جس کی ہر شے بے ترتیبی سے رکھی ہوتی تھی۔ کپڑے اور کتابیں اِدھر اُدھر اس طرح تتر بتر تھیں جیسے یہ کمرہ کسی طالب علم کا نہیں بلکہ فلسفہ کے کسی غائب دماغ پروفیسر کا ہو۔۔۔

پائل کو نہ جانے کیا سوجھی کہ وہ کمرے کی ساری بے ترتیبی اور بکھری ہوئی چیزوں کو ان کی صحیح جگہ پر رکھنے لگی۔

اشوک کچھ دیر اپنی نظروں کو کاپی پر گاڑے خاموش بیٹھا رہا۔ لیکن جب اس نے محسوس کیا کہ وہ کمرے میں اکیلا نہیں تو کنکھیوں سے اِدھر اُدھر دیکھا۔ پائل اس کے کپڑوں کو قرینے سے الماری میں سجا رہی تھی وہ چپ چاپ بیٹھا اس کی حرکتوں کو غور سے دیکھتا رہا۔ پائل نے دیکھتے ہی دیکھتے کمرہ قرینے سے سجا دیا، اور ہونٹوں پر ایک فاتحانہ مسکراہٹ لئے ہوئے اس کے قریب آ کر بولی۔

"چھوٹے سرکار۔ چائے ٹھنڈی ہو جائے گی"

"آج تمہیں چائے لانے کے لئے کس نے کہا؟"

"میرے دل نے!"

"اور کمرے کی حالت ٹھیک کرنے کو؟"

"میری آنکھوں نے۔ ہر چیز بکھری ہوئی تھی۔ بری لگ رہی تھی۔"

"یہ سب کرنے کے لئے ماں جی تمہیں کیا تنخواہ دیتی ہیں"

"چار سو روپے مہینہ!"

"اس مہینے سے تمہیں دو سو روپے میں اپنی جیب سے دوں گا"

"کس خوشی میں؟"

"اس لئے کہ تم کل سے میرے کمرے میں نہیں آؤ گی!" اس نے غصّہ سے کہا اور پھر بلند آواز میں بولا۔

"NOW PLEASE GET OUT"

اچانک اس کی اونچی آواز اور سخت حکم سن کر پاتل بوکھلا سی گئی۔ اپنی بے عزتی محسوس کر کے اس نے گھور کر اسے دیکھا اور پھر پلٹ کر الماری کے پاس پہنچ گئی۔ اس نے الماری میں رکھے تمام کپڑوں کو نکال نکال کر پلنگ پر پھینک دیا اور ترتیب سے رکھی ہوئی تمام چیزوں کو اُٹھا اُٹھا کر منتشر کر دیا۔ پھر وہ باہر جاتے جاتے چلا کر بولی۔

"میں سب کچھ برداشت کر سکتی ہوں۔ اپنی توہین نہیں برداشت کر سکتی۔ سمجھے؟"

اشوک نے اسے غصّہ سے لرزتے ہوئے باہر جاتے دیکھا، پھر کمرے کی بے ترتیب چیزوں پر نظر ڈالی اور بے ساختہ دیوانوں کی طرح قہقہے لگا کر ہنسنے لگا۔ آج شاید زندگی میں پہلی بار اسے کسی لڑکی کی یہ ادا دیکھنے کو ملی تھی، جو ایک بیٹھے نشتر کی طرح اس کے ذہن میں چبھ کر رہ گئی۔ وہ اس چبھن سے لطف، ایک مزہ سا لینے لگا۔ پھر نہ جانے کیا سوچتے سوچتے اس کے ہونٹوں پہ مسکراہٹ

کھیلنے لگی۔ اس نے بڑے پیار سے چلتے کے پیلے کو دیکھا اور اسے آہستہ سے اُٹھا کر چلتے کی چکیاں لینے لگا۔

وہ اس بات سے بے خبر تھا کہ بجلی کی طرح تڑپ کر باہر نکل جانے والی پائل دروازے کے باہر دبک کر رک گئی تھی اور اس وقت کواڑ کی آڑ میں چھپی، درز سے اپنی پلائی ہوئی ڈانٹ کا ردِ عمل دیکھ رہی تھی۔ جب اس نے اشوک کو مسکراتے ہوئے دیکھا تو وہ خود بھی اپنی کامیابی پہ مسکراتی ہوئی چپکے سے زینہ اتر گئی۔

نشا نے چیتن کو ڈرائیور سے بیکر بڑی بنا دیا تھا۔ وہ اس کی اس عنایت کو کبھی بھول نہ سکتا تھا۔ اس لئے اس نے عہدہ سنبھالتے ہی دل و جان سے اس کے لئے کام کرنا شروع کر دیا۔ چند ہی روز میں اس نے جائیداد کی دیکھ بھال، بینک اکاؤنٹس اور کاروبار کی ساری ذمہ داری اپنے اوپر لے لی۔ نشا خاندانی رئیس تو تھی ہی، لیکن وہ کتنی بڑی جائیداد، دولت اور کاروبار کی مالک ہے اس کا اندازہ چیتن کو یہ ذمہ داریاں قبول کرنے کے بعد ہی ہوا۔ لیکن وہ ان ذمہ داریوں سے گھبرایا نہیں۔ بلکہ دن رات محنت کر کے انہیں بخوبی نبھانے لگا۔

ایک دن چیتن نشا کے سامنے بیٹھا ہوا ایک خط کا ڈکٹیشن لے رہا تھا۔ کہ اس نے محسوس کیا نشا بولتے بولتے اچانک خاموش ہو گئی ہے اس نے سر اُٹھا کر دیکھا تو نشا نہ جانے کس خیال میں کھوئی اسے ایک ٹک دیکھے جا رہی تھی۔ چیتن اس کی نگاہوں کی تاب نہ لا سکا اور اس کی توجہ دوسری طرف پھیرنے کے لئے پوچھ بیٹھا۔

"آگے کیا لکھوں میڈم؟"

"میڈم.... ؟" نشا چونک پڑی۔

"جی۔ آفس میں میڈم.... اور باہر نشا جی!" چیتن نے مسکرا کر جواب دیا۔

نشا اس کی حاضر جوابی اور فرض شناسی پر مسکرا دی اور اس کے نئے سوٹ کا جائزہ لیتے ہوئے بولی۔

"ڈرائیور کی وردی اور اس سوٹ میں کتنا فرق ہے اس نے تو تمہاری پرسنلٹی ہی بدل دی۔ کافی اسمارٹ نظر آرہے ہو تم۔"

"تھینک یو۔ لیکن یہ سوٹ پہننے کے بعد ایسا محسوس ہو رہا ہے۔ جیسے مجھ پر ذمہ داریوں کا بوجھ بھی زیادہ بڑھ گیا ہے۔"

چیتن نے سنجیدگی سے کہا۔

"وہ تو ہونا ہی چاہیئے" نشا نے کہا اور گرمی محسوس کرتے ہوئے اپنی قمیض کا اوپری بٹن کھول کر پھر بولی "اور سچ پوچھو تو یہ ذمہ داریاں تمہیں سونپ کر میں ہلکی ہو گئی ہوں۔ ذہن سے بوجھ سا اتر گیا ہے۔"

"میرے لئے اس سے بڑھ کر خوشی کی اور کیا بات ہو سکتی ہے بھگوان نے چاہا تو آپ کو شکایت کا موقعہ کبھی نہ ملے گا" چیتن نے خوش ہو کر کہا۔

"تنخواہ کے بارے میں کیا سوچا ہے تم نے؟" نشا نے کچھ سوچتے ہوئے اچانک سوال کر دیا۔

"اس کا فیصلہ تو میں نے آپ پر چھوڑ دیا ہے"

"ایک ہزار ٹھیک رہے گی؟"

"جی۔ اکیلی جان ہوں۔ یہ تو بہت ہے۔" چیتن نے لاپرواہی سے کہا۔

"ابھی اکیلے ہو۔ لیکن ایک دن شادی تو تمہیں کرنی ہی ہوگی۔"

"اس کے بارے میں میں آپ سے پہلے ہی کہہ چکا ہوں"

کہنے اور اس پر عمل کرنے میں بہت فرق ہوتا ہے۔ جب تنخواہ بڑھ جاتی ہے تو انسان دوسرے انداز سے سوچنے لگتا ہے کون جانے کل تمہارے خیالات بھی بدل جائیں۔"

"جب خیالات بدل جائیں گے تب سوچوں گا اس بارے میں۔" چیتن نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"تو اس دن کے لئے کیا کوئی لڑکی دیکھ رکھی ہے؟" نشا نے بھی مسکراتے ہوئے اس کی آنکھوں میں دیکھ کر پوچھا۔

"جی نہیں!"

"چوائس کیا ہے تمہاری؟"

"فی الحال تو ہر صورت اچھی لگنے لگتی ہے"

"میرا مطلب تھا۔ موڈرن لڑکیاں پسند ہیں یا پرانے ڈھنگ کی؟"

"مجھے چھوٹی موٹی قسم کی لڑکیاں بالکل پسند نہیں، جو نگاہ ڈالتے ہی پسینہ پسینہ ہو جائیں۔ اگر میں نے کبھی شادی کا ارادہ کیا تو ایسی لڑکی پسند کروں گا جو زندگی کے سفر میں قدم سے قدم ملا کر میرے ساتھ چل سکے۔" چیتن نے بے دھڑک اپنے خیالات کا اظہار کر دیا۔

"گڈ۔ مجھے تمہارے خیالات جان کر خوشی ہوئی.... سوچتی ہوں اب تمہیں کوارٹر

سے نکال کر اپنے مہمان خانے میں رکھ لوں۔"

"وہ تو بہت بڑا ہے۔"

"بڑی چیزوں سے گھبراتے رہے تو بڑے کیونکر بنو گے اور پھر قریب رہنے سے مجھے بھی آسانی رہے گی۔ کسی وقت بھی تمہیں بلا سکتی ہوں۔"

"ٹھیک ہے۔ جیسا آپ مناسب سمجھیں۔۔۔ چلئے اب یہ خط نپٹا لیں۔"

چیتن نے اسے ادھورے خط کی طرف متوجہ کیا۔

"رہنے دو اب موڈ نہیں رہا۔ اور پھر ان خطوں کی اتنی جلدی بھی کیا ہے"

"دو چار روز میں تو بھیجنے ہی پڑیں گے۔ کیوں نہ آج ہی نپٹا لیں"

نشا نے اس کی چمکتی آنکھوں کو گہری نگاہ سے دیکھا جن میں ایمانداری، ولولہ اور لگن سچے موتی کی طرح جگمگا رہی تھی وہ انکار نہ کر سکی اور پھر سے ڈکٹیشن دینے لگی۔

ابھی وہ آخری خط نپٹا کر بیٹھے ہی تھے کہ مسٹر بھاردواج نشا کے آفس میں داخل ہوتے اور کرسی پر بیٹھتے ہی رومال سے پیشانی کا پسینہ پونچھتے تھے۔

"کورٹ میں کیا ہوا انکل؟" نشا نے ان کی پریشانی محسوس کرتے ہوئے پوچھا

"ہماری اپلیکیشن نامنظور ہو گئی!" وہ تھکے تھکے لہجہ میں بولے۔

"کیوں؟" نشا کے منہ سے جیسے چیخ سی نکل گئی۔

"دستاویز پر تمہارے ڈیڈی کے دستخط کی ضرورت ہے"

"لیکن ان کی وارث میں ہوں"

"صرف جائیداد کی۔ یہ زمین ٹرسٹ کی ہے۔ اس پر تمہارے دستخط کے ساتھ تمہارے ڈیڈی کے دستخط بھی ہونے چاہئیں اور دونوں کے دستخط کے ساتھ اگر دستاویز چار دن کے

اندر دوبارہ نہ جمع کروائی گئی تو بیس لاکھ کی یہ زمین کوڑیوں کے بھاؤ نیلام ہو جائے گی۔"

"نان سنس....!" وہ جھنجھلا گئی اور پھر فکر مند ہو کر بولی "چار دن میں کوئی پلین سے بھی کناڈا جا کر واپس نہیں آ سکتا ہے۔ میں نے مجسٹریٹ سے مل کر بات بھی کی۔ لیکن اس نے کہا اب کچھ نہیں ہو سکتا۔

"کہنے دیجئے نیلام۔ میں ہائی کورٹ میں اپیل کروں گی"

"کوئی فائدہ نہیں۔ گورنمنٹ کا معاملہ ہے۔ واپسی کی اُمید کم ہے۔"

"لیکن یہ تو سراسر دھاندلی ہے" وہ پریشان ہو گئی اور پھر کچھ سوچ کر بولی۔

"آپ جا کر کسی بڑے وکیل سے مشورہ کیجئے کسی بھی طرح ایک مہینے کا وقت لیجئے۔ تاکہ ڈیڈی کے دستخط کروائے جا سکیں"

"ٹھیک ہے۔ کوشش کرتا ہوں۔ مگر مجھے کامیابی کی اُمید کم ہے۔

مسٹر بھاردواج نے مایوسی کے عالم میں اُٹھتے ہوئے کہا اور نشا کے حوالے دستاویز کر کے اپنا بیگ سنبھالتے ہوئے باہر نکل گئے۔

ان کے جاتے ہی نشا کو پریشان دیکھ کر چیتن پوچھ بیٹھا۔

"آپ اتنی پریشان کیوں ہیں؟"

"بیس لاکھ کی جائیداد ڈوب رہی ہے اور تم پوچھتے ہو کہ میں پریشان کیوں ہوں"

وہ جھلا کر بولی۔

"اگر یہ جائیداد ڈوبنے سے بچ جائے تو؟"

"وہ کیسے؟"

"آپ کے ڈیڈی کے دستخط لا کر"

"جی ہاں۔ وہ تو میں بھی جانتی ہوں۔" وہ طنزیہ لہجہ میں بولی: "وہ کینیڈا میں بیٹھے ہوتے ہیں، یہاں نہیں"

"جی ہاں۔ یہ میں بھی جانتا ہوں" چیتن نے بھی اسی لہجہ میں کہا۔ لیکن اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔"

"کیا کہا۔ فرق نہیں پڑتا... کہیں تم پاگل تو نہیں ہو گئے؟" اس نے چیتن کو مشکوک نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"جی، بالکل نہیں!" چیتن برجستہ بولا۔

"یہ امپاسیبل ہے مسٹر۔ چار دن میں پرندہ بھی کینیڈا جا کر واپس نہیں آسکتا"

"اس دنیا میں کچھ بھی امپاسیبل نہیں ہے میڈم۔ اگر کینیڈا جانے کے بجائے کینیڈا کو یہیں بلوا لیا جائے تو؟"

"کیا بکواس کر رہے ہو۔ میرا دماغ پھٹا جا رہا ہے اور تم مذاق پہ تلے ہوئے ہو۔" وہ بھڑک اٹھی۔

"یہ مذاق نہیں میڈم۔ آپ صرف ایک بار مجھے اپنے ڈیڈی کے دستخط دکھا دیجئے"

"اس سے کیا ہوگا؟"

"ایک منٹ میں ان کے دستخط ہو جائیں گے"

"وہ کیسے؟"

"بس یہ مت پوچھئے۔ ذرا جلدی سے ان کے دستخط مجھے دکھا دیجئے۔"

نشا اکتائے ہوئے انداز میں اٹھی اور تجوری کھول کر اس میں سے وہ دستاویز نکال کر چیتن کے سامنے پھینک دی جس پر اس کے ڈیڈی کے دستخط تھے۔

"بس بس۔ اب آپ چپ چاپ بیٹھ جائیے۔" چیتن نے وہ دستاویز ہاتھ میں لیتے ہوئے کہا۔

اس نے چند لمحے دستاویز کو آڑا ترچھا کر کے ہر زاویئے سے دستخط کو اچھی طرح دیکھا اور پھر نشا کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

"لائیے وہ دستاویز جس پر آپ کے ڈیڈی کو دستخط کرنا ہیں۔"

نشا نے لاپرواہی سے شانے جھٹک کر وہ دستاویز چیتن کی طرف اچھال دی تو چیتن نے قلم سنبھالا اور دستاویز پر ہو بہو اس کے ڈیڈی کے دستخط کر دیئے۔

"یہ کیا.... ؟"

نشا جیسے یقین نہ کرتے ہوئے اپنے ڈیڈی کے دستخط دیکھ کر چیخ پڑی۔

"دیکھ لیجئے۔ کوئی فرق تو نہیں ہے؟" چیتن نے مسکرا کر کہا۔

"مگر یہ تو... یہ تو فراڈ ہے!"

"آپ جانتی ہیں اس لئے کہہ رہی ہیں۔ دوسرا کوئی پہچان لے تو جوچور کی سزا وہ میری.... فرمائیے کینیڈا یہاں آگیا یا نہیں؟"

"آگیا...!" نشا اسے تحسین آمیز نظروں سے دیکھتے ہوئے بولی۔

"تم تو بڑے کام کے آدمی ہو۔ اور خطرناک بھی۔ یہ آرٹ تم نے کہاں سیکھا؟"

"بچپن کی ہابی ہے۔ ماں کے نام سے منی آرڈر ان کے دستخط کر کے وصول کر لیا کرتا تھا۔ اسکول میں جب چاہتا پرنسپل کے دستخط کر کے چھٹی کروا دیا کرتا تھا۔ کالج کے پرنسپل کو بھی کئی بار چکمہ میں ڈال چکا ہوں...."

"خیر۔ اگر تمہارے اس آرٹ سے میری زمین بچ گئی تو جو انعام مانگو گے دیا جائے گا

"چلئے۔ وقت آنے پہ سانگ لوں گا....!" چیتن نے مسکرا کر کہا اور نشا کی میز پہ پھیلی ہوئی فائلیں سمیٹ کر اپنی میز پہ چلا آیا۔

"ماں....ماں....!" اشوک چیختا ہوا زینے سے نیچے اترا اور سامنے کھڑی پاٹل کو دیکھ کر اچانک گھبرا سا گیا۔

"شی....!"

پاٹل نے ہونٹوں پہ انگلی رکھ کر اسے بچوں کی طرح ڈانٹ دیا اور پھر آہستہ سے بولی۔

"ماں جی پوجا کر رہی ہیں!"

"کب تک فارغ ہوں گی؟" اس نے اپنی گھبراہٹ کو قابو میں کرتے ہوئے ذرا کرخت لہجہ میں پوچھا۔

"جب ان کے بال گوپال پرسن ہو جائیں گے!"

"کب ہوں گے؟"

"میں کیا جانوں۔ میں کوئی جیوتشی تو ہوں نہیں"

"لیکن میں زیادہ دیر تک انتظار نہیں کر سکتا۔" وہ جھلا کر بولا اور پھر ذرا رک کر کہہ اٹھا۔ "مجھے کالج جانا ہے"

"تو جائیے۔ روکا کس نے ہے۔؟" پاٹل نے لاپرواہی سے کہا۔

"اف۔ تم نہیں سمجھو گے.... آج چھ مہینے کی فیس جمع کرانی ہے مجھے"

"تو کہتے کیوں نہیں۔" پاٹل نے بزرگانہ انداز میں کہا۔

"تم تو اس طرح بات کر رہی ہو جیسے نوکرانی نہیں، میری ماں ہو!"
وہ ذرا مرعوب ہوتے ہوئے بولا۔

"عورت کے کئی روپ ہوتے ہیں۔ وہ ماں بھی ہوتی ہے۔ بہن بھی۔ اور بیوی بھی .... لیکن آپ نے اس کا صرف ایک ہی روپ دیکھا ہے۔ اس کے دوسرے روپ بھی دیکھنے کی کوشش کیجئے.....!"

پائل نے غور سے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا اور اس سے پہلے کہ وہ اس کی بات کا کوئی جواب دیتا وہ پوچھ بیٹھی۔

"کتنی فیس جمع کرانی ہے؟"

"چھ سو روپے!"

"آیئے میرے ساتھ!" وہ ماں کے کمرے کی طرف پلٹتے ہوئے بولی۔

اشوک کچھ نہ سمجھتے ہوئے چپ چاپ اس کے پیچھے چل پڑا۔ پائل نے کمرے میں پہنچ کر ساڑی کے پلو میں بندھا ہوا چابیوں کا گچھا کمر سے نکالا۔ اور تجوری کھول کر اس میں سے چھ سو روپے نکال کر اشوک کے حوالے کر دیئے۔ اشوک، حیرت سے کبھی تجوری کو دیکھ رہا تھا اور کبھی پائل کے چہرے کو۔ پائل اس کی حیرت کو بھانپتے ہوئے بولی۔

"کیا دیکھ رہے ہیں؟"

"تجوری کی چابی تمہیں کس نے دی؟"

"ماں جی نے.... آپ کو کوئی اعتراض ہے؟"

"نہیں تو....!" وہ ہڑبڑا گیا اور پھر بولا "آج تک یہ چابی انہوں نے کسی

کو نہیں دی تھی.....!"

" ان کی حسرت تو یہ تھی کہ یہ چابی وہ اپنی بہو کے حوالے کرتیں۔ لیکن جب ان کی یہ حسرت پوری نہ ہوئی تو نوکرانی کے سپرد کر دی....!"

وہ یہ سن کر جھینپ سا گیا اور جلدی سے جیب میں روپے رکھتے ہوئے کمرے سے باہر چلا گیا۔ پائل اس کی حالت پر مسکرا دی اور جونہی اس نے تجوری بند کر دی، وہیل چیئر کی آہٹ سن کر دروازے کی طرف دیکھنے لگی۔ سمترا دیوی پوجا کمرے کے باہر وہیل چیئر پر بیٹھی مسکرا رہی تھیں۔ ان کی مسکراہٹ سے پتہ چلتا تھا۔ جیسے انہوں نے اشوک اور پائل کی بات چیت سن لی تھی۔ وہ وہیل چیئر کو پائل کی طرف بڑھاتے ہوئے بولیں۔

" تم تو اتنے ہی دنوں میں اشوک کو اپنے اشاروں پہ نچانے لگی ہو۔"

" آپ ہی نے تو یہ حکم دیا تھا مجھے۔"

" ہاں۔ اب مجھے وشواس ہو گیا ہے کہ تم اسے شادی پہ ضرور رضامند کر لو گی۔"

" وہ تو انہیں ہونا ہی پڑے گا۔ اب آپ ان کے لئے کوئی اچھی سی لڑکی ڈھونڈ لیجئے۔"

" میرے پتی کے دوست نے ایک رشتہ تجویز کیا ہے۔ اکیلی لڑکی ہے۔ اچھے گھرانے کی اور لاکھوں کی جائیداد کی مالک۔"

" ایک بات کہوں ماں جی؟"

" کہو!"

" اس گھر کو ایک اچھی بہو کی ضرورت ہے۔ دولت کی نہیں!" کہتے ہوئے

پائل نے پلٹ کر تجوری بند کر دی اور ناشتے کی تیاری کرنے کے لئے باہر چلی گئی۔
سمترا دیوی بڑی دیر تک وہیں خاموش بیٹھی پائل کے مشورہ پر غور کرتی رہیں

چیتن آج وقت سے پہلے ہی کھنڈر میں پہنچ گیا تھا اور بڑی بے چینی سے پائل کا انتظار کر رہا تھا۔ وہ جلد سے جلد اپنی ترقی کی خوشخبری اسے سنا دینا چاہتا تھا۔ اس لئے جیسے ہی پائل کھنڈر میں داخل ہوئی وہ دوڑ کر اس سے لپٹ گیا اور اسے گود میں اٹھا کر اندر لے جاتے ہوئے بولا۔

"پائل۔ پائل۔ آج میں تمہیں ایک بہت بڑی خوشخبری سنانا چاہتا ہوں۔"

"ناچوں گی کیسے۔ تم نے دبوچ جو رکھا ہے۔ پہلے چھوڑو۔ پھر خوشخبری سناؤ۔"

"اچھا لو۔" چیتن نے اسے فرش پر کھڑا کر دیا اور پھر بولا "نشا میم صاحب نے مجھے اپنا سیکرٹری بنا لیا ہے۔"

"سیکرٹری۔۔۔؟" وہ حیرت زدہ رہ گئی۔

"اور تنخواہ، جانتی ہو کیا ملے گی۔۔۔ پورے ایک ہزار روپے!" چیتن نے ایک ہزار پر زور دیتے ہوئے کہا۔

"سنبھالو مجھے۔۔۔۔ نہیں تو میں بے ہوش ہو جاؤں گی۔۔۔۔!" پائل نے آنکھیں بند کر کے دانستہ ڈگمگاتے ہوئے کہا۔

چیتن نے جلدی سے اسے سنبھال لیا اور پائل کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ پھر وہ سنجیدہ ہوتے ہوئے پوچھ بیٹھی۔

"کہیں تم مذاق تو نہیں کر رہے ہو؟"

"ارے مذاق کی کیا بات کہہ تی ہو۔ میم صاحب نے اپنا مہمان گھر مجھے رہنے کو دے دیا ہے اور گاڑی میں پچھلی سیٹ پر بیٹھنے کے بجائے میری بغل میں بیٹھنے لگی ہیں۔"

"بوڑھیا کافی رنگین مزاج معلوم ہوتی ہے،" پائل نے چوٹ کی۔

"بوڑھیا کیوں؟" چیتن کے منہ سے بے ساختہ نکل گیا۔

"تم نے کہا تھا نا۔ وہ بوڑھیا ہے"

"ارے ہاں،" چیتن نے گڑبڑا کر بات بنانی چاہی "وہ بوڑھیا تو ہے۔ مگر بوڑھیا کہنے سے ایسا بھڑکتی ہے جیسے کسی نے گالی دے دی ہو۔ اب تک اپنے آپ کو بیس برس کی چھوکری سمجھتی ہے۔ اور بناؤ سنگار بھی ایسا کہ نوجوان لڑکیاں شرما جائیں۔"

"کہیں تم مجھ سے جھوٹ تو نہیں بول رہے؟" پائل نے اس کی گھبراہٹ کو مشکوک نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"میں اور جھوٹ بولوں گا تم سے؟ کہیں یہ تمہارے دل کا ڈر تو نہیں؟"

"کیا ڈر؟" وہ چونک پڑی۔

"یہی کہ اشوک بچہ نہ ہو، کوئی نوجوان ہو،" وہ ہنس کر بولا۔

"میں کیوں جھوٹ بولنے لگی تم سے،" پائل نے بات بناتے ہوئے کہا۔ "وہ ہے تو بچہ ہی۔ مگر اپنے آپ کو بیس سال کے جوان سے کم نہیں سمجھتا۔ بات کرتا ہے تو بڑوں کی طرح اکڑ کر۔ چلتا ہے تو کھٹ کھٹ ایڑیاں بجاتا ہوا۔ کوئی اسے بچہ کہہ دے تو یوں بھڑک اٹھتا ہے۔۔۔"

"جیسے کسی نے اسے گالی دے دی ہو۔" چیتن نے اس کا جملہ پورا کر دیا اور پھر اسے غور سے دیکھتا ہوا بولا "یہ تو تم میری ہی کہی بات دہرا رہی ہو۔ مجھے تو دال میں کچھ کالا نظر آ رہا ہے۔"

"وہ کالا تو مجھے بھی نظر آ رہا ہے۔"

"تم بالکل غلط سمجھ رہی ہو۔ میں نے بالکل سچ کہا ہے تم سے۔"

"تو تم بھی بالکل غلط سمجھ رہے ہو۔ میں نے بھی بالکل سچ کہا ہے تم سے۔"

"غلط ہو یا صحیح۔ اب مجھے اچھی تنخواہ ملنے لگی ہے۔ تم وہاں کام کرنا چھوڑ دو۔"

"کام کرنا چھوڑ دوں تو رہوں گی کہاں؟"

"میں کوئی بہانہ کر کے تمہیں اپنے ساتھ رکھ لوں گا۔"

"نہیں۔ یہ بالکل غلط بات ہے۔" باہر سے قلندر کی آواز سنائی دی اور وہ اندر آتا ہوا بولا۔ "اس طرح اس کی بھی نوکری چلی جائے گی اور تمہاری بھی۔ صرف دو مہینے تو تمہاری شادی کو باقی رہ گئے ہیں۔ اس لئے جیسے بھی ہو یہ دن نکال لو....." کہتے کہتے قلندر اچانک تکلیف سے کراہنے لگا۔

چیتن اور پاٹل نے گھبرا کر اس کے چہرے کو غور سے دیکھا تو وہ تکلیف کی شدت سے پیلا پڑ چکا تھا۔ اس کی آنکھیں جیسے باہر کو اُبلی آ رہی تھیں اور اس نے دونوں بانہوں سے اپنے پیٹ کو دبا رکھا تھا۔

"یہ.... یہ کیا ہوا تمہیں قلندر بھیا....؟" پاٹل نے گھبرا کر پوچھا۔

"کیا ہوا قلندر....؟" چیتن نے بھی فوراً پوچھا۔

"چاقو مار دیا....!" وہ کراہ اٹھا۔

"کس نے؟"

"کچھ غنڈوں نے!"

"کیوں۔ تم نے ان کا کیا بگاڑا تھا؟" چیتن نے غصّہ سے پاگل ہوتے ہوئے پوچھا۔

"ان کا نہیں... اُن کے اَن داتا کا بگاڑا تھا... مکان نہیں خالی کر رہا تھا نا میں.... اور نہ تھوڑے روپے لینے پہ آمادہ تھا... اس لئے مالک مکان نے مجھے اپنے گرگوں سے چاقو لگوا دیا....!"

"میں اس کا خون پی جاؤں گا۔ بتاؤں کہاں رہتا ہے وہ؟" چیتن نے دانت پیستے ہوئے کہا۔

"نانا نا۔ ایسی غلطی نہ کرنا... دھنوانوں سے ٹکرانے والی حکومتیں ٹوٹ جاتی ہیں... بڑے بڑے لیڈروں کا پتہ کٹ جاتا ہے... ہم تم کس گنتی میں ہیں.....!"

"تو کیا ہم یہ ظلم چپ چاپ برداشت کر لیں گے؟"

"کرتے ہی آئے ہیں... اور کرنا ہی پڑے گا.... کورٹ کچہری میں، پولیس اسٹیشن میں، کارپوریشن میں، اسمبلی میں۔ پارلیمنٹ میں ہر جگہ انہی کا سکہ چلتا ہے... جو آواز بھی ان کے خلاف اُٹھتی ہے دبا دی جاتی ہے جو سر بھی اونچا ہوتا ہے کچل دیا جاتا ہے... ہمیشہ سے یہی ہوتا رہے گا....!"

"نہیں۔ اب یہ نہیں ہوگا۔ میں ابھی جا کر پولیس اسٹیشن میں کمپلینٹ درج کرواتا ہوں.....!"

"نانا۔ یہ اور بھی بڑی غلطی ہو گی۔ قاتل شان سے موٹر بن گھومتا رہے گا۔ اور تم جیل کی سلاخوں کے پیچھے کر دیئے جاؤ گے.... اس لئے تم دونوں فوراً بھاگ جاؤ یہاں سے.... بھاگ جاؤ.....!" قلندر نے بمشکل اتنا کہا اور پھر پھڑا کے زمین پر ڈھیر ہو گیا۔

جو نہی اس کے ہاتھ پیٹ سے ہٹے بھل بھل کر کے خون کی ایک موٹی سی چادر فرش پر پھیل گئی۔ چیتن اور پائل چیخ مار کر اس سے لپٹ گئے۔ اس نے دم توڑتے ہوئے آخری بار انہیں دیکھا اور ٹوٹتے سانسوں میں بولا۔

"بھاگ جاؤ.... تم دونوں جلدی بھاگ جاؤ... اور اب کبھی یہاں نہ آنا.... تمہاری زندگی بھی خطرے میں پڑ سکتی ہے.... سب خطرے میں ہیں.... ہم سب خطرے میں ہیں....!"

اور ایک آخری ہچکی کے ساتھ وہ اس خطرے کی زندگی سے ہمیشہ کے لئے نجات پا گیا۔

پائل سسک سسک کر رونے لگی اور چیتن دور کہیں خلاء میں نظریں جمائے اس خطرے کے بارے میں سوچنے لگا جو بھوک، بیکاری، غریبی اور ناانصافی کی شکل میں سارے دیس پر منڈلا رہا تھا۔ اس نے ایک ٹھنڈی سانس بھری اور قلندر کے مردہ چہرے پر نگاہیں گاڑ دیں، جو اب دھیرے دھیرے سیاہ پڑتا جا رہا تھا۔

مست قلندر کی موت نے پائل کے دل کو بڑا صدمہ پہنچایا تھا۔ وہ دو چار دن تک بڑی بجھی بجھی سی رہی۔ اس نے کسی بات پہ نہ اشوک کو ٹوکا نہ ڈانٹ پلائی۔ اشوک نے اس کی اس تبدیلی کو محسوس کیا اور اُلجھن میں پڑ گیا۔ دراصل اسے اب اس کی روک ٹوک میں مزہ سا آنے لگا تھا۔ وہ نہ چاہنے کے باوجود دھیرے دھیرے اس کے قریب آتا جا رہا تھا۔ اس لئے جب پائل اچانک خاموش ہو گئی اور اس سے دور دور رہنے لگی تو وہ خود اس کے قریب ہونے کی کوشش کرنے لگا۔ اس کے کمرے میں جانے کی تو اس کی ہمت نہ ہوتی تھی لیکن جب پائل ماں جی کے پاس ہوتی تو وہ اچانک وہاں پہنچ جاتا اور کسی نہ کسی بہانے سے پائل کو بولنے پہ مجبور کرتا۔ لیکن اس کے باوجود پائل نے جب اپنا رویہ نہ اپنایا تو اشوک کی اُلجھن جھلاہٹ میں بدل گئی اور وہ گھر اور کالج میں اکھڑا اکھڑا سا رہنے لگا۔

ایک دن جب وہ اسی موڈ میں کالج سے گھر لوٹا تو کسی سے بات کئے بغیر اپنے

کمرے میں چلا گیا۔ کمرے میں داخل ہوتے ہی اس نے کتابیں پلنگ پر اُچھال دیں اور کرسی پر بیٹھ کر کمرے کی بکھری ہوئی چیزوں کو دیکھنے لگا۔ پھر اس کے جی میں نہ جانے کیا آیا کہ جو چیزیں قرینے سے رکھی ہوئی تھیں اُٹھ کر انہیں بھی بکھیرنے لگا۔ کمرے کو پورا کباڑ خانہ بنا کر وہ پنکھا پوری رفتار سے چلا کر اس کے نیچے بیٹھ گیا اور تیز ہوا سے کمرے کی چیزیں پھڑ پھڑانے لگیں۔ اسی وقت سکھیا چائے لے کر کمرے میں داخل ہوا اور اشوک کا بگڑا ہوا موڈ دیکھ کر چپکے سے چائے میز پر رکھ کر کھسکنے لگا۔ اشوک نے چائے کا ایک گھونٹ لے کر بُرا سا منہ بنایا اور سکھیا کو آواز دی۔

"بھڑو۔۔۔۔!"

سکھیا سہم کر رک گیا تو وہ اسے ڈانٹتے ہوئے بولا۔

"یہ چائے بنا کر لائے ہو۔۔۔؟ تم دن بدن نکمے اور کام چور ہوتے جا رہے ہو۔۔۔ لے جاؤ یہ شربت کا پیالہ۔۔۔۔ اور پائل سے کہو ایک کپ اچھی سی چائے بنا کر لائے۔"

سکھیا نے پیالہ اُٹھایا اور چپ چاپ باہر نکل گیا۔ اشوک بے چینی سے پائل کا انتظار کرنے لگا۔ وہ سوچنے لگا پتہ نہیں پائل چائے بنا کر لاتی ہے یا نہیں۔ لیکن اسے زیادہ دیر انتظار نہ کرنا پڑا۔ پائل چائے کا پیالہ لئے ہوئے کمرے میں داخل ہوئی تو اشوک نے اسے ڈری ڈری نگاہوں سے دیکھا۔ پائل نے اس کی طرف توجہ نہ دی۔ اس نے چائے میز پر رکھی اور تیز چلتے ہوئے پنکھے کو بغیر اشوک سے پوچھے ہوئے آگے بڑھ کر بند کر دیا۔ اشوک نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا اور بولا۔

"یہ پنکھا کیوں بند کر دیا؟"

"تاکہ آپ گرم گرم چائے پی سکیں!" پائل نے ذرا اونچی آواز میں کہا۔

"اوہ . . . . یہ سکھیا بہت کام چور ہو گیا ہے۔ کل سے تم ہی میرے لئے چائے بنا کر لایا کرو۔" اشوک نے گڑبڑا کر کہا۔

پائل نے تیکھی نظر سے اسے دیکھا اور بنا کچھ جواب دیئے وہاں سے جانے لگی تو اشوک نے گرم گرم چائے کا گھونٹ بھرتے ہوئے کہا۔

"برا نہ لگے تو ایک کام کے لئے اور کہوں؟"

"فرمایئے!" وہ جاتے جاتے رک گئی۔

"کمرے کی حالت کافی بکھری ہوئی ہے۔ وقت ملے تو اسے سنوار دینا۔"

"کہیں آپ پھر تنخواہ بڑھانے لگے تو؟" پائل نے معنی خیز انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔

"نہیں نہیں۔ اب ایسی گستاخی نہ ہو گی مجھ سے،" اشوک نے شرمندگی سے کہا اور پھر بولا "آئی ایم سوری!"

"جایئے۔ معاف کیا. . . .!" پائل نے مسکرا کر کہا اور پلٹ کر کمرے کو سجانے لگی۔

اس نے اِدھر اُدھر پڑے ہوئے کپڑے اُٹھا کر سلیقے سے سنوارے اور تہ کر کے الماری میں رکھ دیئے۔ جگہ جگہ بکھری ہوئی کتابوں کو لا کر شیلف میں جوڑ دیا۔

اشوک پیالہ ہونٹوں سے لگائے چائے کے گرم گرم گھونٹ پی رہا تھا۔

لیکن اس کی نظریں پائل کے تیزی سے چلنے والے ہاتھوں اور پیروں پر لگی ہوتی تھیں۔ اس کی سلیقہ مندی اور کام کی رفتار دیکھ کر اسے یہ سمجھتے دیر نہ لگی کہ اس نے چند ہی دن میں ماں کا دل کیسے جیت لیا تھا اور اسے بیٹی کی طرح چاہنے لگی تھیں۔

کچھ ہی دیر میں کمرہ نکھر سا گیا۔ ہر شے قرینے سے سج گئی تو پائل پلٹ کر داد طلب نگاہوں سے اشوک کو دیکھنے لگی، جو چائے کا آخری گھونٹ حلق میں اتار رہا تھا۔

"لیجئے، کمرہ ٹھیک ہو گیا۔ . . . اور کوئی حکم؟" پائل نے مسکرا کر پوچھا۔

"کل سے تم روز اسے ٹھیک کر دیا کرو۔ چاہو تو تمہاری تنخواہ بڑھا دی جائے گی۔" اشوک نے پُر امید لہجہ میں کہا اور پائل نے اس کی طرف مسکرا کر دیکھا تو وہ جلدی سے بول پڑا "ہاں کام جو بڑھ جائے گا۔"

"لیکن یہ میرا کام نہیں"

"کیوں؟"

"کیونکہ میں اس گھر میں تھوڑے دنوں کی مہمان ہوں . . . اس کے لئے آپ کو جیون ساتھی لانا ہوگا۔ جو جیون بھر آپ کی دیکھ بھال کر سکے آپ کے مزاج کو سمجھ کر ہر کام آپ کی مرضی کے مطابق کر سکے۔ زندگی کے لمبے سفر میں آپ کے قدم سے قدم ملا کر چل سکے اور اگر کہیں آپ کے قدم بہکنے لگیں تو وہ سنبھال سکے۔" پائل نے ناصحانہ انداز میں کہا۔

"یہ سب کتابی باتیں ہیں۔ آج کل کی لڑکیوں کے تو نخرے اٹھانا مشکل ہو جاتا

ہے۔ بات بات پر الجھنا ناک بھوں چڑھانا مجھے تو ڈر لگتا ہے ایسی لڑکیوں سے۔"

"مجھ سے بھی ڈرتے آپ؟"

"پہلے ڈرتا۔ اب نہیں"

"کیوں؟"

"تم میں وہ بات نہیں ہے"

"بہت سی لڑکیوں میں وہ بات نہیں ہے آپ تلاش کر کے تو دیکھیں"

"تم میری مدد کرو گی؟"

"میں۔۔۔ میں بھلا کیسے مدد کر سکتی ہوں؟" پائل نے حیرانی سے پوچھا۔

"میرے لئے کوئی اپنی من پسند لڑکی تلاش کر کے۔ مجھے یقین ہے تم جو بھی لڑکی پسند کرو گی وہ ہر لحاظ سے میرے لئے مناسب رہے گی"

"تو آپ۔۔۔ آپ شادی کرنے کو تیار ہیں۔۔۔؟" پائل نے خوشی سے پھول کر پوچھا۔ اور جب اشوک نے اس کا جواب سر ہلا کر اثبات میں دیا تو وہ دل ہی دل میں جھومتی ہوئی باہر نکل گئی۔

"ارے۔ یہ پیالہ تو لیتی جاؤ۔۔۔!" اشوک نے پیالہ اٹھاتے ہوئے آواز لگائی۔

لیکن پائل نے اس کی آواز نہ سنی اور بھاگتی ہوئی سیدھی ماں کے کمرے میں پہنچ گئی۔ اس نے جب ماں جی کو یہ خوشخبری سنائی تو وہ بھی خوشی سے پھولی نہ سمائیں اور اسے لاکھ لاکھ دعائیں دیتی ہوئی بار بار اس کا منہ چومنے لگی۔ انہیں لگا جیسے ان کے سینے پر رکھا ہوا ہزاروں من کا بوجھ اتر گیا ہو۔

نشا نے چیتن کو جیسے ہی رکنے کا اشارہ کیا اس نے کار کے بریک لگا کر رفتار کم کر دی اور نشا کے کہنے پر اکٹا ماؤنٹ پر ایک عمارت کے کھلے ہوئے گیٹ میں کار داخل کر دی۔ اس نے پارلر میں لے جا کر کار کو روکتے ہوئے پوچھ لیا۔

"یہ کس کا گھر ہے؟"

"بھاردواج انکل کا۔ آج ان کی لڑکی سیما کا جنم دن ہے۔" کہتے ہوئے نشا نے کار میں رکھے ایک پیکٹ کو اُٹھایا اور پچھلی سیٹ پر رکھے ہوئے پھولوں کے گلدستے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے چیتن سے بولی "یہ تم اُٹھا لو!"

"میں اسے کیا کہوں گا؟" چیتن نے جھینپتے ہوئے کہا۔

"آخر تم بھی تو سیما کو کچھ دو گے!"

"لیکن میں تو انوائٹ نہیں ہوں"

"جب میں انوائٹ ہوں تو تم بھی انوائٹ ہو۔ کیونکہ اب تم میرے ڈرائیور نہیں بیسکہ بڑی ہو۔۔۔۔ اور جانتے ہو۔ آج پارٹی میں کیا ہونے والا ہے؟"

"کیا؟"

"مجھے شادی کے لئے بھاردواج انکل ایک لڑکے سے ملانے والے ہیں، اور مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے"

"کیسی مدد؟"

"تم پارٹی میں مجھ سے بے تکلف رہو گے۔ میری اور تمہاری لگاوٹ دیکھ کر اسے ایسی جلن ہو کہ وہ شادی سے انکار کر دے"

"لیکن کیوں؟"

"اس لئے کہ میں بھی تمہاری طرح آزاد رہنا چاہتی ہوں۔ مجھے شادی سے کوئی دلچسپی نہیں"، کہتے ہوئے نشا نے اسے آنکھ ماردی اور لنچ کی جانب بڑھ گئی۔

مجبوراً چیتن بھی اس کے پیچھے ہولیا اور تھوڑی ہی دیر میں وہ دونوں بھاردواج جی کے فلیٹ میں داخل ہو رہے تھے۔ انہیں دیکھتے ہی دیکھتے بھاردواج جی خوش ہو گئے۔

"میں تمہارا ہی انتظار کر رہا تھا!"، انہوں نے کہا اور نشا کا ہاتھ پکڑ کر پارٹی کی بھیڑ کو ہٹاتے ہوئے اسے سیما کی طرف لے جانے لگے۔ ہدایت کے مطابق چیتن بھی ان کے پیچھے پیچھے ہولیا۔

سیما نشا کو دیکھتے ہی خوشی سے اچھل پڑی۔ نشا نے لپک کر اس کے گال کا بوسہ لیا اور اسے سالگرہ کی مبارک باد دیتے ہوئے اپنا تحفہ اس کے ہاتھوں میں تھما دیا۔ چیتن نے بھی فوراً پھولوں کا گلدستہ سیما کی طرف بڑھا دیا۔ بھاردواج جی نے ناگواری سے چیتن کو دیکھا۔ انہیں بن بلائے اس کا آنا اور گلدستہ پیش کرنا کچھ اچھا نہ لگا۔ لیکن نشا کا لحاظ کرتے ہوئے انہوں نے بے دلی کے ساتھ سیما سے اس کا تعارف کرا دیا۔ چیتن نے ان کی اس ناگواری کو خاص طور سے محسوس کیا۔ اس لئے جب بھاردواج جی نشا کو دوسرے مہمانوں سے ملانے کے لئے اسے لے کر آگے بڑھے تو وہ وہیں کھڑا رہ گیا۔

ہال کے ایک کونے میں دوسرے مہمانوں کے ساتھ اشوک اور پائل بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ پائل کا بناؤ سنگار آج دیکھنے کے قابل تھا۔ بڑے لوگوں کی

پارٹی میں شامل ہونے کے قابل بنانے کے لئے سمترا دیوی نے اپنے بہترین زیورات اور قیمتی ساڑی پہنا کر اسے اشوک کے ساتھ بھیجا تھا۔ وہ بڑے شوق سے اشوک کے لئے لڑکی پسند کرنے وہاں آئی تھی اور بڑی بے تابی سے اس لڑکی کا انتظار کر رہی تھی جسے اس پارٹی میں اشوک سے ملایا جانے والا تھا۔

بھاردواج جی نشا کو دوسرے مہمانوں سے ملاتے ہوئے سیدھے اشوک اور پائل کے پاس چلے آئے اور آتے ہی بولے۔

"اشوک بیٹے، نشا سے ملو۔۔۔۔ اور نشا بیٹی، یہ ہیں اشوک!"

"GLAD TO METYOU" نشا نے مصافحہ کے لئے ہاتھ آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

"اوہ شکریہ۔ مجھے بھی آپ سے مل کر خوشی ہوئی!" اشوک نے اس سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔

پائل نے نشا کا سر سے پاؤں تک جائزہ لیا تو اس کا الٹرا موڈرن لباس اسے ذرا پسند نہ آیا۔ بھاردواج جی نے اشوک کے تعارف کا سلسلہ آگے بڑھاتے ہوئے نشا سے کہا۔

"ناسک میں ان کا فارم بالکل تمہارے فارم سے ملا ہوا ہے۔ ان کے باپ سے میری بہت پرانی دوستی تھی۔ لیکن کچھ برس پہلے اچانک ان کا دیہانت ہوگیا۔۔۔۔!"

"اوہ انکل۔" نشا نے ان کی بات کاٹ دی اور پھر بولی "خوشی کی پارٹی پہ غم کی باتیں کیوں چھیڑ دیں۔"

" اوہ سوری۔ میں تو بھول ہی گیا تھا یہ خوشی کا موقعہ ہے"، وہ جھینپ کر بولے اور پھر اشوک سے مخاطب ہو کر بولے "ارے بھئی اشوک، تم چپ چپ کیوں ہو۔ کچھ ہنسو بولو نا"

" جی ہاں، جی ہاں . . . !" اشوک نے چونکتے ہوئے کہا۔ اور سوچنے لگا کہ کیا بات کرے۔ اس کی گھبراہٹ دیکھ کر بھاردواج جی نے بات آگے بڑھائی۔ وہ نشا سے مخاطب ہو کر بولے۔

" بیٹی، اتفاق سے یہ بھی اپنے ماں باپ کی اکلوتی اولاد ہیں"

" اکلوتی اولاد . . . ؟" نشا نے چونک کر کہا اور پھر پائل کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھتے ہوئے بولی "تو اس لڑکی سے آپ کا کیا رشتہ ہے؟"

" یہ . . . یہ . . . جسٹ اے فرینڈ . . . !" اشوک نے گھبراہٹ میں کہہ دیا۔

" اوہ۔ اچھا ہوا آپ نے بات صاف کر دی۔ میں تو اسے آپ کی چھوٹی بہن سمجھ بیٹھی تھی"

اس سے پہلے کہ بات کوئی بدمزگی کا رُخ اختیار کرے، بھاردواج جی نے انہیں کیک کاٹنے کی رسم یاد دلائی اور انہیں ہال کے اس حصہ میں لے گئے جہاں دوسرے مہمان کیک اور سیما کو گھیرے میں لئے کھڑے تھے۔

اسی وقت سیما نے کیک پر لگی موم بتیوں پر پھونک ماری اور "HAPPY BIRTHDAY TO SEEMA DEAR" کی آواز تمام ہال میں گونج کر رہ گئی۔ پھر سیما نے کیک کاٹا تو ہال پھر مبارکباد اور تالیوں کے شور سے گونج گیا۔ بھاردواج جی نے بیٹی کو ہیرے کا ایک سیٹ تحفہ میں دیا۔

اور اس کا بوسہ لیتے ہوئے نشا کی طرف پلٹ کر بولے۔

"اچھا بیٹی میں چلا!"

"کیوں انکل؟"

"میری بیٹی کی شرط ہے کہ اس پارٹی میں صرف ٹین ایجرز TEENAGERS شامل ہوں گے، بوڑھوں کو شرکت کی اجازت نہ ہوگی!"

بھاردواج جی کی بات پر اشوک اور پائل ہنس پڑے اور وہ دونوں سے اجازت لے کر چلے گئے۔ مبارکبادیوں کا سلسلہ چلتا رہا اور مہمانوں میں رسمی طور سے شمپین بٹنے لگی۔

اچانک نشا چیتن کا خیال کر کے چونک پڑی۔ وہ ذرا دیر کے لئے اسے بھول ہی گئی تھی وہ اس بھیڑ میں اِدھر اُدھر اسے تلاش کرنے لگی۔ جلد ہی چیتن اسے ایک کونے میں کھڑا نظر آگیا وہ اسے کھینچتے ہوئے اشوک کی طرف لے آئی۔

قیمتی ساڑی میں سجی اور زیورات سے لدی اشوک کے ہمراہ کھڑی پائل کو دیکھ کر چیتن کو جیسے اپنی آنکھوں پر یقین نہ آیا۔ غیر متوقعہ طور پر اسے وہاں دیکھ کر وہ حیرت سے گنگ رہ گیا۔ اور کچھ ایسی ہی حالت پائل کی بھی ہوئی۔ وہ بھی اسے وہاں دیکھ کر حیرت سے بت بن چکی تھی۔

"کیا دیکھ رہے ہو؟" دونوں کو یوں بت بنے دیکھ کر نشا نے چیتن سے پوچھ لیا۔

"جی اس رنگ رنگیلی دنیا کو!" چیتن نے پائل کو گھورتے ہوئے کہا۔

"اوہ ... یہ ہیں مسٹر اشوک۔ اور یہ ...." نشا کو جیسے پائل کا نام یاد نہ رہا۔

"میرا نام پائل ہے!" پائل نے ذرا کرخت لہجہ میں کہا۔

"ان سے ملئے۔ یہ ہیں چیتن۔ میرے سیکرٹری، فرینڈ اور فلاسفر!" نشا نے چیتن کا تعارف ان سے کرایا۔

"اوہ میں سمجھی شاید آپ کے بھائی ہیں" پائل نے نشا کے مذاق کے جواب کا موقعہ ہاتھ سے نہ جانے دیا۔

نشا اس کی بات سن کر کٹ تو گئی لیکن چپ رہی۔ اور بات بدلتے ہوئے چیتن سے پوچھ بیٹھی "تم کہاں کھو گئے تھے؟"

"اسی بھیڑ میں....!"

"ہاں تو یہ مسٹر اشوک بھاردواج انکل کے ایک گہرے دوست کے بیٹے ہیں۔ ناسک میں ہمارا اور ان کا فارم ملا ہوا ہے۔ یعنی ہم پڑوسی ہیں"

"اوہ۔ بہت خوشی ہوئی یہ جان کر۔" چیتن نے رسماً کہا اور پھر اچانک پائل کو ترچھی نگاہ سے گھورتے ہوئے پوچھ بیٹھا "اور آپ....؟"

"ان کی فرینڈ!" نشا نے اشوک کی طرف اشارہ کر کے کہا اور قریب سے گذرتے ہوئے بیرے کی ٹرے سے شیمپین کے دو گلاس اٹھا کر ان میں سے ایک اشوک کو پیش کر دیا۔ لیکن اس نے گلاس ہاتھ میں نہ تھاما اور بولا۔

"میں شراب نہیں پیتا!"

"آپ اسے شراب کہتے ہیں؟" کہتے ہوئے نشا نے ایک زوردار قہقہہ لگایا اور وہ گلاس چیتن کے ہاتھوں میں دیتے ہوئے کہا "لو یہ شاید تمہاری تقدیر میں تھا۔"

پائل، جس کے کانوں میں نشا کے قہقہے نے جیسے زہر ٹپکا دیا تھا، ابھی تک چیتن کو گھور رہی تھی۔ پہلے تو وہ اس کی نگاہ کی تاب نہ لاکر ذرا ڈرا۔ لیکن پھر جیسے اس کے جذبات کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اس نے نشا کے ہاتھوں سے سیما کی صحت کا جام تھام لیا اور منہ سے لگا کر ایک ہی گھونٹ میں حلق سے نیچے اتار گیا۔

تبھی ناچ کا میوزک شروع ہو گیا۔ بھیڑ تتر بتر ہونے لگی اور نوجوان اپنی اپنی پسند کے ساتھیوں کے ساتھ جوڑیاں بنا کر اس دھن پر ناچنے لگے۔ نشا نے بھی چیتن کا ہاتھ تھام لیا اور تھرک تھرک کر ناچنے لگی۔ اسے یوں ناچتے دیکھ کر پائل سے نہ رہا گیا۔

اس نے شکایتی نگاہوں سے چیتن کو دیکھا اور اشوک کا ہاتھ تھام کر اسے فلور پر لے آئی۔ دونوں جوڑے اپنی اپنی مستی میں ناچنے لگے۔ نشا کو آج چیتن کا ساتھ اچھا لگ رہا تھا اور اشوک کو پائل کا۔ لیکن چیتن اور پائل کے دلوں میں جو جوار بھاٹا اٹھ رہا تھا اس کا احساس نہ نشا کو تھا اور نہ اشوک کو۔

جیسے جیسے موسیقی کی دھن اونچی ہوتی گئی، نوجوان جوڑوں کا جوش و خروش بھی بڑھتا گیا۔ وہ ایک دوسرے کی باہنوں میں باہنیں ڈالے مستانہ وار ناچ رہے تھے۔ پائل نے چیتن کو جلانے کے لئے اشوک کی کمر میں ہاتھ ڈال دیا تھا اور کچھ ایسی ہی جلن نے چیتن کو مجبور کر دیا کہ وہ نشا کے قریب ہو جائے اس کی قربت نے نشا کے بدن میں ایک حرارت کی لہر پیدا کر دی۔ جو اس شیمپین کے نشہ سے کہیں زیادہ تیز تھی وہ ناچتے ناچتے چیتن کو اشوک اور پائل سے

ذرا اٹک سے گئی اور اس کے کندھے کا سہارا لیتے ہوئے پوچھ بیٹھی۔

" کیوں ۔ لڑکا کیسا لگا ؟ "

" کافی اسمارٹ ہے ۔ پرسنلٹی بری نہیں ! "

" مجھے تو بدھو لگتا ہے "

" بدھو نہیں ، شرمیلا کہئے .... اچھا ہے آپ کے اشاروں پہ ناچے گا۔

" لیکن مجھے تو ایسا لڑکا چاہیئے جو مجھے اپنے اشاروں پہ نچا سکے ، " کہتے ہوئے نشا نے چیتن کو اپنے بدن سے چپکا لیا اور موسیقی کی دھن پہ دیوانہ وار ناچنے لگی۔

پائل اشوک کی باہوں کا سہارا لئے ناچ رہی تھی لیکن اس کی نگاہیں چیتن پہ ہی لگی ہوئی تھیں۔ وہ چیتن اور نشا کی قربت اور بے تکلفی دیکھ کر جل بھن رہی تھی۔

" کیا سوچ رہی ہو ؟ " اشوک نے اچانک اس سے سوال کر دیا۔

" آپ کی نشا کے بارے میں ! "

" کہو ، کیسی لگی یہ لڑکی ؟ "

" فیشن ایبل ، خوبصورت ، اسمارٹ ۔ لیکن ۔ ۔ ۔ " وہ کچھ اور کہتے کہتے رک گئی تو اشوک نے فوراً پوچھ لیا۔

" لیکن کیا ؟ "

" ذرا بدتمیز اور گھمنڈی ہے ، "

" CORRECT ..... اور یہی باتیں مجھے پسند نہیں ... چال چلن بھی اس کا کچھ اچھا نہیں لگتا۔ " اشوک نے بے جھجک کہا۔

" یہ آپ نے کیونکر جانا ؟ "

"دیکھو نا۔ اپنے سیکرٹری کو بانہوں میں لئے کس بے حیائی سے ناچ رہی ہے۔"

"تو کیا ہوا۔ آپ بھی تو اپنے گھر کی نوکرانی کو بانہوں میں لئے ناچ رہے ہیں"

"پائل۔۔۔۔!" وہ جھنجھلا گیا۔ جیسے اسے پائل کا یہ جملہ اچھا نہ لگا اور ضبط سے کام لیتے ہوئے بولا "نہیں ایسا نہ کہنا چاہیئے"

پائل کچھ کہنا ہی چاہتی تھی کہ اس نے محسوس کیا کوئی اچانک ناچتے ناچتے اس سے ٹکرا گیا ہو۔ اس نے پلٹ کر دیکھا۔ یہ چیتن تھا جس نے جان بوجھ کر اسے کہنی ماری تھی۔ پائل کو اس کی یہ حرکت ناگوار لگی۔ لیکن وہ ضبط کر کے رہ گئی۔

تبھی وہ دھن بند ہو گئی اور ناچنے والے ایک دوسرے سے الگ ہو کر اگلی دھن کا انتظار کرنے لگے۔ چند ایک نے اپنے ساتھی بدل لئے یہ دیکھ کر چیتن نے نشا سے کہا۔

"آؤ ہم بھی ساتھی بدل لیں"

"کیوں؟"

"مزہ آئے گا۔ آپ اشوک کو پارٹنر بنا لیجئے اور میں پائل کو"

"لیکن وہ تو بدھو ہے؟"

"تبھی تو مزہ رہے گا۔ آپ اسے بنایئے اور میں اس کی ساتھی کا تاریخ جغرافیہ جاننے کی کوشش کرتا ہوں"

"موسیقی کرتا ہوں"

موسیقی کی دوسری دھن شروع ہو گئی تو ہر کسی نے اپنے اپنے ساتھی کو تھام لیا۔ نشا ابھی ذرا شش و پنج میں تھی کہ چیتن نے اپنی تجویز دہرائی تو اس نے بڑھ کر اشوک کا ہاتھ تھام لیا۔ پائل وہاں سے کھسکنے لگی تو چیتن نے لپک کر اس کا راستہ

روک لیا۔ پائل نے گھبرا کر اپنے ارد گرد دیکھا اور چیتن نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ وہ اس کے ہاتھ کو جھٹکنے ہی والی تھی کہ اسی وقت ہال کی بتیاں مدھم ہو گئیں۔ موسیقی کا شور بڑھ گیا اور اس کے ساتھ ہی ناچنے والوں کی سر مستیوں کا شور و غل بھی بڑھ گیا۔ چیتن نے اس دھندلی روشنی کا سہارا لیتے ہوئے پائل کی کمر میں ہاتھ ڈال دیا۔ اور اسے گھماتے نچاتے ننتا اور اشوک سے دور ہٹا لے گیا۔

"تو یہ ہیں وہ بڑھیا۔ جن کے آپ بیکہ بڑی کم ڈرائیور ہیں؟" پائل نے بڑے طنزیہ انداز میں چیتن سے پوچھا۔

"لیکن تم جس بچے کو لوریاں دے کر سلاتی ہو، اس کے درشن کر کے بھی دلی مسرت ہوئی۔۔۔ کسی اسکول میں پڑھتے ہیں بابا؟"

"وہ میں نے تم سے جھوٹ کہا تھا!"

"کیوں؟"

"تاکہ تم اصلیت جان کر انٹ شنٹ سوچنے نہ لگ جاؤ۔"

"میں نے بھی تم سے اس لئے جھوٹ کہا تھا کہ تم شک اور شبہ میں پڑ کر میری نوکری کی دشمن نہ بن جاؤ۔"

"لیکن میرے مالک اور تمہاری مالکن میں بہت فرق ہے۔"

"یہی ناکہ ایک سادگی کا پتلا ہے اور دوسری موڈرن تتلی۔۔۔ لیکن مجھے اس سے کیا لینا۔ اپنے کام سے مطلب ہے۔"

اسی وقت روشنیاں دوبارہ جگمگا اٹھیں اور موسیقی رک گئی۔ سب جوڑے علیحدہ ہو گئے۔ سیما نے اعلان کیا کہ اسنیکس حاضر ہیں تو سب اسنیکس سے

سبھی میزوں کی طرف بڑھ گئے۔ اور پلیٹیں اُٹھا کر کھانے لگے۔ نشا، اشوک، پائل اور چیتن ایک ہی میز کے گرد تھے۔ نشا اشوک کا مذاق اڑانے پر تلی ہوئی تھی۔ اس نے پائل کی طرف مخاطب ہو کر کہا۔

"مزہ آ گیا آپ کے دوست کے ساتھ ناچ کر۔ بالکل ہی پروفیشنل ڈانسر معلوم ہوتے ہیں"

"آپ کے بیکر بڑی اور فلاسفر بھی کچھ کم نہیں۔ ایک ایک اسٹیپ ناپا تلا رکھتے ہیں۔ جی چاہتا ہے زندگی بھر ان کے ساتھ ناچتے رہو!" پائل نے اسے جلانے کے لئے کہا۔

نشا جواب میں کچھ کہنا ہی چاہتی تھی لیکن اسی وقت اشوک اچانک پائل کا سُونا گلا دیکھ کر پوچھ بیٹھا۔

"پائل، تمہارا ہار....؟"

"ہار....!" پائل گھبرا کر اپنا گلا ٹٹولنے لگی۔ لیکن اس سے پہلے کہ وہ پریشان ہو کر کھویا ہوا ہار ادھر اُدھر ڈھونڈے، سیما وہ ہار ہاتھ میں لئے اُدھر پہنچ گئی اور پائل کو دکھاتے ہوئے بولی۔

"یہ تو نہیں آپ کا ہار؟"

"ہاں ہاں۔" پائل نے ہار اس کے ہاتھ سے جھپٹتے ہوئے کہا "شاید ناچتے ہوئے گر گیا ہوگا۔"

وہ ہار دوبارہ پہننے لگی۔ اشوک نے پیچھے سے ہار کا ہک لگا دیا تو نشا ان دونوں کی بے تکلفی کو غور سے دیکھنے لگی۔

"کیا دیکھ رہی ہیں آپ؟" پائل نے اسے گھورتے دیکھ کر پوچھ ہی لیا۔

"زیورات کی کافی شوقین معلوم ہوتی ہیں آپ؟" نشانے طنزیہ لہجہ میں کہا۔

"جی ہاں۔ یہ میرے دیس کا سنگار ہے۔ اور مجھے اس سے پیار ہے!" پائل نے برجستہ جواب دیا۔

"ہر بیک ورڈ یہی کہتا ہے!" نشانے جل کر کہا۔

"نشا جی۔ سگریٹ پھونک کر، ننگے لباس پہن کر، شراب پی کر اور دوسروں کا مذاق اڑا کر جو لوگ خود کو فارورڈ سمجھنے لگتے ہیں، اصل میں بیک ورڈ وہی ہوتے ہیں۔ اپنی سبھیتا سے نفرت کرنا پڑھے لکھوں کا نہیں، جاہلوں کا کام ہے"

"تمہارا مطلب ہے میں جاہل ہوں؟" نشانے بھڑک کر کہا۔

"یہ آپ بہتر جان سکتی ہیں"

"او۔ شٹ اپ۔ یو ایڈیٹ۔۔۔۔!" نشانے چیخ کر کہا۔

"میم صاحب۔ میں بھی انگریزی بولنا جانتی ہوں۔ اور آپ کی گالی کا جواب گالی سے دے سکتی ہوں۔ لیکن مجھے اپنے میزبان اور ان شریف مہمانوں کا خیال ہے" پائل نے غصّے سے تلملا کر کہا اور اشوک کا ہاتھ پکڑ کر بولی۔

"چلو اشوک بابو، اب یہ جگہ شریفوں کے ٹھہرنے کے قابل نہیں رہ گئی!" کہتے ہوئے وہ اشوک کو کھینچتی ہوئی باہر لے گئی۔

"کیا ہوا نشا دے دی، کیا ہوا؟" سیما نے لپک کر اس کے پاس آتے ہوئے پوچھا۔

"ارے وہ دو ٹکے کی چھوکری۔ اور بھری محفل میں میری انسلٹ کر کے چلی گئی۔ اگر تمہارا خیال نہ ہوتا تو طمانچے مار مار کر اس کا منہ لال کر دیتی!" نشا نے جیسے غصّہ سے پاگل ہوتے ہوئے کہا۔

"ارے مگر ہوا کیا دے دی؟"

"کچھ نہیں۔ چلو چیتن۔ میرا موڈ خراب ہو گیا۔ اب میں یہاں ایک منٹ نہیں ٹھہر سکتی۔" نشا نے چیتن کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔

"نہیں دے دی۔ آپ اس طرح پارٹی چھوڑ کر نہیں جا سکتیں۔" سیما نے اس کا راستہ روکتے ہوئے کہا "جو کچھ ہوا، اس کے لئے میں آپ سے معافی چاہتا ہوں!"

سیما نے اتنے خوشامدانہ لہجہ میں کہا کہ نشا اس کی التجا نہیں ٹھکرا سکی اور اس نے پارٹی چھوڑ کر جانے کا ارادہ ملتوی کر دیا۔

گھر پہنچتے ہی سمترا دیوی نے جب پائل سے لڑکی کے بارے میں پوچھا تو وہ خاموش رہ گئی۔ انہوں نے جب دوبارہ اپنا سوال دہرایا تو اشوک چمک کر بول اُٹھا۔

"لڑکی پائل کو پسند نہیں!"

"کیوں۔ دیکھنے میں اچھی نہیں کیا؟"

"دیکھنے میں تو خوبصورت ہے، موڈرن ہے۔ بڑے امیرانہ ٹھاٹھ ہیں اس کے....!"

"تو پسند کیوں نہیں آئی؟"

"اس لئے کہ وہ بدتمیز ہے اور انداز آوارہ ہیں۔ سگریٹ اور شراب پیتی ہے وہ۔"

"رام رام۔ یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟"

"ہاں ماں جی۔ یہ ٹھیک کہہ رہے ہیں،" پائل نے دبی زبان سے کہا۔

"پھر تو اچھا ہوا۔ تم نے بات چھیڑنے سے پہلے ہی اسے پرکھ لیا۔ ورنہ میرا تو بڑھاپا ہی ستیاناس ہو جاتا۔ نہ جانے آجکل زمانے کو کیا آگ لگی ہے۔ گھرانہ اچھا

ہو نو لڑکی اچھی نہیں۔ لڑکی اچھی مل جائے تو گھر بار اچھا نہیں"

" تو ماں۔ اچھی لڑکی کا رئیس زادی ہونا ضروری ہے کیا؟" اشوک نے اکھڑے لہجہ میں پوچھ لیا۔

" نہیں تو۔ لیکن خاندان۔۔۔ اور کچھ گن تو ہونے چاہئیں"

" تو ایک لڑکی ہے۔ جو ہر لحاظ سے تمہارے خاندان کی بہو بن سکتی ہے۔"

" کون ہے وہ جلدی بتا۔ اگر تو نے دیکھ ہی رکھی ہے تو آج تک مجھ سے کہا کیوں نہیں؟"

اشوک نے پہلے ماں کو اور پھر ذرا دور کرسی کا سہارا لئے کھڑی پائل کو دیکھا اور چند پل خاموش رہنے کے بعد ماں کی بے قراری کو ختم کرتے ہوئے بول اٹھا تھا۔

" وہ لڑکی ہے پائل۔۔۔۔!"

" پائل۔۔۔؟" سمتر ادیوی حیرت زدہ رہ گئیں۔

پائل اچانک اشوک کے منہ سے اپنا نام سن کر سُن سی ہو گئی اور اس سے پہلے کہ سمتر ادیوی اپنی کوئی رائے ظاہر کرتیں وہ اچانک چیخ اٹھی۔

" نہیں نہیں۔ یہ نا ممکن ہے!"

اس چیخ کے ساتھ ہی وہ بھاگ کر اپنے کمرے میں چلی گئی اور ماں بیٹا دونوں ایک دوسرے کو گونگی نظروں سے دیکھتے رہ گئے۔

ا

نشل نے اس رات کچھ زیادہ پی لی تھی۔ جب وہ اپنے بنگلہ میں داخل ہونے کے لئے کار سے اتری تو لڑکھڑا گئی۔ چیتن نے لپک کر اسے سنبھالا اور اسے سہارا دے

اندر لے چلا۔

رات آدھی سے زیادہ بیت چکی تھی۔ گھر کے نوکر سو چکے تھے۔ پھر بھی چیتن نشا کی حالت دیکھ کر ڈر رہا تھا اور اسے جلد سے جلد اس کے بیڈ روم تک پہنچانے کی کوشش میں تھا۔ وہ جونہی اسے سنبھالے ہوئے زینہ کی طرف بڑھا، نشا نے بے تکلفی سے اس کی گردن میں اپنی باہیں ڈال دی اور اس کے ساتھ چپکی ہوئی اپنے بیڈ روم کی طرف چلنے لگی۔ اس نے آہستہ آہستہ اپنے جسم کا تمام بوجھ چیتن پر لاد دیا تھا۔

چیتن جیسے ہی نشا کو اس کے کمرے میں چھوڑ کر جانے کو پلٹا نشا نے خمار آلود آواز میں اسے پکارا۔

"سنو۔۔۔!"

چیتن نے پلٹ کر دیکھا تو وہ نشے میں لہراتی ہوئی اپنے بستر پر جا بیٹھی تھی۔ اس نے اپنے بیگ کی طرف اشارہ کیا جو فرش پر گر گیا تھا۔ چیتن نے بیگ اٹھا کر اسے دے دیا۔ اس نے بیگ کھول کر سگریٹ ہونٹوں میں دبا کر لائیٹر سے جلانے لگی۔ جب دو تین بار کوشش کرنے پر بھی نہ جلا تو چیتن نے لائٹر اس سے لے کر فوراً جلا دیا۔ نشا کی آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک پیدا ہوئی اور وہ سگریٹ کا ایک کش لے کر اس کا دھواں چیتن کے منہ پر چھوڑتے ہوئے پوچھ بیٹھی۔

"تم اس لڑکی کو جانتے ہو کیا؟"

"کون لڑکی؟" چیتن نے انجان بنتے ہوئے پوچھا۔

"وہی بدتمیز پائل جس نے میری انسلٹ کی ہے!"

"نہیں تو۔ میں اسے کیوں جاننے لگا" وہ گھبرا کر بولا۔

"لیکن تم تو اس کے ساتھ یوں چپک کر ناچ رہے تھے۔ جیسے برسوں سے شناسائی ہو۔"

"ناچ میں تو یہ سب کرنا ہی پڑتا ہے۔ آپ بھی تو اشوک کے ساتھ۔۔۔۔"

"اوہ شٹ اپ۔ نام نہ لو اس ایڈیٹ کا۔ دیکھا نہیں کہ کس طرح وہ لڑکی کھنچتی ہوئی اسے پارٹی سے لے گئی۔ جیسے اس کی جورو ہو۔" نشا نے دم بدم بڑھتے ہوئے غصے کی جھونک میں جھلا کر کہا۔

اس کا آخری جملہ چیتن کے دل میں نشتر کی طرح چبھ کر رہ گیا لیکن وہ اس کی یہ بدداشت کرتے ہوئے نشا کی آنکھوں میں دیکھ کر بولا۔

"ایک بات کہوں نشا جی؟"

"ہوں۔۔۔۔!" سگریٹ کا ایک لمبا کش لیتے ہوئے وہ بولی۔

"اشوک لڑکا برا نہیں"

"تم کیا کہنا چاہتے ہو؟" وہ کرخت لہجہ میں پوچھ بیٹھی۔

"آپ اس سے شادی کر لیجئے"

"شادی۔۔۔۔؟" وہ اسے غصہ سے دیکھتے ہوئے بولی۔ "میں نے تم سے پہلے ہی کہا تھا میں رشتہ جوڑنے نہیں، توڑنے جا رہی ہوں"

"نہ توڑیئے تو اچھا ہے۔ وہ ہر لحاظ سے آپ کے قابل ہے"

"لیکن میں نے اس سے بھی اچھا لڑکا دیکھ رکھا ہے۔ جو اشوک سے زیادہ اسمارٹ بصورت، ذہین اور روشن خیالات کا ہے"

"تو پھر آپ نے یہ بات وکیل صاحب سے کیوں نہیں کہہ دی۔ کون ہے وہ؟"

چیتن نے اشتیاق سے پوچھا۔

"کافی ہوشیار ہوگئے ہو۔ نشے میں میرے دل کی بات اگلوانا چاہتے ہو؟"

"نہیں۔ بلکہ اس خوش نصیب کو جاننا چاہتا ہوں جو آپ کا شریکِ حیات بننے والا ہے۔ بتائیے نا۔ وہ کون ہے؟"

نشا ایک پل کے لئے خاموش ہوگئی۔ اس نے چیتن کی پُر اشتیاق آنکھوں میں جھانکا اور دانتوں سے ہونٹ کاٹتے ہوئے بے دھڑک کہہ دیا۔

"وہ تم ہو!"

"کیا.... میں....؟" یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں نشا جی؟" چیتن نے چیختے ہوئے کہا اور دوسرے ہی پل اس نے محسوس کیا کہ وہ سر سے پیر تک پسینے میں نہا گیا تھا۔ وہ کچھ دیر تک جیسے اپنے آپ میں نہ رہا تو سگریٹ کی راکھ ایش ٹرے میں جھاڑتے ہوئے نشا پوچھ بیٹھی۔

"چپ کیوں ہوگئے؟"

"آپ کو ایسا نہ سوچنا چاہیئے۔ میں آپ کا ایک معمولی نوکر.. ایک چھوٹا آدمی..."

"میں آدمی دیکھتی ہوں، اس کا مرتبہ نہیں۔ تم میرے ہم خیال ہو اور میں ان خیالوں کی بیچارن۔ تمہیں بھی بیاہ شادی سے نفرت ہے اور میں بھی ان جھنجھٹوں سے دور رہنا چاہتی ہوں۔" کہتے ہوئے نشا نے سگریٹ ایش ٹرے میں رکھ دیا اور کھڑے چیتن کے شانوں کو مضبوطی سے تھام لیا۔ وہ ابھی تک ساکن ہوا سوچ رہا تھا کہ یہ باتیں وہ ہوش میں کہہ رہی ہے یا نشے میں۔ نشا اسے خاموش دیکھ کر پھر کہہ اٹھی۔

"زندگی کا لطف ایسے ہی رشتہ میں ملتا ہے چیتن۔ آؤ ہم ایک سمجھوتہ کر لیں۔

جس سے تم ہمیشہ میرے سیکرٹری بنے رہو اور میں تمہاری مالکن ۔ لیکن حقیقت میں ہمارا رشتہ ۔ ۔ ۔ ، کہتے ہوئے اچانک اس نے اپنی پوری طاقت سے چیتن کی قمیص چاک کر دی اور بے باکی سے اس کے ننگے سینے کو چومتے ہوئے بولی "آج میں اپنی جوانی ، اپنا شباب اپنی محبت سب کچھ تمہارے حوالے کر رہی ہوں ۔ لوٹ لو اسے اور خوشبوؤں سے اپنا دامن بھر لو ۔ ۔ ۔ !"

" نہیں نہیں ۔ ۔ ۔ !" چیتن چیخ کر اس سے الگ ہو گیا اور جب نشا نے دوبارہ اس سے لپٹنا چاہا تو اس نے اسے دھکیل کر اپنے سے الگ کر دیا ۔ وہ لڑکھڑا کر بستر پر جا گری اور اس سے پہلے کہ وہ چیتن سے اس بے مروتی کی وجہ پوچھ سکے وہ پھلانگتا ہوا اس کے کمرے سے باہر جا چکا تھا ۔

نشا کا سارا نشہ ہرن ہو گیا ۔ چیتن نے اسے ٹھکرا کر جیسے اس کے منہ پر تھپڑ مارا تھا اس کی خوبصورتی اور جوانی کو ایسا ذلیل کیا تھا کہ اس وقت وہ اپنے آپ کو سو سال کی بڑھیا محسوس کرنے لگی ۔ اس کا جی چاہا ابھی چیتن کے کمرے میں جائے اور اس کا تمام بدن دانتوں سے نوچ نوچ کر لہولہان کر دے ، چیخ چیخ کر اسے خوب گالیاں دے ۔ وہ اپنی توہین کا بدلہ لینے کے لئے تڑپ رہی تھی ۔ لیکن بے بس و مجبور تھی ۔ اس کے مرتبے نے اس کے پیروں کو جکڑ رکھا تھا ۔

اس نے ایش ٹرے میں رکھے سگریٹ کے ادھ جلے ٹکڑے کو اٹھایا ۔ لمبے لمبے دو کش کھینچے اور پھر اس ٹکڑے کو غصے سے ایش ٹرے میں مروڑ کر رکھ دیا ۔ انتقام کی جوالا اس کی رگوں میں پوری شدت سے بھڑکنے لگی اور جب وہ اس آگ کو برداشت نہ کر سکی تو اپنے بالوں کو نوچتے ہوئے بستر پر گر پڑی

اور تکیہ میں منہ چھپا کر رونے لگی۔

دوسرے دن جب اشوک اپنے کمرے میں کالج جانے کو تیار ہو رہا تھا۔ تو پائل کی جگہ اس کا ناشتہ سکھیا لے کر آیا اس نے ڈرتے ڈرتے ناشتے کی ٹرے میز پر رکھی اور باہر جانے کے لئے پلٹا ہی تھا کہ اشوک نے سوال کر دیا۔

"پائل کہاں ہے؟"

"نوکری چھوڑ کر چلی گئی!" وہ دبی زبان میں بولا۔

"کیا.... ؟ تو تم یہاں کیا لینے آئے ہو؟" اشوک غصہ سے چلایا اور ٹرے میں رکھے دودھ کے گلاس کو ہاتھ سے گرا دیا۔

گلاس فرش پہ گرتے ہی چور چور ہو گیا۔ سکھیا نے مالک کے دل میں اُٹھتے جذبات کے مدّوجزر کو بھانپا اور چپ فرش پہ بیٹھ کر کانچ کے ٹکڑے سمیٹنے لگا۔

کالج جانے سے پہلے اشوک ماں کا آشیرواد لینے گیا تو وہ اسے دیکھتے ہی بولیں۔

"سکھیا کہہ رہا تھا۔ آج تم نے ناشتہ نہیں کیا"

"مجھے بھوک نہیں!" اس نے ماں سے نظریں چراتے ہوئے کہا۔

"یہ اچانک تمہاری بھوک کو کیا ہو گیا؟"

"مر گئی.... !" وہ جھنجھلا کر بولا۔

"پائل کے چلے جانے سے؟"

"ماں.... !" پائل کا نام سنتے ہی جیسے وہ کسی اندرونی درد سے کراہ اُٹھا۔

"ہاں بیٹے۔ مجھ اپاہج کا تو اس نے خیال نہ کیا۔ پر تیرا بھی دل توڑ کر وہ چلی جائے گی، اس کی آشا نہ تھی مجھے ...."

"لیکن اس نے ایسا کیوں کیا ماں؟"

"جاننا چاہتے ہو؟"

"ہاں!"

"اس کا پیار کسی اور کی امانت تھا!"

یہ سنتے ہی اشوک پہ جیسے بجلی سی گر پڑی اور زمین اسے پیروں کے نیچے سے کھسکتی ہوئی محسوس ہوئی۔ اس کی زبان نے اس کا ساتھ نہ دیا کہ وہ ماں سے اس کے پیار کی تفصیل پوچھ سکے۔ وہ گنگ سا ہو کر رہ گیا۔

نشا آج وقت سے پہلے ہی آفس جانے کے لئے تیار ہو گئی تھی۔ اس نے جلدی جلدی کچھ کاغذات بیگ میں رکھے اور بیگ ہاتھ میں لے کر سیڑھیاں اُترتی ہوئی ناشتہ کرنے کے لئے ڈائننگ ہال کی طرف جانے لگی۔ اچانک وہ ٹھٹک کر رک گئی اور سانس روکے چیتن کی باتوں کو سننے لگی جو وہ ٹیلیفون پہ کسی سے کر رہا تھا۔

".... نوکری چھوڑ دی؟ ارے مگر کیوں؟ صرف تین دن کی تو بات ہی تھی۔ کسی طرح گزار لیتیں.... ارے پارٹی میں جو کچھ ہوا وہ ایک ڈرامہ تھا بھول جاؤ اسے .... خیر میں آ رہا ہوں۔ ایک بجے کھنڈ میں میرا انتظار کرنا...."

چیتن نے بات ختم کر کے رسیور رکھ دیا تو نشا کھٹ کھٹ کرتی ہوئی سیڑھیاں اُتر کر نہایت سنجیدگی سے ہال میں داخل ہوئی چیتن اسے دیکھتے ہی سنبھل گیا لیکن اس نے بڑی نرمی سے پوچھا۔

"تم نے ناشتہ کیا؟"

"جی ہاں!"

"تو جاؤ گاڑی نکالو۔ آج آفس ذرا جلدی پہنچنا ہے!" کہتی ہوئی نشا ناشتے کی میز کی طرف بڑھ گئی اور چیتن فوراً باہر نکل گیا۔

نشا کی امید کے برعکس چیتن آج بڑی پھرتی سے آفس میں کام کر رہا تھا۔ لیکن ان کے درمیان ایک عجیب سی کشیدگی تھی پہلے جہاں دن بھر دونوں میں بات چیت کا سلسلہ چلتا رہتا تھا۔ آج گہری خاموشی چھائی ہوئی تھی چیتن نشا کی اس خاموشی کو کسی آنے والے طوفان کا پیش خیمہ سمجھ رہا تھا لیکن اسے حیرت ہوئی جب وہ مسلسل تین گھنٹے تک کام کرتا رہا اور نشا نے اس سے ایک لفظ نہ کہا۔ وہ جلدی جلدی کام نپٹا کر جب ٹائپ کئے ہوئے کچھ لیٹر دستخط کے لئے نشا کے پاس لے کر پہنچا تو وہ سر اُٹھا کر اس کی طرف دیکھتے ہوئے حیرت سے پوچھ بیٹھی۔

"کیا تمام لیٹرس ٹائپ ہو گئے؟"

"یس میڈم!"

"پناما والے اشتہار کے بلاک تمام نیوز پیپرس کو بھیج دیئے؟"

"وہ تو کل ہی چلے گئے تھے۔ یہ رہی اس کے LAY OUT کی کاپی!"

اس نے نشا کے سامنے ایک فائل کھولتے ہوئے کہا۔

" THATS FINE.....! تم کام میں کافی دلچسپی لے رہے ہو۔"

" یہ تو میری ڈیوٹی ہے "

" لیکن تم آج صبح سے کچھ اکھڑے اکھڑے نظر آ رہے ہو "

" نہیں تو.... ! " چیتن نے چونک کر کہا اور اس طوفان کا انتظار کرنے لگا جس کا اسے دھڑکا لگا ہوا تھا۔ لیکن اس کی توقع کے خلاف نشا نے شرمندہ سے لہجہ میں بڑی نرمی سے کہنا شروع کیا۔

" میرے خیال میں رات نشے کی حالت میں مجھ سے کچھ بے ہودگی ہو گئی۔ میں نے تم سے کچھ ایسی باتیں کہہ دیں جو مجھے نہیں کہنا چاہئیں تھیں.... مگر نشے میں اکثر دل کی بات زبان پہ آ جایا کرتی ہے.... میں اس کے لئے معافی چاہتی ہوں ! "

" یہ کیا کہہ رہی ہیں آپ " چیتن نے گڑبڑا کر کہا " معافی تو مجھے آپ سے مانگنی چاہیئے۔ میں آپ کے نشے کا خیال کئے بغیر آپ سے گستاخی کر بیٹھا اور آپ کو اس حالت میں چھوڑ آیا "

" مجھے خوشی ہوئی۔ تمہیں اپنی اس بھول کا احساس ہے شاید تم میرا رتبہ دیکھ کر نروس ہو گئے تھے "

" نہیں۔ یہ بات نہیں تھی میڈم "

" تو کونسی رکاوٹ ہمارے درمیان آ گئی تھی ؟ "

" میری مجبوری ! "

نشا اس کی بات سُنکر مسکرائی اور میز کی دراز سے ایک پرانا سا ہندی کا اخبار نکال کر اس میں چھپی ہوئی پائل کی تصویر دکھاتے ہوئے بولی۔

"میں تمہاری مجبوری سمجھتی ہوں... شاید اسی وجہ سے تم آگے نہ بڑھ سکے۔ اور میرے ارمانوں کو سلگتا چھوڑ کر چلے گئے"

اخبار دیکھتے ہی چیتن کے پیروں کے نیچے سے جیسے زمین نکل گئی اور وہ گھبرا کر بولا۔

"یہ.... یہ اخبار کہاں ملا آپ کو؟"

"ایک دوست نے لاکر دیا ہے۔ تم ایک ریٹائرڈ کرنل کی بیٹی کو بھگا کر لائے ہو۔ اور پولیس تم دونوں کی تلاش میں ہے"

چیتن نے نشا کی بات کا کوئی جواب نہ دیا اور ہکا بکا ہو کر اسے دیکھنے لگا تو وہ مسکرا کر بولی۔

"ڈرو نہیں۔ میں تمہیں پولیس کے حوالے نہیں کروں گی میں پیار کرنے والوں کی قدر کرتی ہوں"

"مجھے آپ سے یہی امید تھی" وہ خوشامدانہ لہجہ میں بولا۔

"لیکن تم نے یہ بات مجھے پہلے کیوں نہ بتائی آزادانہ زندگی گزارنے کا ناٹک کیوں کھیل رہے تھے۔ کیا مجھے بھی دھوکا دینا چاہتے تھے؟"

"نہیں نہیں۔ دراصل مجھے نوکری چلے جانے کا خطرہ لگا ہوا تھا۔ آپ نے یہی شرط لگا رکھی تھی نا۔"

"تو اب تم کیا چاہتے ہو؟"

" صرف تین دن کی مہلت۔ اگر یہ راز آپ تک ہی رہے تو میں زندگی بھر آپ کا احسان نہ بھولوں گا"

" تین دن ....؟" وہ کچھ نہ سمجھتے ہوئے بولی۔

" تین دن کے بعد پائل قانونی طور پہ بالغ ہو جائے گی اور اس کے بالغ ہوتے ہی ہم شادی کر لیں گے۔ پھر کوئی ہمارا کچھ نہ بگاڑ سکے گا"

" اشوک کے یہاں کیا کرتی ہے وہ؟"

" نوکری۔ لیکن بے وقوف نے آج صبح نوکری چھوڑ دی۔ اس وقت کھنڈر میں میرا انتظار کر رہی ہو گی"

" کون سا کھنڈر؟"

" ہمارا آشیانہ۔ ایک ٹوٹی پھوٹی عمارت۔ بمبئی آنے پہ جہاں ہم نے بسیرا کیا تھا۔"

" تو جاؤ۔ شادی کی تیاری کرو" نشا نے اچانک کہہ دیا۔

" جی ....!" وہ حیران رہ گیا اور پھر خوش ہو کر بولا " یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں؟"

" جو مجھے کہنا چاہیئے۔ تمہاری شادی کی گواہ میں بنوں گی اور شادی بیاہ کا خرچہ بھی میں برداشت کروں گی۔" کہتے ہوئے نشا نے میز کی دراز سے اپنی چیک بک نکال کر اس کی طرف بڑھائی اور پھر بولی " لو، جتنے روپوں کی ضرورت ہو بھر لو چیک میں"

" میڈم ....!" وہ حیرانی سے اسے دیکھنے لگا۔

" ہاں۔ تمہارا قرض بھی تو اتارنا ہے مجھے۔ تم نے میری جو بیس لاکھ کی جائیداد بچائی تھی۔ آج اس قرض کو اتارنے کا وقت آگیا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ پچاس ہزار لکھ لو!"

" پچاس ہزار ۔ ۔ ۔ ۔ ؟"

" ہاں ہاں۔ کپڑے، زیورات اور کچھ ٹھاٹ باٹ کی چیزیں خریدنا۔ کرنل کی بیٹی یہ نہ سمجھے کہ کس لڑکے سے شادی ہوئی ہے!"

" اوہ ۔ ۔ ۔ آپ نے تو میری قسمت بدل دی نشاجی!"

" چاہو تو شادی کے بعد اسے اپنے گھر لا سکتے ہو ۔ ۔ ۔ اور یہ نوکری تو ہمیشہ کے لئے تمہاری ہے"

یہ سنتے ہی چیتن نے اظہارِ تشکر کے لئے دونوں ہاتھوں میں نشا کا ہاتھ لے لیا اور اسے آنکھوں سے لگا کر چومتے ہوئے بولا۔

" میڈم۔ یہ احسان کر کے آپ نے ہمیشہ کے لئے مجھے اپنا غلام بنا لیا ہے میں زندگی بھر آپ کی خدمت کرتا رہوں، پھر بھی اس احسان کا بدلہ نہ چکا سکوں گا ۔ ۔ ۔ !" کہتے ہوئے اس کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔ اس کے آگے الفاظ نے اس کا ساتھ نہ دیا۔ آواز بھر اگئی اور ایک ٹک ہمدردی سے معمور نشا کے چہرے کو دیکھتا رہ گیا۔

" آنسو پونچھ ڈالو اور چیک بھر کر اسے آج ہی کیش کروالو وقت کم ہے اور دیکھو چیک سیلف کا بنانا۔" نشا نے مسکرا کر کہا۔

" سیلف کیوں؟" وہ چونک بولا۔

"کہیں ADJUST ہو جائے گا۔ ورنہ کہیں خواہ مخواہ تمہیں انکم ٹیکس کا جھمیلا نہ پڑ جائے۔"

"ٹھیک ہے....!" چنین نے کہا اور جلدی سے پچاس ہزار کا چیک بنا کر دستخط کے لئے اس کے سامنے بڑھا دیا۔

"اوہو...." نشا نے کام میں مصروف ہوتے ہوئے کہا۔

"دستخط بھی خود ہی کر لو نا۔"

"نہیں میڈم۔ آپ کی جائیداد بچانا دوسری بات تھی۔ میں بلاوجہ غیر قانونی کام کرنا اچھا نہیں سمجھتا۔"

"گڈ۔ میں تمہارے اس جذبے کی قدر کرتی ہوں۔" نشا نے سر اُٹھا کر کہا اور چیک پر دستخط کر کے پھر بولی "چاہو تو شادی کی تیاری کے لئے دو روز دفتر سے چھٹی کر سکتے ہو۔"

"اوہ.... تھینک یو میڈم۔ تھینک یو ویری مچ!" چنین نے خوشی سے بے قابو ہو کر کہا اور اُٹھ کر جھومتا ہوا باہر نکل گیا۔

اس کے باہر جاتے ہی بھاردواج جی اندر داخل ہوئے اور نشا کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گئے۔

"پولیس میں رپورٹ درج کرا دی؟" نشا نے ان کے بیٹھتے ہی پوچھا۔

"ہاں۔ انسپکٹر تیواڑی آتے ہی ہوں گے!"

"شملہ ٹیلیفون بھی کر دیا؟"

"ہاں۔ وہ لوگ کل صبح تک پلین سے پہنچ جائیں گے!"

یہ سنتے ہی نشا کے گمبھیر چہرے پہ ایک رونق سی آگئی۔ اس نے ایک سگریٹ لے کر ہونٹوں سے لگایا اور اسے سلگا کر لمبے لمبے کش کھینچنے لگی۔

چیتن نے بنک پہنچ کر چیک کیش کروایا۔ اور نوٹوں کی گڈیاں ایک بیگ میں بھر کر ٹیکسی لئے سیدھا کھنڈر پہنچ گیا، جہاں پائل بے چینی سے اس کا انتظار کر رہی تھی۔

"چھٹی مل گئی آپ کو اپنی میڈم سے؟" اس نے چیتن کو دیکھتے ہی طنزیہ انداز میں پوچھا۔

"ہاں۔ اس معاملہ میں وہ کافی فراخ دل ہے.... یہ بتاؤ تم نے نوکری کیوں چھوڑ دی؟" چیتن نے اطمینان سے فرش پہ بیٹھتے ہوئے کہا۔

"اس لئے کہ انسوک نے تمہاری میڈم کو ٹھکرانے کے بعد مجھے اپنانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔"

"اسے۔ اس کی یہ مجال....!" وہ بھنا گیا اور پھر کچھ رک کر پوچھ بیٹھا۔ "تو تم نے کیا کہا؟"

"میں نے صاف صاف کہہ دیا کہ میں کسی اور سے محبت کرتی ہوں..... اس کے بعد میرا وہاں رہنا ناممکن ہو گیا۔"

"لیکن میری میڈم کو جب پتہ چلا کہ میں تم سے محبت کرتا ہوں تو جانتی ہو اس نے کیا کیا؟"

"کیا کیا؟"

اس کے جواب میں چیتن نے وہ بیگ کھول دیا اور نوٹوں کے ڈھیر سارے بنڈل دکھاتے ہوئے بولا۔

"یہ پچاس ہزار روپئے اس نے دیئے ہیں تاکہ میں تمہاری ضروریات کی چیزیں مہیا کر سکوں۔ زیورات، کپڑے، میک اپ کا سامان وغیرہ وغیرہ۔۔۔!"

پائل حیرت سے ان روپوں کو دیکھنے لگی اور کچھ دیر خاموشی کے بعد بولی۔

"یہ روپے اس نے دیئے ہیں۔ یقین نہیں آتا۔"

"کیوں؟"

"اتنی بدتمیز اور آوارہ عورت اتنی مہربان کیسے ہو سکتی ہے"

"نہیں پائل۔ کبھی کبھی لوگوں کو پرکھنے میں ہماری نگاہیں دھوکا کھا جاتی ہیں۔ جانتی ہو۔ شادی کے بعد میری نوکری بھی برقرار رہے گی اور میں اپنے ساتھ بھی اس بنگلے میں رکھ لیتا ہوں۔"

"سچ۔۔۔۔؟" پائل خوشی سے اُچھل پڑی اور بے ساختہ اس سے لپٹ گئی۔

چیتن نے دونوں ہاتھوں میں اس کا چہرہ لے کر چوم لیا وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر کھنڈر سے باہر لے آیا پھر وہ دونوں شادی کے سامان کی خریداری کے لئے بازار کی طرف چل پڑے۔

دن بھر دونوں معصوم بچّوں کی طرح شوق سے ایک دوکان سے دوسری دوکان میں جا کر کپڑے، زیورات، جوتے اور دوسرے لوازمات خریدتے رہے انہوں نے ہر چیز قیمتی اور معیاری خریدی تھی۔ اس لئے تقریباً پندرہ ہزار روپے ایک ہی دن کی خریداری میں صرف ہو گئے۔ شام کو سامان سے لدے پھندے

جب وہ بازار سے باہر نکلے تو انہیں وہ سامان کہیں ... سے رکھنے کا خیال آیا۔

"کیوں نہ دو دن کے لئے ہم کسی اچھے ہوٹل میں کمرہ ... لیں؟" چیتن نے پائل سے پوچھ لیا۔

"اس کے علاوہ اور چارہ ہی کیا ہے۔ مجھے بھی تو دو دن کہیں باہر ہی گذارنے ہیں۔" پائل نے فوراً جواب دیا۔

اسی وقت چیتن نے فون کر کے ہوٹل سن این سینڈ میں کمرہ بک کرا یا اور ٹیکسی میں سامان رکھ کر پائل کے ساتھ ہوٹل کی طرف روانہ ہو گیا۔

ہوٹل میں پہنچ کر انہوں نے رجسٹر میں اپنے نام لکھے اور اپنا رشتہ میاں بیوی کا ظاہر کیا تاکہ کوئی شبہ نہ کرے۔

ہوٹل کے کمرے میں آتے ہی پائل کپڑوں اور زیورات کے پیکٹ کھول کر انہیں پہن کر چیتن کو دکھانے لگی۔ چیتن مسکرا کر اس کی پسند کی داد دینا رہا اور اس کی دلی خوشیوں کا اندازہ لگا کر دل ہی دل میں لطف اندوز ہونے لگا۔

" کچھ ہی دیر میں پائل کپڑوں اور زیورات کو سمیٹنے لگی تو چیتن ٹیلیفون پر روم سروس کا نمبر ملا کر چیدہ چیدہ کھانوں کا آرڈر دینے لگا۔ ہر ڈش کے آرڈر سے پہلے وہ پائل سے اس کی پسند کے بارے میں پوچھ لیتا۔ اس کے آرڈر کا سلسلہ طویل ہوتے دیکھ کر پائل پوچھ بیٹھی۔

"سارا کچن منگوانے کا ارادہ ہے کیا؟"

"سوچتا ہوں آج ہر ڈش کا مزہ چکھ لیا جائے۔"

"کوئی ڈش کل کے لئے بھی چھوڑو گے؟"

"وہ تو میں نے دنیا کی سب سے لذیذ ڈش چھوڑ رکھی ہے۔" چیتن نے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا۔

"کونسی؟" پائل نے حیران ہو کر پوچھا۔

"پائل.....!"

"ہٹ، بدمعاش کہیں کے.....!" اس نے شرما کر ساڑی سے اپنا چہرہ چھپا لیا اور چور نگاہوں سے چیتن کو دیکھنے لگی۔ جو اس کی اس ادا پر بے ساختہ قہقہے لگا رہا تھا۔

اسی وقت دروازے کی گھنٹی بجی۔ چیتن نے اُٹھ کر دروازہ کھول دیا اور بیرا کھانے کی ٹرالی لئے ہوئے اندر داخل ہوا۔ کھانوں کی خوشبو سونگھ کر دونوں کی بھوک چمک اُٹھی اور بیرے کے واپس جاتے ہی وہ کھانے پر ٹوٹ پڑے۔

ابھی انہوں نے آدھا پیٹ ہی کھانا کھایا ہوگا کہ دروازے کی گھنٹی پھر بج اُٹھی۔ یہ سوچ کر کہ بیرا کوئی اور چیز لے کر آیا ہوگا چیتن نے اُٹھ کر دروازہ کھول دیا۔

"لیکن دروازہ کھولتے ہی وہ گھبرا کر دو قدم پیچھے ہٹ گیا۔ سامنے کچھ پولیس والوں کے ساتھ اشوک اور کرنیل صاحب کا نیم کھڑے تھے۔

"یہی ہے وہ بدمعاش انسپکٹر صاحب۔ اور وہ رہی پائل بیٹا، جسے یہ سسرا بھگا کر لایا ہے!" نیم فوراً بولا۔

یہ سنتے ہی پائل کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ اس کے ہاتھ سے چمچہ چھوٹ گیا

اور وہ کھانا چھوڑ کر اُٹھ کھڑی ہوتی چیتن گھبراہٹ میں کبھی پولیس کو اور کبھی پائل کو دیکھ رہا تھا اور اس کے پیروں کے نیچے سے جیسے زمین سرکی جا رہی تھی۔

"تمہارا نام چیتن ہے؟" انسپکٹر نے تصدیق کے لئے اس سے پوچھا۔

"جی ہاں!" چیتن نے سنبھلتے ہوئے جواب دیا۔

"تم اس نابالغ لڑکی کو بھگا کر لائے ہو؟"

"جی نہیں۔ یہ اپنی مرضی سے میرے ساتھ آئی ہے۔ آپ پوچھ سکتے ہیں۔"

"یس انسپکٹر۔ میں اپنی مرضی سے ان کے ساتھ آئی ہوں ان کا کوئی قصور نہیں ہے!" پائل نے آگے بڑھتے ہوئے دلیری سے کہا۔

"ابھی اس کا قصور تمہیں معلوم کہاں ہوا ہے بیٹا۔ وہ تو انسپکٹر صاحب بتائیں گے۔" منیم نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"تمہارے نام گرفتاری کے دو وارنٹ ہیں!" انسپکٹر نے وارنٹ دیتے ہوئے کہا۔

"دو.... ؟ دو کیسے؟" چیتن نے حیرت سے پوچھا۔

"ایک تو تم نابالغ لڑکی کو بھگا کر لائے ہو دوسرے نشا انٹرپرائزرس کے ساتھ پچاس ہزار کا فراڈ کیا ہے تم نے!"

"فراڈ.... کیسا فراڈ؟" چیتن بوکھلا کر انسپکٹر کا منہ دیکھنے لگا۔

"تم نے سائن کئے ہوئے ایک چیک پر پچاس ہزار روپے بھر کر کیش کروا لیا ہے۔"

"یہ جھوٹ ہے۔ سراسر الزام ہے مجھ پر۔۔۔!" چیتن چیخ پڑا اور کچھ رک کر بولا۔ "پچاس ہزار کا چیک مجھے لتا جی نے میری شادی کے خرچ کے لئے دیا ہے۔ آپ ان سے پوچھ سکتے ہیں۔"

"لیکن فراڈ کی کمپلینٹ بھی انہوں نے ہی لکھوائی ہے،" انسپکٹر نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"کیا۔۔۔؟" چیتن پھر چیخ پڑا۔ اور روہانسی آواز میں بولا۔

"نہیں نہیں۔ وہ ایسا کبھی نہیں کر سکتیں۔ آپ مجھے ان کے پاس لے چلئے!"

"بس بس۔ جو کچھ تمہیں اپنی صفائی میں کہنا ہے، عدالت میں کہنا۔۔۔۔ یو آر انڈر اریسٹ۔۔۔۔ (YOU ARE UDER ARREST!" کہتے ہوئے انسپکٹر نے سپاہیوں کو اشارہ کیا اور انہوں نے لپک کر چیتن کو ہتھکڑی پہنا دی۔

چیتن سر سے پیر تک پسینے میں شرابور ہو گیا۔ وہ یہ سوچ کر پاگل ہوا جا رہا تھا کہ جس دن کا انتظار وہ چھ مہینے سے کر رہا تھا اس دن کے آنے سے صرف ایک دن پہلے اس کے سارے خواب چکنا چور ہوئے جا رہے تھے۔ اس نے گھبرا کر پائل کی طرف دیکھا تو اس کا چہرہ پیلا پڑ چکا تھا اور وہ مشکوک نگاہوں سے چیتن کو دیکھ رہی تھی۔

"یقین کرو پائل، یہ سب جھوٹ ہے۔ میں بالکل بے قصور ہوں۔" چیتن نے اس کے جذبات کو بھانپتے ہوئے کہا۔

"بس بس۔ اب اور بے وقوف بنانے کی کوشش نہ کرو اس معصوم کو!" منیم نے چمک کر کہنا شروع کیا۔ "تم پیدائشی فراڈ ہو۔ لیکن بچو۔ سنئے

ہیں منی آرڈر پہ دستخط کر کے وصول کرنے اور یہاں چیک کا فراڈ کرنے میں بہت فرق ہے۔ یہ بمبئی ہے بمبئی۔"

پائل کے کانوں میں سیٹیاں سی بج رہی تھیں۔ وہ اچانک اتنے بڑے صدمے سے تھر تھر کانپ رہی تھی۔

نیم کیا کہہ رہا ہے اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا۔ بس ایک ہی وہم اس کے ذہن میں بیٹھتا چلا جا رہا تھا کہ نشا جیسی بدتمیز لڑکی ہرگز اسے اتنی بڑی رقم نہیں دے سکتی۔ چیتن نے ضرور فراڈ کیا ہوگا۔

سوچتے سوچتے اس کا سر چکرانے لگا۔ سارا کمرہ اسے گھومتا ہوا محسوس ہوا اور وہ چکرا کر گرنے ہی والی تھی کہ اشوک نے لپک کر اسے اپنی بانہوں میں سنبھال لیا۔

"پائل۔ پائل۔۔۔۔!" اس نے جیسے اسے جگاتے ہوئے کہا "غم نہ کرو۔ اچھا ہوا بھگوان نے تمہیں تباہ ہونے سے بچالیا۔"

پائل کو اس کی آواز کہیں دور سے آتی ہوئی محسوس ہوئی اور وہ اس کی بانہوں میں بے ہوش ہوگئی۔

بمبئی میں پائل کا سراغ ملتے ہی کہ نل صاحب نے ہوائی جہاز سے نیم کو روانہ کر دیا تھا اور اب بے چینی سے بیٹی کی آمد کا انتظار کر رہے تھے۔ نیم نے جب بمبئی سے انہیں ٹیلیفون کیا کہ پائل بیٹا مل گئی ہے اور وہ اسے لے کر ہوائی جہاز سے پہنچ رہا ہے تو ان کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا۔ انہوں نے نوکروں کو حکم دے کر گھر صاف کروایا۔ پائل کے کمرے کو خاص طور سے سجانے کا حکم دیا اور خود نوکروں کی مدد سے برآمدے میں آکر کرسی پر بیٹھ گئے۔ تاکہ وہ اس اجڑے ہوئے گھر کو پھر سے سنورا ہوا دیکھ سکیں۔ بیٹی کو دیکھنے کے لئے وہ اتنے بے صبر ہوتے جا رہے تھے۔ کہ ہر دس پندرہ منٹ کے بعد نوکروں سے وقت پوچھ لیا کرتے تھے۔ آج ایک مدت کے بعد نوکروں نے اپنے مفلوج مالک کے چہرے پر رونق کے آثار دیکھے تھے۔

آخر کافی انتظار کے بعد پائل نیم کے ہمراہ ایک پرائیویٹ ٹیکسی پر اپنے

بنگلے کے کمپاؤنڈ میں داخل ہوئی۔ کرنل صاحب اسوقت یہ بھول گئے کہ وہ مفلوج ہو چکے ہیں۔ انہوں نے بے ساختہ اُٹھ کر بیٹی کا سواگت کرنا چاہا تو لڑکھڑا کر برآمدے کے ستون سے ٹکرا گئے۔ اگر نوکر لپک کر سنبھال نہ لیتا تو وہ دھڑام سے گر گئے ہوتے۔

پائل ٹیکسی سے اتر کر کانپتی ہوئی باپ کی طرف بڑھی۔ ان کا جھولتا ہوا ہاتھ اور ایک طرف سے ٹیڑھا ہونٹ دیکھ کر اس کا دل کانپ اُٹھا۔ اتنے ہی دنوں میں وہ پہچانے نہیں جا رہے تھے۔ چہرے پر گہری جھریاں پڑ گئی تھیں۔ اور سر کے بال سب روئی کی طرح سفید ہو گئے تھے۔ اسے بے ساختہ اتنا بھیانک خواب یاد آ گیا اور وہ "پاپا۔۔۔۔!" کی ایک دلدوز چیخ کے ساتھ ان کی طرف لپکی۔

"بیٹی۔۔۔۔!" کرنل صاحب نے بھرائی ہوئی نحیف آواز میں کہا اور دونوں ہاتھ پھیلا کر اسے سینے سے لگانا چاہا تو صرف ایک ہاتھ پھیل کر رہ گیا۔

اپنی اس بے بسی پر ان کی آنکھوں سے جھر جھر آنسو بہنے لگے وہ بولنا چاہتے تھے لیکن گلا رندھ گیا تھا۔ اس لئے ٹوٹے پھوٹے نہ سمجھ میں آنے والے الفاظ ان کے منہ سے نکل رہے تھے۔ پائل ان کی یہ حالت دیکھ کر اور پاگل ہو گئی ان سے لپٹ کر پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی۔

"بیٹی۔۔۔ بیٹی تو آ گئی۔۔۔۔!" کرنل صاحب نے اپنا رندھا ہوا گلا صاف کرتے ہوئے کہا۔ "مجھے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا ہے"

"مجھے معاف کر دیجئے پاپا۔ میں نے بہت دکھ پہنچائے ہیں آپ کو۔۔۔۔ بیٹیاں شاید ماں باپ کو دکھ پہنچانے ہی کے لئے جنم لیا کرتی ہیں۔۔۔۔۔!"

"تو لوٹ آئی، میرے سارے دکھ دور ہو گئے"

"میری وجہ سے آپ کی یہ حالت ہو جائے گی، میں نے سپنے میں بھی نہ سوچا تھا۔" کہتے ہوئے اس نے ان کا مفلوج ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔

"یہ سب تو بوڑھاپے میں ہوتا ہی رہتا ہے۔ اس میں تیرا کیا قصور؟"

انہوں نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا اور ذرا رک کر پھر بولے "بس اب تیری مانگ میں سیندور دیکھ لوں، مجھے کسی بات کا دکھ نہیں رہے گا۔۔۔۔ میں نے تجھے ہی نہیں، چیتن کو بھی معاف کر دیا ہے۔ تو اس سے شادی کرنا چاہتی ہے تو اسی سے کر لے"

چیتن کا نام سنتے ہی پائل کے ماتھے پر بل پڑ گئے لیکن وہ کچھ بول نہ سکی تو وہ پھر پوچھ بیٹھے۔

"اسے کیوں نہیں لاتی اپنے ساتھ؟"

"اس لئے کہ وہ جیل کی ہوا کھا رہا ہے!" پائل کے بجائے نیم نے جواب دیا۔ کرنل صاحب نے چونک کر اس کی طرف دیکھا تو پھر بولا۔

"بیٹا کو تو اس نے بے وقوف بنایا ہی تھا، جس کمپنی میں کام کرتا تھا۔ وہاں بھی پچاس ہزار کا فراڈ کر بیٹھا۔ اب بیٹا اس کے نام سے نفرت کرتی ہے"

"تو پھر۔۔۔۔ شادی۔۔۔۔؟" کرنل صاحب نے پریشان ہو کر کہا۔

"شادی کی چنتا آپ نہ کیجئے۔ میں نے بمبئی میں ایک لڑکا دیکھ لیا ہے ہر طرح سے بیٹیا کے لائق۔ اور بیٹیا بھی اسے پسند کرتی ہے۔"

"کیوں بیٹی؟"

پائل نے پاپا کی بات کا کوئی جواب نہ دیا اور نظریں جھکا لیں تو وہ پھر بولے۔

"جواب دو بیٹی۔ اب تو میں تمہاری مرضی کے خلاف ایک ایک قدم بھی نہ چلوں گا۔"

"نہیں پاپا۔ اب تو آپ کی مرضی ہی میری زندگی ہے!" پائل نے جلدی سے کہا اور اپنا چہرہ پاپا کے سینے میں چھپا کر رہ گئی تاکہ وہ اس کے پگھلتے جذبات کا اندازہ نہ لگا سکیں۔

"بس بس۔ اب مجھے کوئی چنتا نہیں رہی۔ آج میں آرام سے سو سکوں گا۔ مجھے میرے کمرے تک پہنچا دو۔"

یہ سنتے ہی نوکر انہیں سہارا دینے کے لئے لپکے تو انہوں نے اشارے سے انہیں روکتے ہوئے کہا۔

"نہیں نہیں۔ اب مجھے تمہارے سہارے کی ضرورت نہیں رہی۔ میری بیساکھی مجھے مل گئی ہے!"

کہتے ہوئے انہوں نے اپنا ایک ہاتھ پائل کے گلے میں ڈال دیا اور وہ انہیں تھام کر آہستہ آہستہ ان کے کمرے کی طرف چل پڑی۔

چیتن عدالت میں بہت چیخا چلایا۔ اپنی بے گناہی کی قسمیں کھائیں۔ نشا کو دغاباز اور بدچلن ثابت کرنا چاہا۔ لیکن بھارتی سماج جی کی ذہانت اور نشا کے پیسے کی طاقت نے اسے کچھ اس طرح پھانسا ایسی ایسی دلیلیں اور گواہیاں اس کے جرم کو ثابت کرنے کے لئے پیش کیں کہ عدالت اسے مجرم ماننے پر مجبور ہو گئی۔

دو تین پیشیوں کے بعد ہی اسے چھ مہینے کی قید کی سزا سنا دی گئی۔ عدالت کا فیصلہ سنتے ہی چیتن کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا۔ اسے اپنا مستقبل تاریک نظر آنے لگا۔ سماج اور دنیا تو اسے نفرت سے دیکھے گی ہی، لیکن اس کی پائل بھی اس سے بدظن ہو جاتے گی۔ یہ خیال آتے ہی وہ کانپ اٹھا۔ اس نے سوچا۔ واقعی نشا نے پچاس ہزار کا چیک دے کر اس کی قسمت بدل دی تھی۔ اس کا جی چاہا کہ وہ بھاگ کر نشا کے پاس پہنچے اور پے در پے اس پہ چاقوؤں کے اتنے وار کرے کہ وہ تڑپ تڑپ کر وہیں ٹھنڈی ہو جاتے۔ لیکن اپنے ہاتھوں میں ہتھکڑی دیکھ کر اس کا جوش ٹھنڈا پڑ گیا۔ وہ بے بس اور مجبور پرندے کی طرح تڑپ کر رہ گیا اور پولیس والے اسے بھی دوسرے مجرموں کے ساتھ جانوروں کی طرح ہانکتے ہوئے کچہری سے حوالات کی طرف لے چلے۔

حوالات کی کوٹھری میں اس کے ساتھ ایک کورے چٹے، چٹا دھاری مہاپُرش بھی تھے۔ جو صورت سے فرشتہ معلوم ہوتے تھے وہ بار بار چیتن کے معصوم مگر پریشان چہرے کو دیکھ کر مسکرا رہے تھے۔ لیکن ان کی اس توجہ سے

بے خبر ذہنی کشمکش میں مبتلا سر جھکائے بیٹھا ہوا تھا اس کے دل میں ناانصافی سے ٹکرانے کا خطرناک جذبہ سر اٹھا رہا تھا۔ لیکن جیسے ہی وہ کوئی فیصلہ کرنا چاہتا اسے فوراً مست قلندر کے کہے ہوئے الفاظ یاد آجاتے۔

"نانا۔ ایسی غلطی نہ کرنا۔ دھنوانوں سے ٹکرانے والی حکومتیں ٹوٹ جاتی ہیں۔ بڑے بڑے لیڈروں کا پتہ کٹ جاتا ہے۔ ہم تم کس گنتی میں ہیں، ہمیں یہ ظلم برداشت کرنا ہی ہوگا۔ کورٹ کچہری پولیس اسٹیشن، کارپوریشن اسمبلی، پارلیمنٹ۔ ہر جگہ انہیں کا سکہ چلتا ہے۔ جو آواز بھی ان کے خلاف اٹھتی ہے، دبا دی جاتی ہے۔ جو سر بھی اونچا ہوتا ہے، کچل دیا جاتا ہے۔ ہمیشہ سے یہی ہوتا آیا ہے۔ ہمیشہ یہی ہوتا رہے گا۔۔۔۔"

"نہیں نہیں۔۔۔۔!" چیتن کے منہ سے بے ساختہ نکل گیا۔

"کیا سوچ رہا ہے بابا؟" مہابو گی نے اسے بڑبڑاتے دیکھ کر پوچھ لیا۔

"جی۔۔۔ کچھ نہیں۔۔۔۔!" چیتن نے چونک کر کہا۔

"کتنی سزا ہوئی ہے؟"

"چھ مہینے کی!"

"کیا کیا تھا تو نے؟"

"ایک عیاش، امیر لڑکی نے جال میں پھنسا کر اپنی توہین کا بدلہ لیا ہے مجھ سے!"

"تم نشا کی بات کر رہے ہو؟"

اس جٹا دھاری کے منہ سے ننشا کا نام سن کر چیتن نے اس کی طرف یوں دیکھا جیسے وہ کوئی انتہا ئی اجنبی ہو اور تعجب سے پوچھ بیٹھا۔

"آپ اسے کیونکر جانتے ہیں؟"

"وہ چرس اور گانجے کا شوق رکھتی ہے۔ اکثر میرے آشرم میں آیا کرتی تھی۔"

"آپ کے آشرم میں ....؟"

"ہاں۔ میں سورگ آشرم کا گرو تھا اور وہاں بھی دھندہ کرتا تھا۔ اس لئے دھر لیا گیا!"

یوگی کے اس انکشاف نے چیتن کو حیرت میں ڈال دیا۔ اب تک وہ یہ سمجھ رہا تھا کہ اس کی طرح یہ بزرگ آدمی بھی کسی ناکردہ گناہ کی سزا بھگت رہا ہوگا۔ لیکن وہ بزرگ تو واقعی مہا گرو نکلے۔ وہ کچھ دیر تک اس کی طرف غور سے دیکھتا رہا اور پھر اچانک پوچھ بیٹھا۔

"کتنے دنوں کی سزا ہوئی ہے آپ کو؟"

"تین سال کی!" مہا یوگی نے لاپرواہی سے کہا۔

"اوہ .... آپ تو یوں کہہ رہے ہیں جیسے یہ کوئی بہت ہی معمولی سزا ہو۔"

"ہاں۔ تمہاری سزا کے مقابلہ میں معمولی ہی ہے۔ تمہیں چھ مہینے جیل میں کاٹنے پڑیں گے۔ اور میں شاید دو ایک دن ہی میں نکل جاؤں۔"

"دو ایک دن میں .... وہ کیسے؟ چیتن نے حیران ہو کر پوچھا۔

" اس کا انتظام ہو چکا ہے۔۔۔۔ تم اگر چاہو تو تم بھی میرے ساتھ باہر نکل سکتے ہو"

" کیا یہ ممکن ہے؟" چیتن نے پر امید ہو کر پوچھا۔

" اس دنیا میں کیا ممکن نہیں۔ صرف تھوڑی سی ہمت کی ضرورت پڑتی ہے۔"

" میں تیار ہوں!" چیتن نے فوراً کہا اور پھر رک کر بولا۔

" میں کسی طرح پاٹل سے مل کر اس کا دل صاف کر دینا چاہتا ہوں۔ اسے یقین دلا دینا چاہتا ہوں کہ میں بالکل بے قصور ہوں ورنہ مجھے ڈر ہے کہ وہ کوئی ایسا قدم نہ اُٹھا لے جس سے اسے اور مجھے زندگی بھر پچھتانا پڑے"

" سمجھ گیا۔ پاٹل شاید تمہاری پریمیکا ہے۔ فکر مت کرو۔ تم بہت جلد اس کے پاس پہنچ جاؤ گے!"

" میں آپ کا یہ احسان زندگی بھر نہ بھولوں گا!" چیتن نے ممنونیت بھرے لہجہ میں کہا۔

مہابوگی کے ہونٹوں پر پراسرار سی مسکراہٹ کھیلنے لگی اور چیتن دل ہی دل میں پاٹل کی غلط فہمی دور کرنے کا طریقہ سوچنے لگا۔

پولیس وین مہابوگی اور چیتن کو سینٹرل جیل میں منتقل کرنے کے لیے تیز رفتاری سے اڑی چلی جا رہی تھی۔ برسات کا موسم تھا۔ آسمان پر گہرے بادل چھائے ہوئے تھے۔ جس سے دن کے وقت ہی شام کا سا اندھیرا چھایا ہوا تھا

اس لئے ڈرائیور جلد سے جلد منزل پر پہنچ جانے کے لئے پوری رفتار سے گاڑی چلا رہا تھا وین کے اندر مہالوگی اور چیتن کے ساتھ چار مسلح سپاہی بھی بیٹھے ہوئے تھے اس لئے دونوں آپس میں کوئی بات نہیں کر رہے تھے۔

جیسے ہی وین شہر سے باہر نکل کر ہائی وے پر دوڑنے لگی، مہالوگی نے آنکھوں ہی آنکھوں میں چیتن کو کچھ اشارہ کیا اور وہ چوکنا ہو کر بیٹھ گیا اسی وقت اچانک درختوں کی آڑ سے وین کے اوپر گولیاں برسنے لگیں۔ ڈرائیور نے فوراً گاڑی روک دی اور مسلح سپاہی گاڑی سے کود کر بندوقیں تانے درختوں کی طرف دوڑ پڑے۔

"نکلو جلدی یہی موقعہ ہے"، مہالوگی نے چیتن سے کہا۔ "تمہارے ہاتھ کھلے ہوئے ہیں دروازہ کھول دو!"

چیتن نے فوراً وین کا دروازہ کھول دیا اور مہالوگی اس کے ساتھ پھرتی سے اتر کر ڈرائیور کی سیٹ کی طرف بڑھا۔ ڈرائیور نے گردن موڑ کر جالیوں سے انہیں اترتے ہوئے دیکھ لیا تھا اور وہ انجن بند کر کے اپنی طرف کا دروازہ کھول کر انہیں پکڑوانے کے لئے سپاہیوں کو آواز دینا ہی چاہتا تھا کہ مہالوگی کی ہتھکڑیاں زور سے اس کے سر پر پڑیں اور وہ آواز نکالے بغیر گاڑی سے گر کر سڑک پر ڈھیر ہو گیا۔

"چلو۔ جلدی سے وین لے کر بھاگ نکلو!"، مہالوگی نے اگلی سیٹ پر بیٹھتے ہوئے چیتن سے کہا اور چیتن نے فوراً اچھل کر ڈرائیور کی سیٹ پر بیٹھتے ہی انجن اسٹارٹ کر کے گاڑی کی رفتار تیز کر دی۔

وہ گاڑی پوری رفتار سے چلا رہا تھا۔ لیکن چند میل ہی دور جانے کے بعد چیتن نے عقب نما آئینہ میں دیکھا کہ پولیس کی تین چار جیپیں ان کے تعاقب میں آ رہی ہیں۔ اس نے فوراً ہی گاڑی کو ایک پہاڑی سڑک پہ موڑ دیا اور پیچ و خم کھاتی ہوئی سڑک پہ بھی اس نے اس کی رفتار کم نہ کی۔ اسی وقت ہلکی ہلکی بارش شروع ہو گئی اور پولیس کی گاڑیاں کافی پیچھے رہ گئیں۔ اندھیرے کی وجہ سے اس کے لئے گاڑی چلانا بڑا مشکل ہو گیا تھا لیکن جان کے خوف سے وہ رفتار کم نہ کر رہا تھا۔ تبھی ایک ڈھلان سے اُترتے ہوئے گاڑی اچانک پھسل کر سڑک کے کنارے گہری کیچڑ میں دھنس گئی۔

"اب کیا ہوگا.....!" چیتن نے گھبرا کر کہا۔

"اترو جلدی۔ اور اس وین میں آگ لگا دو!" مہایوگی نے گاڑی سے اترتے ہوئے کہا۔

چیتن نے پٹرول کی ٹینکی میں سے پٹرول نکالا اور گاڑی پر چھڑک کر آگ لگا دی۔ گاڑی دھڑا دھڑ جلنے لگی اور مہایوگی چیتن کا ہاتھ پکڑ کر بھاگتا ہوا گھنے جنگل میں داخل ہو گیا۔

اسی وقت بارش تیز ہو گئی اور وہ دونوں پہاڑی نالوں کو پھلانگتے، خاردار جھاڑیوں سے بچتے، درختوں کی شاخوں سے اُلجھتے، پتھروں سے ٹکراتے، بے تحاشہ بھاگتے میلوں نکل گئے۔ آخر کئی گھنٹے بھاگنے کے بعد چیتن تھک کر چور چور ہو گیا اور دم لینے کے لئے مجبور ہو گیا۔

اسی وقت انہیں اپنے قریب گھنے درختوں کا ایک جھنڈ نظر آیا۔ دونوں چھپنے کے لئے اس میں داخل ہوئے تو انہیں وہاں پہاڑی میں ایک گپھا نظر آئی وہ بارش سے بچنے کے لئے اس گپھا میں داخل ہو گئے اور چیتن ایک پتھر پہ بیٹھ کر ہانپنے لگا۔

"تم تو بہت تھک گئے۔" مہایوگی نے مسکرا کر کہا۔

"جی ہاں۔ زندگی میں کبھی اتنا نہیں بھاگا ہوں!"

"مگر بھاگنا چاہیئے۔ نہ جانے کب اس کی ضرورت پڑ جائے مجھے دیکھو۔ سانس تک نہیں پھولا ہے میرا۔ میں روزانہ صبح اٹھ کر چار پانچ میل کی دوڑ لگاتا ہوں۔ اور یوگا کرتا ہوں!"

"چلئے آپ کی بھاگ دوڑ اور یوگا آج کام تو آئی"

"زندگی میں ہر مشکل سے نپٹنے کے لئے ہمیشہ تیار رہنا چاہیئے یہاں قدم قدم پہ موت سے ٹکرانا پڑتا ہے!"

چیتن نے اس کی بات کا کوئی جواب نہ دیا اور خاموشی سے گپھا کی سنگین دیواروں کو دیکھنے لگا۔ جو نہ جانے کب سے زمانے کے سرد گرم کا مقابلہ کرتے ہوئے تن کر کھڑی ہوئی تھیں۔

"اب کیا فیصلہ ہے تمہارا؟" مہایوگی نے اس کی خاموشی کو توڑنے کے لئے پوچھا۔

"میں... میں کچھ سمجھا نہیں....!" چیتن نے اس کے سوال کا مطلب نہ سمجھتے ہوئے کہا۔

"تم جیل سے بھاگے ہوئے مجرم ہو۔ اُس دنیا میں واپس جاتے ہی پھر سے جیل میں ٹھونس دیئے جاؤ گے اور اس بار کم از کم دو سال کی سزا ہو گی"

"وہ تو میں جانتا ہوں۔ لیکن اور چارہ بھی کیا ہے؟"

"ایک راستہ ہے!"

"کیا؟"

"میرے ساتھی بن جاؤ!"

"کیسے؟"

"میں تمہیں بال یوگی بناؤں گا۔ بڑھے لکھے ہو۔ چہرے پہ معصومیت ہے۔ دینا لوٹ کھاؤ گے!"

"لیکن پولیس تو مجھے پہچان لے گی۔"

"یہ سب تم مجھ پہ چھوڑ دو۔ تمہارا حلیہ ایسا بدلوں گا کہ پولیس تو کیا، تمہاری پریمیکا بھی تمہیں نہ پہچان سکے گی۔"

پریمیکا کا لفظ سن کر چیتن کو پائل کی یاد آ گئی۔ وہ تڑپ اُٹھا اور اس کے خیالوں میں کھو گیا۔ مہایوگی نے اسے خاموش دیکھ کر پھر سوال کیا۔

"کیوں۔ کیا ارادہ ہے؟"

"مجھے دو دن کا موقعہ دیجئے۔ میں پائل سے مل کر بات کر لوں۔ اگر اسے میری بے گناہی پہ یقین آ گیا تو میں دو سال کی جیل کاٹ لوں گا۔ ورنہ....."

"ورنہ کیا؟" مہایوگی نے جلدی پوچھا۔

"ورنہ میرے سامنے ایک ہی راستہ ہوگا..... جو آپ نے مجھے دکھایا ہے!"

"تو جاؤ۔ کوشش کر کے دیکھ لو..... میرے دوار تمہارے لئے ہمیشہ کھلے رہیں گے!"

دو روز کے پوشیدہ سفر کے بعد جب چیتن شملہ پہنچا تو رات کا پہلا پہر تھا۔ وہ شہر والوں سے چھپتا چھپاتا کرنل صاحب کے بنگلہ کی جانب روانہ ہو گیا۔ اس کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا اور پیشانی پہ پسینے کی بوندیں اُبھر آئی تھیں۔ اسے ابھی تک دھڑکا لگا ہوا تھا کہ اس کی پائل اس کی بے گناہی پہ یقین کرے گی یا نہیں۔

وہ پچھواڑے کی پگڈنڈی سے نکل کر جونہی چندن کے پیڑ کے قریب پہنچا اچانک ایک دھچکے سے رک گیا اور بنگلے کی عمارت اور ان پیڑوں کو دیکھنے لگا جو رنگ برنگے برقی قمقموں سے جگمگا رہے تھے۔ چاروں طرف لوگوں کی چہل پہل دیکھ کر اس نے اپنے آپ کو اندھیرے میں چھپانے کی کوشش کی۔

وہی ہوا جس کا اسے ڈر تھا۔ اس کی پائل اس سے بدظن ہو کر ہمیشہ کے لئے کسی اور کی ہو گئی تھی۔ اس کے منہ پہ قسمت نے جیسے طمانچہ دے مارا تھا۔ اس کا جی چاہا وہ اپنے درد سے چیختا ہوا منڈپ کے اندر گھس جائے اور اپنی محبوبہ کے دولہا کا سہرا نوچ کر پھینک دے لیکن وہ ایسا نہ کر سکا۔ قانون اور سماج دونوں نے اس کے پیروں میں زنجیریں ڈال دی تھیں وہ جہاں کھڑا

پتھر بنا کھڑا رہا اور نہ جانے کتنی دیر تک اپنی بربادی کا تماشہ دیکھتا رہا۔

اچانک آتش بازی کے شور نے جیسے اسے جگا دیا۔ بینڈ باجے کی آواز نے ابھر کر مہمانوں کے شور و غل کو دبا دیا۔ اس نے دیکھا کہ اس کی پائل دولہن بنی ہوئی اپنے دولہا کے ہمراہ اس موٹر گاڑی کی طرف لائی جا رہی تھی جو پھولوں سے لدی ہوئی تھی۔ بدائی کا وقت تھا۔ عزیزوں رشتہ داروں کی آنکھوں میں آنسو تیر رہے تھے۔ کرنل صاحب بھی بیساکھی کا سہارا لئے بیٹی کو وداع کر رہے تھے۔ وہ شیر دل ریٹائرڈ فوجی جو بات بات پر بندوق نکال کر دینا کو ڈراتا تھا، آج اپنی بیٹی سے گلے مل کر پھوٹ پھوٹ کر رو رہا تھا۔

چیتن نے اندھیرے سے ذرا باہر آ کر اپنی پائل کو جھانک کر دیکھنا چاہا لیکن وہ سرخ کپڑوں میں لپٹی ایک گٹھڑیا کی طرح منہ چھپا کر گاڑی میں جا بیٹھی۔ اور جب دولہا نے سر سے سہرا ہٹا کر کرنل صاحب کے پاؤں چھوئے تو ایک تیز نشتر سا چیتن کے سینے کو چیرتا ہوا دل میں اتر گیا۔ اس کا دولہا اشوک تھا جس کے یہاں وہ ملازم تھی۔ ہونی نے ایک ایسا چکر چلایا کہ اس کی زندگی کی بازی الٹ کر رہ گئی تھی۔

تھوڑی ہی دیر میں باجوں گاجوں کے ہمراہ پھولوں سے سجی کار کرنل صاحب کے بنگلے سے باہر نکل گئی اور انہوں نے اطمینان کا سانس لیا۔ لیکن چیتن کو یوں لگا جیسے چند لمحوں کے لئے اس کا سانس رک گیا ہو۔ کاٹو تو بدن میں لہو نہیں۔ اس کی تمام امیدیں آتش بازی کے گولوں کی طرح آسمان پر پھٹ کر اندھیروں میں سما گئیں۔ شرافت، ایمانداری، محبت اور اخلاق، سب پر سے اس کا وشواس

اٹھ گیا۔

جب دولہا دولہن دولہن کی گاڑی اس کی نظروں سے اوجھل ہو گئی تو چیتن نے گھوم کر چندن کے اس پیڑ کو دیکھا جو ان کی محبت کا اکلوتا گواہ تھا۔ اس وقت بھی اس کے تنے سے ناگ لپٹ رہا تھا جو اس کے اُدھر دیکھتے ہی زور سے پھنکارا اور زبان لپلپا کر چیتن کو یوں دیکھنے لگا جیسے وہ بھی اس کی محبت کی ہار پہ خوش ہو رہا ہو۔ اس کے دیکھتے ہی دیکھتے ناگ نے تیزی سے اپنا پھن آگے بڑھا کر اسے ڈسنا چاہا۔ لیکن چیتن نے جھپٹ کر اسے اپنی مٹھی میں دبوچ لیا اور ان کے سر کو انگوٹھے سے دبانے لگا۔ ناگ بل کھا کھا کر اس کی گرفت سے نکلنے کی کوشش کرنے لگا۔ لیکن چیتن اپنی پوری طاقت سے اسے دباتا رہا آخر دھیرے دھیرے ناگ نے دم توڑ دیا۔

چیتن کو لگا جیسے اس نے اپنی محبت کے دشمن کا گلا گھونٹ دیا ہو اور وہ اپنی اس خیالی کامیابی پر زور زور سے قہقہے لگانے لگا۔

خود اپنے ہی قہقہے کی آواز نے بال یوگی کے خیالات کا سلسلہ توڑ دیا اور وہ چونک کر اپنے آس پاس دیکھنے لگے۔ ان کے چیلے ایئر ہوسٹس اور چند مسافر ان کے قریب کھڑے حیرت سے انہیں دیکھ رہے تھے۔ لیکن کسی کو کچھ پوچھنے کی ہمت نہ ہوئی۔ بال یوگی نے اپنے جذبات کو ٹھنڈا کرنے کے لئے سامنے رکھی ہوئی پھلوں کی ٹرے پر زور سے ہاتھ مارا اور پھل ہوائی جہاز کے فرش پر بکھر گئے۔ اسی وقت لاؤڈ اسپیکر پر ایک نسوانی آواز سنائی دی۔

"کرپیا دھیان دیجئے۔ ہمارا ومان تھوڑی ہی دیر میں سانتا کروز ہوائی اڈے پر اُترنے جا رہا ہے۔ اپنی اپنی کرسیوں کی پیٹیاں باندھ لیجئے اور دھوم پان بند کیجئے۔ دھنیہ واد..... !"

تھوڑی ہی دیر بعد ہوائی جہاز کے پہیئے رَن وے سے ٹکرائے اور جہاز اپنی رفتار کم کرتا ہوا ہوائی اڈے کی عمارت کے سامنے آکر ٹھہر گیا۔

جیسے ہی بال یوگی اپنے چیلوں کے ساتھ جہاز سے نکل کر سیڑھیوں پر آئے، تو ہوائی اڈے کی چھت پر کھڑے ہوئے بال یوگی کے ہزاروں عقیدت مند جے جے کار کے نعرے لگانے لگے۔

اسی وقت ہاروں اور پھولوں سے لدی ہوئی ایک کار ان کی طرف بڑھی اور ہوائی جہاز کے پاس آ کر رک گئی۔ بال یوگی اس کار میں بیٹھ کر روانہ ہو گئے۔

ناسک کی آب و ہوا یوں تو معتدل ہے۔ لیکن مئی کا مہینہ یہاں بھی آگ برساتا ہوا محسوس ہوتا ہے اور دوپہر کے وقت کسانوں اور مزدوروں کو کھیتوں میں کام کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔

اشوک اپنے فارم پہ کام کرنے والے مزدوروں کو دوپہر کی چھٹی دے کر گھر پہنچا تو وہ خود بھی پسینے میں نہایا ہوا تھا۔ اس نے گھر میں داخل ہوتے ہی بش شرٹ اتاری اور اپنی بیوی کو آواز دی۔

پائل فوراً اپنے کمرے سے باہر آ گئی اور اسے پسینے میں شرابور دیکھ کر بولی۔

"لگتا ہے۔ آج فارم پہ خود کام کرتے رہے ہو۔ پسینے پسینے ہو رہے ہو۔"

"گرمی ہی ایسی پڑ رہی ہے۔ تم ذرا میرے نہانے کے لئے پانی تو رکھوا دو!"

"آپ پنکھے کے نیچے تھوڑی دیر دم لیجئے۔ میں اتنے میں پانی رکھواتی

ہوں ''۔ کہتے ہوئے وہ جونہی باہر جانے لگی اشوک نے اچانک اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچ لیا۔ وہ ایک دھچکے کے ساتھ رکی اور اسے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔ تو اشوک کے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھر گئی۔

'' آج بہت خوبصورت نظر آ رہی تم۔ '' اس نے اسے قریب کرتے ہوئے کہا۔

'' چار سال شادی کو ہو گئے۔ اب کیا خوبصورت نظر آؤں گی''، پائل نے نظریں جھکاتے ہوئے کہا۔

'' مجھے تو اب بھی پہلی رات کی دلہن نظر آتی ہو!''، کہتے ہوئے اشوک نے اس کے پھول سے گال کو چوم لیا۔

'' ہائے رام۔ . . . ''، پائل نے گھبرا کر ادھر اُدھر دیکھتے ہوئے کہا، '' آپ تو نہ وقت دیکھتے ہیں نہ موقعہ۔ ماں جی دیکھ لیں تو کیا کہیں گی''

'' کیا کہیں گی۔ یہی نا کہ بھونرے جو کچھ بیٹے کو سکھایا ہے وہی کر رہا ہے''

'' اچھا اب چھوڑیئے یہ لفافہ بازی۔ مجھے آپ کے نہانے کو پانی گرم کرانا ہے۔ . . . !''، کہتے ہوئے پائل نے اس سے الگ ہونا چاہا لیکن اشوک نے اسے نہ چھوڑا اور بولا۔

'' جانتی ہو پائل۔ ہمارے ندی والے فارم کے پاس جو آشرم بن رہا ہے اس میں ایک بال یوگی آ کر ٹھہرے ہیں۔ بڑی مانتا ہے ان کی۔ دور دور سے لوگ آشیرواد لینے چلے آ رہے ہیں ایک میلہ سا لگا ہوا ہے۔''

'' جی ہاں۔ سنا ہے۔ . . !''، پائل نے بجھے دل سے کہا۔

'' کیوں نا چل کر ان کا آشیرواد لے لیں۔ شاید ان کی کرپا سے ہماری مراد

پوری ہو جاتے،،

"آپ سے ماں جی نے کہا ہوگا؟"

"ہاں۔ اور کہہ رہی تھیں تم نے جانے سے انکار کر دیا،،

"مجھے ان ٹوٹکوں میں وشواس نہیں رہا۔ جب بھگوان کو ہی منظور نہیں ہے تو کوئی یوگی یا سادھو سنت کیا کر سکتا ہے!" کہتے کہتے پاٹل کے چہرے پر دکھ کا سایہ سا لہرانے لگا۔

اشوک نے اس کا اُترا ہوا چہرہ دیکھا تو کچھ شرمندہ سا ہو گیا اور ڈرتے ڈرتے بولا۔

"اگر میرا نہیں تو ماں کی تمناؤں کا خیال کرو۔ انہیں خاندان کا وارث چاہیئے۔ اگر تم نہ جاؤ گی تو ان کا دل بجھ جائے گا۔"

پاٹل نے اشوک کی آنکھوں میں دیکھا تو اسے وہاں ایک عجیب سی بے بسی ڈیرہ جمائے ہوئے نظر آئی۔ وہ اپنا ہاتھ چھڑا کر بنا کچھ جواب دیئے باہر نکل گئی اور اشوک اسے حسرت بھری نگاہوں سے دیکھتا رہ گیا۔

بال یوگی کے آشرم میں صبح سے ہزاروں عقیدت مندوں کی بھیڑ لگی ہوئی تھی۔ اور لوگ بے چینی سے ان کے درشن کا انتظار کر رہے تھے۔ جوں جوں وقت گذرتا جا رہا تھا ان کی بے چینی بڑھتی جا رہی تھی۔ اسی بھیڑ میں سمترا دیوی اور پاٹل بھی شامل تھیں۔

اچانک مٹھ کے اندر سے شنکھ کی آواز آنے لگی۔ جو اس بات کا اعلان

تھا کہ بال یوگی درشن دینے کے لئے باہر تشریف لانے والے ہیں۔
سارے لوگ جلدی سے دوڑ کر قطاروں میں کھڑے ہو گئے۔ سمتر ادیوی کے نوکر نے ان کی کرسی بھی دھکیل کر قطار میں کھڑی کر دی اور پائل ان کے پیچھے کرسی کی پشت پکڑ کر کھڑی ہو گئی۔
سنکھ کی آواز ختم ہوتے ہی مٹھ کے دروازے کے اندر سُرخ رنگ کی روشنی کا ایک گولہ سا ابھرا اور اس روشنی کے اندر سے بال یوگی یوں برآمد ہوتے جیسے سورج سے کوئی دیوتا نکل رہا ہو۔ لوگ انہیں دیکھتے ہی جے جے کار کے نعرے لگانے لگے۔ وہ ہونٹوں پہ پاکیزہ سی مسکراہٹ لئے ہوئے آگے بڑھے اور لوگ ان کے چرن چھو چھو کر، ان کے قدموں پر سر رکھ کر آشیرواد لینے لگے۔
بال یوگی۔ ہوا میں ہاتھ بڑھا کر کسی کے ہاتھ پر پھول رکھ دیتے، کبھی چٹکی بجا کر کسی کے ہاتھ پر ایک چٹکی راکھ رکھ دیتے، کبھی کسی اپاہج کو کڑی نظر سے دیکھ اُوم تت ست، کا نعرہ لگا کر آگے بڑھ جاتے۔ اور لوگ حیران ہو کر ان کے چمتکاروں کو دیکھ رہے تھے۔ بال یوگی اسی طرح ہر کسی کو کچھ نہ کچھ دیتے ہوئے آگے بڑھتے رہے۔
جیسے جیسے بال یوگی سمترا دیوی کے قریب آتے جا رہے تھے، ان کے دل کی دھڑکنیں تیز ہوتی جا رہی تھیں۔ انہیں ایسا لگ رہا تھا جیسے بھگوان بال یوگی کے روپ میں ان کی منو کامنا پوری کرنے چلے آ رہے ہیں۔
لیکن پائل کی نگاہیں جھکی رہیں۔ اس نے ان کی طرف دیکھنا بھی گوارا نہ کیا۔ سادھو سنتوں سے اس کا وشواس بالکل اُٹھ چکا تھا۔ اس وقت وہ اپنی سانس

کا دل رکھنے کے لئے یہاں چلی آئی تھی۔ ورنہ اسے بال یوگی اور ان کے مٹھ سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔

بال یوگی سمترا دیوی کو دیکھتے ہی چونک پڑے اور ان کے پیچھے کھڑی پائل کو دیکھ کر ایک پل کے لئے ان کے ہونٹوں کی مسکراہٹ غائب ہوگئی۔ لیکن انہوں نے فوراً ہی اپنے آپ کو سنبھال لیا اور سمترا دیوی سے پوچھا۔

"تمہیں کیا دکھ ہے ماں؟"

"دھلیہ ہے۔ آپ نے مجھے ماں کہا۔ اب تو میں آپ کے چرن بھی نہیں چھو سکتی۔" سمترا دیوی نے خوش ہو کر کہا۔

"اس کی کوئی آؤشکتا نہیں یہاں آنے کا کارن؟"

"میری منو کامنا مہاراج!" وہ ٹھنڈی سانس بھر کر بولیں۔

"چلنے پھرنے سے لاچار ہو چکی ہو؟"

"نہیں مہاراج، یہ دکھ تو کچھ بھی نہیں ہے۔ مجھے میرے گھر انے کا چراغ چاہیئے۔"

"چراغ۔۔۔۔!" انہوں نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے کہا۔

"میری بہو بے اولاد ہے۔ بڑی آشا لے کر آئی ہے" انہوں نے پیچھے کھڑی پائل کی طرف اشارہ کیا۔

بال یوگی نے پائل کو غور سے دیکھا تو وہ دکھ کی تصویر بنی نظر آئی۔ ان کے دل کا سارا کرب ان کے چہرے پر ابھر آیا اور پائل کو مخاطب کرتے ہوئے انہوں نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"نظریں اوپر اُٹھاؤ۔ دیکھو تو تمہارے سامنے کون کھڑا ہے اویکھشا لو مجھ سے بالکے.....!"

یہ درد بھری آواز سنکر پائل چونک پڑی۔ اس نے آہستہ آہستہ نگاہیں اوپر اٹھا کر بال یوگی کی طرف دیکھا اور دیکھتی ہی رہ گئی۔ اس کی پلکیں جیسے جھپکنا بھول گئیں۔ چند لمحوں میں اس کے چہرے پر کئی رنگ آتے اور چلے گئے اس کا سارا وجود کانپنے لگا اور ہونٹ تھرتھرانے لگے۔

"نہیں نہیں.....!" اچانک ایک تیز چیخ اس کے منہ سے نکلی اور وہ پلٹ کر بے تحاشہ بھاگتی ہوئی آشرم کے کمپاؤنڈ سے باہر نکل گئی۔

بال یوگی اسے دور تک بھاگتا ہوا دکھ بھری نگاہوں سے دیکھتے رہے۔ تو سمترا دیوی ان کے دکھ کو غصہ سمجھتے ہوئے ڈر کر بولیں۔

"شما کیجئے مہاراج۔ اس نے نادانی میں آپ کا اپمان کر دیا۔ لیکن بڑی دُکھی ہے۔ اسے آپ کے کرودھ کی نہیں، کرپا کی ضرورت ہے.....!"

"ہاں.....!" بال یوگی ایک ٹھنڈی سانس بھر کر بولے۔ اور کچھ رک کر پوچھ بیٹھے "اس کے وواہ کو چار سال ہو گئے نا؟"

"ہاں مہاراج۔ آپ تو انتر گیانی ہیں۔ بالکل ٹھیک بتایا آپ نے!"

"گھبراؤ نہیں جس گربھ میں وہ جکڑی ہوئی ہے۔ جلد ہی کٹ جائے گی!"

"تو کیا میرے خاندان کو وارث مل جائے گا؟" سمترا دیوی نے پرم امید ہو کر پوچھا۔

"اس پر بھروسہ رکھو!" بال یوگی نے اوپر ہاتھ اُٹھا کر کہا اور اسی وقت

جیسے ہوا میں سے ایک تازہ اور خوش رنگ سیب ان کے ہاتھ میں آ گیا۔
سمترا دیوی ان کا یہ چمتکار دیکھ کر ابھی سنبھلنے بھی نہ پائی تھیں کہ انہوں نے وہ سیب ان کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔
"لو، یہ سیب ان دونوں کو آدھا آدھا کھلا دینا۔ بھگوان لے چاہا تو سال بھر کے اندر اندر تمہاری بہو کی گود ہری ہو جائے گی.... اور ہاں ایک بات کا خیال رکھنا۔"
"کیا مہاراج؟"
"کل سے تمہاری بہو کے ماتھے پر سیندور کا نہیں، چندن کا ٹیکہ ضرور ہونا چاہیئے؟"
"جو آپ کی آگیا مہاراج.... !" سمترا دیوی نے عقیدت سے ان کے ہاتھ چومتے ہوئے کہا اور بال یوگی 'ہری اوم، تت ست' کہتے ہوئے آگے بڑھے۔
پائل کا پورا دن بڑے اضطراب میں گذارا تھا۔ آشرم سے واپس آ کر کسی کام میں اس کا جی نہ لگا تھا اور رات کو بغیر کھانا کھائے وہ سونے کے لئے اپنے بیڈ روم میں چلی گئی تھی۔
سمترا دیوی اس کی حالت دیکھ کر خوف زدہ سی ہو گئی تھیں۔ اس کا آشرم سے چیخ کر بھاگ جانا، اور سارا دن کھوئے کھوئے رہنا بال یوگی کی اس بات کی تصدیق کر رہا تھا کہ وہ کسی گرہ میں ضرور جکڑی ہوئی ہے۔ یوں تو بال یوگی کا آشیرواد انہیں ڈھارس بندھا رہا تھا۔ پھر بھی وہ فکر مند تھیں اور گھر کی شانتی کے لئے بار بار بھگوان سے پرارتھنا کر رہی تھیں۔

پائل شوہر کا انتظار کئے بنا سونے کی کوشش کر رہی تھی۔ لیکن وہ جیسے ہی آنکھیں بند کرتی، بال یوگی کا سراپا اس کے سامنے آکھڑا ہوتا اس کے منہ سے چیخ نکلتے نکلتے رہ جاتی اور وہ گھبرا کر آنکھیں کھول دیتی۔ وہ ابھی اسی عذاب میں مبتلا تھی کہ اشوک بیڈروم میں داخل ہوا۔ وہ آہستہ آہستہ اس کی طرف بڑھا اور پلنگ پر پاس بیٹھتے ہوئے بولا۔

"ماں جی کہہ رہی تھیں۔ آج تم نے کھانا نہیں کھایا!"

"بھوک نہیں تھی!" وہ آہستہ سے بولی۔

"تو لو۔ یہ سیب کھالو!" اس نے ہاتھ میں چھپا ہوا سیب پائل کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"نہیں، میرا جی نہیں!"

"لیکن اسے ہم دونوں کو آدھا آدھا کھانا ضروری ہے"

"کیوں؟"

"بال یوگی کی یہی آگیا ہے!"

"بال یوگی.....؟" وہ چونک کر اُٹھ بیٹھی۔

"ہاں۔ یہ انہی کا پرشاد ہے۔ ماں جی کہتی تھیں۔ اس کے بعد ہماری منو کا منا ضرور پوری ہو جائے گی!"

"ہماری نہیں، ماں جی کی!" اس نے غصّہ سے کہا اور ساکن نظروں سے شوہر کو دیکھنے لگی۔ اس کی آنکھوں میں سیبوں کے باغ کا وہ سماں گھوم گیا جب وہ اور چیتن دانتوں میں داب کر ایک ہی سیب آدھا آدھا کھا رہے تھے۔

وہ تڑپ اُٹھی اور گھور گھور کر سب کو دیکھنے لگی۔

"یہ کیا ہو گیا ہے تمہیں؟" اشوک اس کی یہ حالت دیکھ کر خوف زدہ لہجہ میں پوچھ بیٹھا۔

"تنگ آچکی ہوں میں ان ٹوٹکوں سے۔ اب میں کوئی ٹونا ٹوٹکا نہیں کروں گی!" وہ جھنجھلا کر بولی۔

"پلیز.... میرے لئے!" اشوک نے التجا کی۔

"آپ کے لئے میں نے کیا کیا نہ کیا۔ ڈاکٹروں حکیموں سے علاج کروایا۔ پیروں فقیروں کے سامنے جھولی پھیلائی۔ سادھو سنتوں کے چرن چھوئے جھاڑ پھونک کرنے والوں کی واہیات باتیں برداشت کیں۔ سنتوشی ماں کے برت رکھے۔ باسی روٹیاں کھا کھا کر دن گزارے کوؤں کو دودھ بھات کھلایا.... اب اور کیا چاہتے ہیں آپ؟ جب قسمت میں ہی اولاد نہیں لکھی تو یہ آدھا سیب کھانے سے کیسے ہو جائے گی....؟"

پائل ایک سانس میں کہتی چلی گئی۔ اس کے خاموش ہوتے ہی اشوک نے خوشامد کرتے ہوئے کہا۔

"مان جاؤ پائل۔ ممکن ہے بال یوگی کا یہ پرشاد ہماری آشاؤں کا دیپ جلا دے"

"کچھ نہیں ہوگا۔ سب ڈھونگی اور بدمعاش ہیں۔ کوئی یوگی نہیں ہے اس دھرتی پہ!"

"میں تمہارے جذبات سمجھتا ہوں پائل۔ پھر بھی اس طرح کسی کی بے عزتی

نہیں کرنا چاہیئے۔ بال یوگی ہیں کچھ تو شکتی ہو گی جو کہ دنیا ان کی طرف کھنچی چلی آرہی ہے ... لو۔ یہ سیب کھا لو۔ اس کے بعد اگر سنتان نہ ہوئی تو پھر میں تم سے کچھ کرنے کو نہ کہوں گا۔ اپنی قسمت پر صبر کر کے بیٹھ جاؤں گا.....!"
کہتے کہتے اشوک کی آنکھیں نم ہو گئیں پائل کو اچانک اس کی حالت پر ترس آ گیا اور وہ ہاتھ بڑھاتے ہوئے بولی۔

"تو لائیے۔ پہلے آپ کھائیں گے یا میں؟"

"دونوں ایک ساتھ کھائیں گے!"

اشوک نے خوش ہو کر جلدی سے کہا اور وہ سیب دانتوں میں پکڑ کر اپنا منہ پائل کی طرف بڑھا دیا۔ پائل نے بھی سیب میں اپنے دانت گاڑ دیئے اور دونوں اس طرح سیب کھانے لگے۔

تھوڑی دیر کے لئے پائل پھر تصوّرات کی دنیا میں کھو گئی اچانک اسے اشوک اس وقت چیتن نظر آنے لگا۔ وہ خود سولہ سترہ سال کی چنچل پائل بن گئی اور ایک انجانی سی لذت اس کے رگ و ریشہ میں دوڑنے لگی۔

"جانتی ہو۔ بال یوگی نے اور کیا کہا ہے؟" اشوک کی آواز نے اسے چونکا کر دیا اور وہ تصوّرات کی دنیا سے نکلتے ہوئے ماتھے پر بل ڈال کر پوچھ بیٹھی۔

"کیا کہا ہے؟"

"تم کل سے ماتھے پر سیندور کا ٹیکہ نہیں لگاؤ گی۔"

"وہ کون ہوتا ہے۔ میرے ماتھے سے سیندور چھڑانے والا؟" وہ

بھڑک کہہ بولی۔

"نہیں نہیں۔ پوری بات تو سنو۔ انہوں نے کہا ہے تم سیندور کے بجائے چندن کا ٹیکہ لگایا کرو!"

"چندن" کا لفظ پائل کے دل پہ تیر کی طرح لگا۔ وہ چیتن کے اس طرح انتقام لینے پہ تلملا گئی اور اس نے منہ میں بھرا ہوا سیب کا گودا نفرت سے زمین پہ تھوک دیا۔ اشوک پھر گھبرا گیا اور جلدی سے بولا۔

"ارے ارے۔ آج تم اس طرح بار بار بھڑک کیوں اٹھتی ہو؟"

"اس لئے کہ میں تنگ آ گئی ہوں۔ ان سب باتوں سے۔ کیا آپ مجھ پہ رحم نہیں کر سکتے؟"

"رحم کی بھیک تو میں تم سے مانگ رہا ہوں..... کہا نا یہ میری آخری التجا ہے تم سے!"

اشوک نے اس طرح گڑگڑا کر کہا کہ پائل کو پھر اس پہ ترس آ گیا اور اس نے دوبارہ سیب کھاتے ہوئے کہا۔

"اچھا یہ بھی کر کے دیکھ لوں گی اور کچھ بال یوگی مہاراج نے کہا ہو تو وہ بھی بتا دیجئے۔"

"وہ بتانے والی بات نہیں ہے!" اشوک نے مسکرا کر کہا اور اسے اپنی آغوش میں کھینچ لیا۔

پائل اس کی اس حرکت پہ مسکرا دی اور اپنے آپ کو اس کے حوالے کر دیا۔ اشوک کو ایسا محسوس ہوا جیسے بال یوگی کا آشیرواد آج ہی سپھل ہو جائے گا۔

بھگوان اسے ضرور اولاد سے نوازیں گے۔ اس میں ایک نیا جوش اور ولولہ پیدا ہو گیا۔ اس نے وہی جوش اور ولولہ پائل میں بھی بیدار کرنے کی کوشش کی.... لیکن پائل تو جیسے کوئی فرض نبھا رہی تھی۔ اسے اس کے پیار سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔

تھوڑی ہی دیر میں اشوک پائل سے جدا ہو کر بستر پر لیٹ گیا اور اس کے بازو پر اپنا سر رکھ کر جلد ہی خراٹے بھرنے لگا۔ لیکن پائل کی آنکھوں سے نیند اب بھی اڑی ہوئی تھی۔ اسے اپنے شوہر پر ترس آ رہا تھا جو محض اولاد کی تمنا میں ماں اور اس ڈھوں گی بال یوگی کا آلۂ کار بنا ہوا تھا۔

کچھ ہی دنوں میں بال یوگی کی شہرت جنگل کی آگ کی طرح آس پاس کے سارے علاقوں میں پھیل گئی۔ زندگی کی خوشیوں سے محروم اور مجبور عوام کسی چمتکار کی توقع میں دور دراز کا سفر طے کر کے ان کے درشنوں کو آنے لگے جو لوگ ان کے آرشیرواد کے باوجود نراش ہو جاتے وہ اسے اپنی قسمت سمجھ کر چپ ہو جاتے۔ لیکن جن کی منو کامنا پوری ہو جاتی وہ دن رات بال یوگی کے گن گاتے نہ تھکتے۔ کوئی ان کے چہرے کو تیج کو سراہتا تو کوئی ان کے چمتکاروں کو بڑھا چڑھا کر بیان کرتا۔ کچھ لوگ تو یہ کہنے سے بھی نہ چوکتے کہ بال یوگی بھگوان کا اوتار ہیں۔ اس چرچا سے ان کے شردھالو دن بدن بڑھتے ہی جا رہے تھے۔

پائل کے گھر میں بھی دن رات بال یوگی کے گن گائے جا رہے تھے۔ اس کی

ساس اور شوہر گھر لٹنے کے وارث کے لئے ان کی ذات سے پوری آس لگائے بیٹھے تھے۔ پائل کے کانوں کو ان کی یہ چرچاتیر کی طرح چھیدتی رہتی۔ لیکن وہ وہ ضبط کر کے رہ جاتی۔

آج گورو وار تھا اور سمترا دیوی بال یوگی کے درشن کو جانے والی تھیں۔ انہوں نے پائل سے بھی اپنے ساتھ چلنے کو کہا۔ لیکن اس نے صاف انکار کر دیا تو وہ نوکر کے ساتھ اکیلی ہی چل پڑیں۔

حسب دستور بال یوگی اپنے عقیدت مندوں کو درشن دینے مٹھ سے باہر آئے تو آسمانی مسکراہٹ ان کے ہونٹوں پہ نمودار ہوئی اور وہ اپنا چمتکار دکھاتے لوگوں کو آشیرواد دیتے آگے بڑھنے لگے۔ سمترا دیوی کے پاس آکر وہ کھڑے ہو گئے جیسے انہیں ان کی آمد کی پہلے سے اطلاع مل چکی ہو۔ لیکن ان کے آس پاس جب پائل نظر نہ آئی تو وہ کچھ مایوس سے ہو گئے۔

"ماں۔ آج بہو نہیں آئی کیا؟" انہوں نے بڑے نرم لہجہ میں پوچھا اور اس سے پہلے کہ سمترا دیوی کوئی مناسب جواب دے پائیں وہ خود ہی مسکرا کر کہہ اُٹھے۔ "اس کا وشواس نہیں ہے شاید ہم میں!"

"ایسی بات نہیں ہے مہاراج" سمترا دیوی نے گھبرا کر جلدی سے کہا۔ اس نے اور میرے بیٹے نے آپ کا دیا ہوا پرشاد کھا لیا تھا۔"

"تب تو چندن کا ٹیکہ بھی لگا لیا ہوگا؟"

"ہاں مہاراج!"

"لیکن اس کے من کی شنکا دور نہیں ہوتی ابھی۔ وہ ہمارے پاس آنے

سے کتراتی ہے،،

" لیکن ایسا کیوں ہو رہا ہے مہاراج ؟" سمترا دیوی نے اعتراف کر لیا۔

" وہ تو ہونا ہی چاہیئے۔ میرے آشیرواد اور اس کی گرہ میں سنگھرش ہو رہا ہے۔ جب تک اس سنگھرش کا انت نہ ہو گا۔ تمہاری بہو ہم پر پورا وشواس نہ کر سکے گی۔"

" اس کی جلد سماپتی کا کوئی اپائے نہیں ہے مہاراج ؟"

" ہے۔ لیکن وہ اپائے وشواس اور شردھا سے کیا جائے تو ـــ !"

" تو بتایئے مہاراج۔ میں اس سے کروانے کی پوری کوشش کر دوں گی۔"

یہ سنتے ہی بال یوگی نے آنکھیں بند کر لیں۔ ہونٹوں ہی ہونٹوں میں کچھ بدبدائے اور پھر آنکھیں کھول کر سمترا دیوی کو تیز نگاہوں سے دیکھتے ہوئے بولے۔

" اسے ہر سوموار کو شیو جی کا برت رکھنا ہو گا !"

" وہ ضرور رکھے گی !"

" برت کے بعد جب دن اور رات ایک دوسرے سے ملنے لگیں تو اسے اکیلی ندی کے کنارے آکر سات دیئے جلا کر پانی میں بہانے پڑیں گے !"

" ایسا ہی ہو گا مہاراج !"

" اور اس کے بعد اگر اس کے من میں شردھا جاگے تو وہ مٹھ میں ہمارے درشنوں کو آ سکتی ہے۔"

" ضرور آئے گی مہاراج، ضرور آئے گی !"

تبھی بال یوگی نے ہوا میں ہاتھ بڑھایا تو گلاب کا ایک تر و تازہ پھول ان کے ہاتھ میں آگیا۔

"یہ پھول اس کے آنچل میں ڈال دینا!" انہوں نے سمترا دیوی کو پھول دیتے ہوئے کہا اور "ہری اوم، تت ست، بلند آواز میں کہتے ہوئے آگے بڑھ گئے۔

سمترا دیوی نے پھول آنکھوں سے لگایا اور نوکر ان کی کرسی ڈھکیلتا ہوا باہر کی طرف لے جانے لگا۔

پائل فیصلہ کر چکی تھی کہ اب اولاد کے لئے وہ کوئی ٹوٹکا، پوجا پاٹھ یا دوا علاج نہ کرے گی۔ سمترا دیوی نے جب اسے بتایا کہ سوموار کو برت رکھنے کے بعد اسے دیئے بہلانے کے لئے اکیلی ندی کنارے جانا ہوگا اور پھر آشرم کے مٹھ میں جاکر بال یوگی کے درشن کرنے ہوں گے تو وہ بال یوگی کی چالاکی فوراً سمجھ گئی۔ لیکن سمترا دیوی کے گڑگڑانے پر اس نے برت رکھنے اور دیئے بہانے کا وعدہ کر لیا۔ سمترا دیوی خوش ہو کر اسے دعائیں دینے لگیں اور اس کی گود بھرنے کے لئے بھگوان سے پرارتھنا کرتے ہوئے وہ گلاب کا پھول انہوں نے اس کے آنچل میں ڈال دیا۔

لیکن جونہی ساس کمرے سے باہر نکلیں، پائل کا چہرہ غصّہ سے تمتما اُ اس نے بال یوگی کے دیئے گئے اس پھول کو آنچل سے اُٹھایا اور غصّہ مسل کر زمین پہ پھینک دیا۔ پھول کی پنکھڑیاں فرش پہ بکھری ہی تھیں کہ اشو کے قدم کمرے میں داخل ہوتے ہوتے رک گئے۔ اس نے بیوی کی انگارہ

آنکھوں کو دیکھا اور جھک کر پنکھڑیاں چنتے ہوئے بولا۔

"یہ پھول کیوں مسل ڈالا؟"

"مجھے اچھا نہیں لگا!"

"پھول یا بال بوگی کا پیشاد؟"

"کچھ بھی سمجھ لو!" اس نے بے جھجک کہہ دیا۔ اور پھر شوہر کی بے بس نگاہوں کو دیکھ کر نظریں جھکا لیں۔ دونوں کے درمیان چند لمحہ خاموشی طاری رہی جسے اشوک نے توڑا۔

"میں نے کہا نا۔ یہ تمہارا آخری امتحان ہے!"

"اور اگر اب بھی بھگوان نے نہ چاہا تو؟"

"تو پھر وہی ہوگا جو تم چاہو گی!"

"ایک بات کہوں مانو گے؟"

"کیا؟"

"آپ اولاد کے لئے دوسری شادی کر لیجئے!"

"پائل.....!" اشوک کے منہ سے ایک دبی دبی سی چیخ نکل گئی۔

"اسی میں ہم دونوں کی بھلائی ہے!"

"مان لو۔ میں نے دوسری شادی کر لی۔ پھر بھی اولاد نہ ہوئی تو....."

کچھ اور کہتے کہتے وہ رک گیا۔ اس کی آواز بھرا گئی اور پلکیں بھیگ گئیں۔ پائل نے اس کے جذبات کو بھانپا۔ چند لمحے دونوں خاموشی سے ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔ پائل کا دل رحم کے جذبہ سے چھلکنے لگا اور وہ اشوک کے

قریب ہوتے ہوئے کہہ اٹھی۔
"آپ کو اس گھرانے کا وارث چاہیئے نا؟"
"مجھے نہیں، میری ماں کو!"
"تو جائیے۔ ماں جی سے کہہ دیجئے۔ وہ جو بھی کہیں گی، میں کروں گی، اسی وشواس کے ساتھ، جس وشواس پر وہ جی رہی ہیں۔۔۔۔!"

اشوک بیوی کا یہ جملہ سن کر خوشی سے اچھل پڑا۔ آنکھوں میں آتے ہوتے بے بسی کے آنسو خوشی کے آنسو بن گئے اور اس نے دیوانہ وار پائل کو اپنی باہوں سے جکڑ لیا۔

سوموار کو پائل نے برت رکھا اور جب سورج ڈوبنے لگا تو وہ اکیلی ندی کی طرف چل پڑی۔ ندی کے پاس تک پہنچتے پہنچتے سورج پوری طرح ڈوب چکا تھا اور اندھیرا گہرا ہوتا چلا جا رہا تھا۔ لیکن ندی کے قریب بنا ہوا بال یوگی کا آشرم صاف نظر آ رہا تھا۔

اس وقت اچانک اسے ایسا محسوس ہوا جیسے اس اندھیرے کا سہارا لئے بال یوگی کہیں آس پاس ہی موجود ہے۔ اس نے گھبرا کر اِدھر اُدھر نظریں دوڑائیں لیکن یہ اس کا وہم ہی تھا۔ وہاں کوئی نہ تھا۔ اس نے اطمینان سے دیئے جلا کر ندی میں بہا دیئے۔ دیئے قطار میں ایک دوسرے کے پیچھے بہنے لگے۔ یہ منظر پائل کو کچھ اتنا پوتر لگا کہ وہ چند لمحے کے لئے یہ سوچنے پر مجبور ہو گئی کہ کہیں ایسا تو نہیں چیتن پاکھنڈی نہ ہو اور سچ مچ تپسیا کر کے وہ یوگی بن گیا ہو۔ لیکن پھر اس خیال کو اس نے فوراً ہی اپنے ذہن سے جھٹک

دیا اور سوچنے لگی وہ یقیناً وہاں اس سے انتقام لینے کے لئے یہ ڈھونگ رچا کر آیا ہے۔

آشرم اس وقت بالکل سنسان نظر آرہا تھا۔ شاید سب لوگ آرام کرنے کے لئے اپنی اپنی کوٹھڑیوں جا چکے تھے۔ پائل کچھ دیر تک باہر ہی کھڑی ساکن نگاہوں سے بال یوگی کے مٹھ کو دیکھتی رہی اور پھر کچھ سوچ کر بے دھڑک اس میں داخل ہوگئی۔

مٹھ کے اندر چاروں طرف روحانیت سی برس رہی تھی۔ جا بجا سلگتی خوشبودار اگربتیوں کا دھواں ایک پراسرار سا منظر پیش کر رہا تھا۔ پائل یہ ماحول دیکھ کر کچھ مرعوب سی ہوگئی اور اس کے دل میں اس خیال نے پھر سر ابھارا کہ کہیں چیتن واقعی سچا یوگی نہ ہو۔ اس قسم کے خیالات میں الجھی ہوئی وہ آگے بڑھی تو ایک طرف بال یوگی گیان دھیان میں مگن بیٹھے ہوئے نظر آئے۔ ان کی پیٹھ پائل کی طرف تھی۔ پائل کچھ دیر کے لئے ٹھٹک گئی۔ اس کے دل میں ایک خوف سا سما گیا۔ لیکن ہمت سے پھر وہ دھیرے دھیرے ان کی طرف بڑھی وہ ابھی انہیں مخاطب کرنے کے لئے الفاظ ڈھونڈ ہی رہی تھی کہ بال یوگی کی باوقار آواز گونجی۔

"میں جانتا تھا تم ضرور آؤ گی!"

"ہاں۔۔۔!" پائل نے جی کڑا کر کے کہنا شروع کیا "اس لئے نا کہ تم انتر گیانی ہو، مہاتما ہو، بھگوان کے اوتار ہو؟"

"نہیں" بال یوگی نے اس کی طرف پلٹ کر کہنا شروع کیا "میں کچھ بھی

نہیں ہوں۔ دنیا مجھے ایسا سمجھتی ہے!"

"یہ کیوں نہیں کہتے کہ تم نے دنیا کو ایسا ہی سمجھایا ہے۔ بھولے بھالے لوگوں کو ٹھگنے کے لئے یہ کھنڈر چایا ہے"

"اپنا سب کچھ کھو دینے کے بعد میرے پاس اور راستہ بھی کیا تھا۔"

"بہت اچھا راستہ ڈھونڈا ہے تم نے۔ دنیا کو دھوکہ دیتے ہوتے تمہیں ڈر نہیں لگتا؟"

"کیا کہوں۔ شروع تو ایک دھوکے اور پاکھنڈ سے ہی کیا تھا۔ لیکن نہ جانے میرے ہاتھوں میں بھگوان نے کیا شکتی دے دی کہ جو بھی میرے پاس آیا اس کا بھلا ہو گیا اور کچھ ہی عرصہ میں لوگوں نے مجھے بھگوان کا درجہ دیدیا۔ اسی لئے تم نے مجھے بھی اپنے پاس بلایا ہے۔ تم اپنے آشیرواد سے اولاد دینا چاہتے ہو۔۔۔ پوچھ سکتی ہوں میرے جیون میں زہر گھول کر تمہیں کیا مزہ مل رہا ہے۔ کیا تم سمجھتے ہو ان باتوں سے میری مری ہوئی محبت پھر زندہ ہو جائے گی۔ میں اپنے دیوتا سمان پتی کو چھوڑ کر تمہاری پوجا کرنے لگ جاؤں گی؟" پائل ایک ہی سانس میں کہتی چلی گئی۔

"نہیں نہیں۔ تم مجھے غلط سمجھ رہی ہو پائل!"

"تو میری ساس کا وشواس جیت کر مجھے یہاں کیوں بلوایا ہے؟"

"اس لئے کہ تمہارے دل میں میرے خلاف نفرت کی جو آگ بھڑک رہی ہے اسے سچائی کے پانی سے بجھا دوں!"

"یہ آگ کبھی نہیں بجھ سکتی۔ اور اب اس آگ کو بجھا کر کرو گے بھی کیا

میرا تمہارا اب کیا رشتہ ؟"

"پریم کا!"

"جھوٹ ہے۔ تم بھول رہے ہو کہ میں ایک بیاہتا استری ہوں"

"لیکن کوئی استری اپنے پہلے پریم کو کیسے بھول سکتی ہے۔ تم سے جدا ہو کر جس طرح میں کسی اور کا نہیں ہو سکا، اسی طرح تم بھی کسی اور کی نہیں ہو سکتیں!"

"میں نے کسی کے ساتھ دغا اور فریب نہیں کیا ہے!"

"تم ایک طرف مجھے پیار کے جال میں پھنسا کر بے وقوف بناتے رہے دوسری طرف نشا کے منور نجن کا سامان بنتے رہے اور موقعہ ملتے ہی اس کے ساتھ پچاس ہزار کا فراڈ کر بیٹھے"

"یہ سب جھوٹ ہے پائل، کھلا ہوا جھوٹ" چیتن نے چیخ کر کہا اور اپنے سامنے رکھے ہوئے صندوقچہ سے ایک کاغذ نکال کر پائل کو دیتے ہوئے کہا۔ "لو، پڑھ لو اسے۔ میری بے گناہی کا ثبوت!"

پائل نے وہ کاغذ لے کر پڑھنا شروع کر دیا اور وہ بولتا ہے۔

"نشا کا بیان۔ جو اس نے مرنے سے پہلے دیا تھا۔ اس میں اس نے اپنے گناہ اور میری بے گناہی کا اقرار کیا ہے۔ اسے تو اپنے گناہ کی سزا مل گئی۔ وہ کینسر کی بیماری کا شکار ہو گئی۔ لیکن میں آج تک تڑپ رہا ہوں۔ برسوں سے یہ بوجھ اپنے دل پہ لئے پھر رہا ہوں۔ تم ایک بار مجھے بے گناہ سمجھ لو۔ اس کے بعد پھر کبھی تمہاری زندگی میں نہ آؤں گا!"

کاغذ پڑھتے پڑھتے پائل کے ہاتھ کانپنے لگے اور اس نے یقین اور

بے یقینی کے ملے جلے لہجہ میں کہا۔

"کیا۔۔۔ کیا یہ سب سچ ہے چیتن؟"

"ہاں، مرتے سمے اس نے مجھے اپنے پاس بلوایا تھا۔ اپنے پاس بلوایا تھا اپنے گناہوں کی معافی مانگی تھی اور آشرم بنوانے کے لئے یہ زمین مجھے دان میں دے گئی۔ میں کیا جانتا تھا کہ میرا آشرم تمہاری سسرال کے قریب ہوگا۔۔۔!"

چیتن نے اس درد بھرے لہجہ میں کہا کہ پائل تڑپ اٹھی اور ایک کراہ کے ساتھ اس کے منہ سے نکلا۔

"اوہ، بھگوان۔ یہ سب کیا ہو گیا۔ تم چیتن سے بال یوگی بن گئے اور میں پرائی ہو گئی"

"ہاں۔ قدرت نے عجیب مذاق کیا ہے ہماری زندگیوں سے جانتی ہو اپنی محبت کا وشواس دلانے اور اپنی بے گناہی بتانے میں جیل توڑ کر بھاگا لیکن جب شملہ پہنچا تو وقت ہاتھ سے نکل چکا تھا۔ تم دولہن بنی اشوک کے ساتھ بدا ہو رہی تھیں"

"تم۔۔۔۔ تم کہاں تھے اس وقت؟" پائل نے تڑپ کر پوچھا۔

"اسی چندن کے پیڑ کے نیچے کھڑا اپنی محبت کا جنازہ اٹھتے دیکھ رہا تھا۔ میری زندگی زبردستی مجھ سے چھینی جا رہی تھی اور میں چیخ و پکار بھی نہ کر سکتا تھا"

"اوہ۔ چیتن۔۔۔۔!"

"میں تم سے کتنا قریب تھا اور کتنی دور۔ پل دو پل کی دیر نے میرے اور تمہارے درمیان زندگی بھر کا فاصلہ کھڑا کر دیا تھا۔ کاش تم میرا تھوڑا سا انتظار کر لیتیں۔ صرف تھوڑا سا۔ میری زندگی تباہ ہونے سے بچ جاتی۔

خیر تم خوش ہو، اسی میں میری خوشی ہے!"

"تم یہ کیونکر کہہ سکتے ہو کہ میں خوش ہوں۔ میں نے بھی تمہیں کھو کر اپنا سب کچھ کھو دیا ہے۔ تم نے ٹھیک کہا ہے کہ عورت اپنی پہلی محبت کبھی نہیں بھول سکتی۔ میں بھی تمہیں نہیں بھولی ہوں چیتن....!"

کہتے ہوئے اس نے بے ساختہ چیتن کے پاؤں پکڑ لئے اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ اسے لگ رہا تھا جیسے وہ چیتن کی مجرم ہے۔ اسی نے اس کی زندگی برباد کی ہے۔ وہ اس سے آنکھ ملانے کی تاب نہ لا رہی تھی اور اپنی اس بھول پر اس طرح پچھتا رہی تھی جیسے اس نے کوئی بہت بڑا گناہ کیا ہو۔ درد سے اس کا دل پھٹا جا رہا تھا۔ دماغ بھٹی کی طرح سلگ رہا تھا۔ وہ کیا کہہ رہی ہے کیا کہہ رہی ہے اس کی سمجھ میں کچھ نہ آ رہا تھا۔ یکایک اس کا سلما بدن تھرتھرانے لگا اور وہ پاگلوں کی طرح چیخ کر چیتن سے لپٹ گئی۔ وہ بے ساختہ اسے چومنے لگی۔ اسے بھینچ بھینچ کر پیار کرنے لگی۔ چیتن پر بھی ایک دیوانگی سی طاری ہو گئی۔ اس نے تڑپ کر اسے بازوؤں میں جکڑ لیا۔ اس کے ریشمی بالوں میں اپنا چہرہ رگڑنے لگا اور اس کی آنکھوں، گالوں اور ہونٹوں کو چومنے لگا۔

کچھ دیر کے لئے پائل یہ بھول گئی کہ وہ ایک بیاہتا استری ہے اور چیتن یہ بھول گیا کہ وہ بال لوگی ہے۔ ہزاروں عقیدت مندوں کا بھگوان.... انہی جذباتی لمحوں میں وہ سب کچھ ہو گیا، چند لمحے پہلے جس کے بارے میں وہ دونوں سوچ بھی نہ سکتے تھے.....

پائل جب اپنے آپ میں آئی تو اسے یوں محسوس ہوا جیسے وہ آکاش

ندلوں سے اچانک پاتال میں گم گئی ہو۔ اس کی نگاہیں شرم سے اوپر نہ اُٹھ
ہی تھیں اور وہ ندامت سے زمین میں گڑی جا رہی تھی۔

چیتن نے پرانی محبت کی چنگاری سے اس کے جیون میں کبھی نہ بجھنے والی
لا بھڑکا دی تھی اور وہ اس جوالا میں جیسے بھسم ہوتی جا رہی تھی۔

اسے کبھی اپنے آپ پر غصہ آ رہا تھا کبھی چیتن پر۔ وہ اس سے نگاہیں ملانے
تاب نہ لا رہی تھی . . . ڈرتے ڈرتے اس نے اپنا آنچل سر پر رکھا، کپڑے
رست کئے، پھر ہمت کر کے تیز نگاہوں سے چیتن کے چہرے کو تکنے لگی۔
خود اپنی جگہ شرمندگی کی تصویر بنا بیٹھا تھا اور محسوس کر رہا تھا کہ وہ مان اور
ر کے ہمالے سے اچانک ذلت کے غار میں گر گیا ہے۔ کچھ دیر تک وہ دونوں
ت بنے ایک دوسرے کو دیکھتے رہے پھر اچانک پائل تھرتھراتی آواز میں چیخ
ری۔

„ ڈھونگی، پاپی، دغاباز . . . . تو نے آج میرا سب کچھ لوٹ لیا۔ واسنا کے
جاری۔ تو نے مجھے کہیں کا نہ چھوڑا . . . . کہیں کا نہ چھوڑا . . . . !“

اور وہ چیختی ہوئی مٹھ کا دروازہ کھول کر پاگلوں کی طرح بھاگ کھڑی
ئی۔ چیتن جہاں بیٹھا تھا، گم سم وہیں بیٹھا رہ گیا۔ اس کی سمجھ میں نہ آ رہا تھا
وہ کیسے دوشی ٹھہراتے خود کو یا پائل کو یا تقدیر کو . . . . ؟“

اشوک جب دوپہر کو اپنے فارم سے لوٹا تو گھر کے آنگن کے باہر والے برآمدے میں پھلوں اور مٹھائیوں کا ڈھیر دیکھ کر ٹھٹک گیا۔ اس کی ماں، ماموں بنسی لال اور گھر کے کئی نوکر پھلوں اور مٹھائیوں کو ٹوکروں میں سجا رہے تھے اشوک کو دیکھتے ہی ہر ایک کا چہرہ کھل اُٹھا۔ لیکن وہ ان لوگوں کی خوشی کا سبب نہ سمجھتے ہوئے پوچھ بیٹھا۔

"کیوں ماں۔ یہ سب کیا ہے؟"

"پھل اور مٹھائیاں!" سمترا دیوی نے مسکرا کر کہا۔

"وہ تو دیکھ رہا ہوں۔ لیکن یہ سب کہاں جا رہا ہے؟"

"بال یوگی کے مٹھ پر۔ ان کے چرنوں میں چڑھاوا دینا ہے آج!"

"کس خوشی میں؟"

ماں اس کے سوال پر مسکرا دی اور ہر کوئی اسے حیرت سے دیکھنے لگا۔ اشوک کی سمجھ میں کچھ نہ آیا تو وہ لوگوں کے چہروں کو پڑھنے کی کوشش کرتے

ہوئے اپنا سوال دہرا بیٹھا۔

"جیسے تمہیں کچھ پتہ ہی نہ ہو" بنسی لال نے ہنستے ہوئے کہا۔

"مجھے ....؟ یہ کیسی پہیلیاں بجھا رہے کاکا؟"

"پگلے۔ اب تو باپ بننے والا ہے!" سمترا دیوی نے آخر بے دھڑک کہہ دیا۔

"سچ ماں؟" اشوک نے چہک کر پوچھا اور پھر ماں کی تصدیق کے لئے دوسروں کے چہروں کو دیکھنے لگا۔ ان سب کے مسکراتے ہوئے چہرے اور آنکھوں کی چمک ماں کی بات کی گواہ بنی ہوئی تھی۔ چند لمحہ وہ انہیں دیکھتا رہا۔ پھر اچانک بڑھ کر ماں کے پاؤں چھو لئے اور بے تحاشہ اندر کی طرف بھاگا۔ اس کے کہنے پر سبھی زور سے ہنس پڑے۔

اشوک دیوانوں کی طرح زینہ عبور کر کے چھت والے کمرے میں پہنچا اور اپنی خوابگاہ میں قدم رکھتے ہی ٹھٹھک کر رک گیا۔ چھت سے لٹکے جھولے پر پائل بیٹھی ایک چھوٹا سا ننھا منّا اونی سویٹر بن رہی تھی۔ شوہر کو اپنی جانب یوں ٹکٹکی باندھے دیکھ کر وہ ذرا دیر کے لئے رک گئی۔ اشوک نے اپنے بپھرے ہوئے سانس کو قابو میں کرتے ہوئے کہا۔

"پائل....!"

اس کے چہرے کی رنگت سے وہ اس کے دل کی کیفیت بھانپ گئی۔ پھر بھی بنتے ہوئے اس سے پوچھ بیٹھی۔

"کیوں کیا ہوا؟"

"مجھے نہ جانے کیا ہو رہا ہے....!" وہ ہانپتے ہوئے اس کے پاس جھولے

پر آ بیٹھا۔

"طبیعت تو ٹھیک ہے؟" وہ ذرا کھسکتے ہوئی بولی۔

"ضرورت سے زیادہ ٹھیک ہے۔ لیکن تم کیسی ہو؟"

"جیسی بھی ہوں، آپ کے سامنے ہوں!"

"تو کہو کیا یہ سچ ہے؟"

"کیا۔؟"

"جو ماں جی کہہ رہی ہیں بنسی کاکا کہہ رہے، سارا گھر کہہ رہا ہے"

"جب سب کہہ رہی ہیں تو سچ ہی ہوگا۔"

"یعنی میں باپ بننے والا ہوں۔۔۔۔!" کہتے ہوئے وہ خوشی سے اُچھل پڑا۔ اس کی خوشی دیکھ کہ پائل کے بدن میں ایک سرسراہٹ سی دوڑ کر رہ گئی ۔۔۔۔۔ ایک خوف سانپ کی طرح رینگتا ہوا اس کے سینے پر لوٹ گیا۔ ابھی وہ اپنے آپ میں نہ آئی تھی کہ اشوک نے اسے دونوں بازوؤں سے پکڑ لیا۔ اور بچوں کی مانند پوچھنے لگا۔

"بتاؤ لڑکا ہوگا یا لڑکی؟"

"آپ کو کیا چاہیئے؟"

"مجھے تو دونوں میں کوئی بھی چلے گا۔ لیکن ماں کو لڑکا ہی چاہیئے۔ اس گھر کا وارث۔۔۔۔!"

"اور اگر لڑکی ہوگئی تو؟"

"تو کیا۔ بال یوگی کے ہاں جاکر پھر آشیرواد لے آئیں گے۔ شاید دوسری بار

لڑکا ہو جاتے،،

پائل اس کی معصومیت پر کھسیانی سی ہو کر مسکرا دی اور جھولے سے اُتر کر جانے لگی۔ لیکن اشوک نے لپک کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور پوچھ بیٹھا۔

"کہاں چلیں؟"

"آپ کے غسل کا بندوبست کرنے۔ آپ کو بھی تو ماں جی کے ساتھ جانا ہے،،

گھر والوں کے دلوں میں خوشیوں کے لڈو پھوٹ رہے تھے۔ لیکن پائل کے لئے ان کی یہ خوشیاں جان کا عذاب بنی ہوئی تھیں۔ اس کا مجرم ضمیر اسے دم بھر کے لئے چین نہ لینے دے رہا تھا۔ وہ یہ سوچ کر پاگل ہوتی جا رہی تھی کہ وہ جو کچھ ان لوگوں کو دینے والی ہے وہ ان کا نہیں ہوگا۔ اور آج تو اسے یہ خدشہ بھی پیدا ہو گیا تھا۔ کہ کہیں اشوک چیتن کو پہچان نہ لے۔ اگر اس نے پہچان لیا تو کیا ہوگا۔ اسے شک پیدا ہو جائے گا کہ وہ بال یوگی کے مٹھ میں تنہائی میں ملاقات کرنے کیوں گئی تھی۔ وہ اسی ادھیڑبن میں مبتلا گھر میں اکیلی بیٹھی دھڑکتے دل کے ساتھ ان لوگوں کی آشرم سے واپسی کا انتظار کر رہی تھی۔

اشوک، سمترا دیوی اور بنسی کاکا جب بال یوگی کے درشن کرنے مٹھ میں داخل ہوئے تو بال یوگی اپنے آسن پہ براجمان تھے۔ ان کے چہرے پر کچھ ایسا تیج تھا کہ ان سے نگاہیں ملانے کی ہمت کسی میں نہ ہو رہی تھی۔ نوکروں نے پھلوں اور مٹھائیوں کے ٹوکرے ان کے چرنوں میں رکھ دیئے

اور اشوک اس دیوتا سمان یوگی کو دیکھ کر ڈنڈوت کے لئے زمین بوس ہو گیا۔ پھر سر اٹھا کر بولا۔

"مہاراج۔ آپ نے تو انہونی کو ہونی کر دکھایا۔ ہم آپ کا اُپکار کبھی نہ بھولیں گے!"

"یہ پھل اور مٹھائیاں سویکار کیجیے" مہاراج۔ آپ نے ہمارا جیون خوشیوں کی مٹھاس سے بھر دیا ہے۔" سمترا دیوی نے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔

کوشش کے باوجود آج بال یوگی کے ہونٹوں پہ مسکراہٹ نہ آ سکی۔ سمترا دیوی اور اشوک کے جملے ان کے دل پہ تیر کی طرح لگ رہے تھے اور ان کا ضمیر تڑپا جا رہا تھا۔ انہوں نے ایک نظر اشوک کے چہرے پہ ڈالی، ٹوکری سے ایک کیلا اور ایک سیب اُٹھا کر آنکھیں بند کرتے ہوئے اپنے مستک سے چھوا اور اشوک کے ہاتھوں میں دیتے ہوئے کہا۔

"یہ سیب اپنی پتنی کو کھلا دینا اور یہ کیلا تمہارے لئے ہے!" یہ کہہ کر انہوں نے جلدی سے اپنا رخ دوسری طرف پھیر لیا۔ وہ جان بوجھ کر اشوک کی طرف زیادہ توجہ نہ دینا چاہتے تھے۔ کیونکہ انہیں خوف تھا کہیں وہ انہیں پہچان نہ لے۔

اشوک نے جلدی سے آگے بڑھ کر ان کے ہاتھوں سے پرشاد لے لیا۔ لیکن اسی وقت وہ کچھ ٹھٹک سا گیا۔ اسے لگا جیسے بال یوگی کی شکل کچھ جانی پہچانی ہے۔

"کیا ہوا؟" بال یوگی نے اس کی طرف رُخ پھیرتے ہوئے پوچھا۔

"جی کچھ نہیں مہاراج۔۔۔۔!" اشوک گھبرا گیا۔ پھر کچھ سنبھلتے ہوئے بولا۔
"ایسا لگ رہا ہے۔ میں نے آپ کو پہلے بھی کہیں دیکھا ہے۔"
"تم نے نہیں، تمہاری آتما نے۔ میں نے کئی بار تمہارے سپنوں میں آکر تمہیں آشیرواد دیا ہے۔" بال یوگی نے رعب دار لہجہ میں کہا۔
"یہ تو بڑا اسو بھاگیہ ہے میرے بیٹے کا!" سمترا دیوی نے جلدی سے خوش ہو کر کہا۔
"اچھا اب آپ لوگ جا سکتے ہیں۔ میری پوجا کا سمے ہو گیا!" انہوں نے آنکھیں بند کرتے ہوئے کہا۔
وہ تینوں فوراً ان کے چرن چھونے کے لئے جھک گئے اور چرن چھو کر وہ جیسے ہی جانے کے لئے پلٹے بال یوگی نے پھر کہا۔
"ٹھہرو۔۔۔۔۔! یہ پھل اور مٹھائیاں لیتے جاؤ۔ غریبوں میں بانٹ دینا!"
"اگلے گرو وار کو ہم اپنی بہو کو بھی آپ کے درشن کے لئے۔۔۔۔"
"نہیں نہیں۔" بال یوگی نے سمترا دیوی کی بات کاٹ دی اور پھر بولے۔
"جب تک وہ گربھوتی ہے، اس پر میری درشنی نہیں پڑنی چاہیئے!"
"جو آگیا مہاراج!" سمترا دیوی نے کہا۔
تینوں نے دوبارہ باری باری ان کے چرن چھوئے۔ نوکروں نے پھلوں اور مٹھائیوں کے ٹوکرے اٹھائے اور وہ سب باہر نکل آئے۔

بال یوگی کو لگا جیسے وہ کسی بڑی کشمکش سے نجات پا گئے ہوں
نہوں نے اشوک کو جاتے ہوئے درد مند نگاہوں سے دیکھا۔ اور ٹھنڈی
سانس بھر کر رہ گئے۔

جونہی آنگن میں سمنترا دیوی کی آواز گونجی، پائل کا دل زور زور سے
دھڑکنے لگا۔ وہ جلدی سے اُٹھ کر کھڑکی کے پاس آئی اور نیچے جھانک کر
ن لوگوں کی کیفیت دیکھنے لگی۔ اشوک ماں اور ماما کے ساتھ مسکراتا ہوا آنگن
ں داخل ہوا تو اس نے اطمینان کا سانس لیا۔

سمنترا دیوی نے آنگن میں آتے ہی ٹوکرے اُٹھائے ہوئے نوکروں کو
کم دیا۔

"یہ سارے پھل اور مٹھائیاں لے جا کر فارم کے مزدوروں میں بانٹ
و۔ اور ان سے کہو میرے خاندان کے وارث کے لئے بھگوان سے پرارتھنا
ریں۔ جس دن خبر سے میرے گھر میں پوتا جنم لے گا، میں سب کو بھوجن
علاؤں گی، ایک ایک جوڑا کپڑا سب کو دوں گی۔ اپنی خوشیاں سب
یں بانٹ دوں گی۔ سب کو خوش کر دوں گی!"

پائل نے دردانگیز نظروں سے اس لوڑھی عورت کی بے پناہ خوشیاں
یکھیں اور کھڑکی سے ہٹ کر اپنی جگہ پہ جا بیٹھی۔

اشوک ماں اور ماما کو وہیں چھوڑ کر بال یوگی کا پرشاد لئے ہوئے خوشی کے
لم میں زینہ کی طرف بڑھا۔

پائل نے تیزی سے زینہ چڑھتے ہوئے اس کے قدموں کی آہٹ سُنی اور اپنے دل پہ قابو پاتے ہوئے، شوہر سے نظریں ملانے کا انتظار کرنے لگی۔ اسی وقت اشوک کمرے میں داخل ہوا اور رک کر اس خوشی اور غم کے مجسمہ کو دیکھنے لگا۔ اس کی آنکھوں میں انتہا غم تھا اور ہونٹوں پہ زبردستی کی مسکراہٹ اس نے اسی مسکراہٹ کے ساتھ پوچھا۔

"کہہ آئے بال یوگی کے درشن؟"

"ہاں پائل۔ ایسا لگتا ہے آج زندگی میں پہلی بار میں نے کسی سچے یوگی کو دیکھا ہے۔ ان کی آنکھوں میں ایسا جلال، چہرے پہ ایسا تیج تھا کہ میں ان سے نگاہیں ملانے کی ہمت نہ کر سکا۔ سیدھا ان کے چرنوں میں گر گیا۔"

"چرنوں میں گر گئے؟" پائل نے افسردگی سے پوچھا۔

"ہاں وہ خوش نصیب ہیں جنہیں ان کا آشیرواد مل جاتے اور مجھ پہ تو وہ کچھ زیادہ ہی مہربان ہو گئے۔ جانتی ہو۔ اپنے ہاتھوں سے انہوں نے مجھے پرشاد دیا ہے۔ کیا بتاؤں۔ بس ایسا محسوس ہوا جیسے وہ شاکسات بھگوان کا روپ ہوں!"

"آپ بھی انسانوں کو بھگوان ماننے لگے؟"

"ہاں پائل۔ اگر وہ بھگوان نہ ہوتے تو ان کی آشیرواد سے ہمارے جیون کا اجڑا ہوا باغ ہرا بھرا کیسے ہو جاتا۔ جو کام وید حکیم، تعویذ گنڈے اور ڈاکٹ نہ کر سکے، ان کے چمتکار نے پل بھر میں کر دکھایا!"

"اچھا۔ ہاں کر دکھایا.... چلئے۔ اب کچھ دیر آرام کر لیجئے....!"

"آرام کرنے کے تو تمہارے دن ہیں۔۔۔۔!" کہتے ہوئے اشوک نے اس کو بازوؤں سے تھاما اور چھت سے لٹکے جھولے پر بٹھا دیا۔ پھر وہ خود بھی اس کے پاس بیٹھ گیا اور ہاتھ میں پکڑا سیب چاقو سے کاٹ کر اس کی ایک قاش بیوی کے منہ میں دیتے ہوئے پیار سے بولا "یہ سیب تمہارے لئے ہے۔ اور یہ کیلا میرے لئے!"

"یہ کیوں؟" وہ سمجھتے ہوئے بھی انجان بن کر پوچھ بیٹھی۔

"بال یوگی کا حکم ہے۔ ماننا ہی پڑتا ہے!"

"اور کوئی حکم دیا ہے آپ کے بال یوگی جی نے؟"

"ہاں دیا ہے۔ جب تک تم گربھوتی ہو ان کے آشرم میں نہیں جا سکتیں۔"

"وہ کیوں؟"

"اب یہ تو وہی جانیں۔ لیکن بچہ ہونے کے بعد ان کا آشیرواد لینے ضرور چلیں گے!"

شوہر کی بات سُنکر وہ خاموش ہو گئی اور اس کی معصوم آنکھوں میں جھانکنے لگی۔ وہ اس کی خاموشی کی وجہ نہ سمجھتے ہوئے پھر کہہ اُٹھا۔

"وہ دن کتنی خوشی کا دن ہوگا۔ جب ہمارے پیار کی نشانی اس آنگن میں کھیل کُھدے گی"

"پیار کی نشانی۔۔۔۔!" پائل کے منہ سے بے ساختہ نکل گیا اور چیتن کا چہرہ اس کی نگاہوں میں گھوم گیا۔

"ہاں پائل۔ ہمارے امر پریم کی نشانی!" اشوک نے کہا اور پیار سے اپنا

ہاتھ اس کی کمر میں ڈالنے کو بڑھایا۔

پائل تیزی سے پیچھے کھسک گئی جیسے اب اس کا بدن اس کے شوہر کے چھونے کے قابل نہ رہا ہو۔ جب دوبارہ اشوک نے اسے اپنی طرف کھینچنے لگا تو وہ جھجکتے ہوئے کہہ اٹھی۔

"نہیں۔ اب آپ مجھے مت چھوا کیجئے!"

"کیوں؟" اشوک نے حیرت سے پوچھا۔

"ہر بات کا جواب کیا ضروری ہے؟"

"اوہ سمجھ گیا۔ اب مجھ سے پیار تمہارا وہ ساتھی بننے جا رہا ہے اور تم مجھ سے دور رہنا چاہتی ہو۔ یہی نا؟"

"یہ آپ کیسی بہکی بہکی باتیں کر رہے ہیں!"

"اچھا یہ بتاؤ۔ ماں بننے کے بعد شوہر کے لئے تمہارا پیار تو کم نہ ہو جائے گا؟"

"کیوں؟" وہ کچھ نہ سمجھتے ہوئے پوچھ بیٹھی۔

"ابھی سے وہ میرے اور تمہارے بیچ ایک دیوار بن گیا ہے۔ پیدا ہونے کے بعد تو بالکل میرا پتہ ہی کاٹ دے گا۔ تم دن رات اس کے پیار میں کھوئی رہو گی۔ مجھ سے پیار کرنے کی فرصت ہی کہاں ملے گی تمہیں۔ میں تو ڈرتا ہوں کہیں وہ ہمارے پیار کا دشمن بن کر نہ آئے۔"

دشمن کے لفظ نے پائل کے دل میں جیسے کوئی نشتر چبھو دیا وہ چند لمحوں تک ساکن نگاہوں سے اسے دیکھتی رہ گئی۔ دل کا درد اُمنڈ کر پلکوں تک آ گیا

اور وہ اچانک اپنا سر شوہر کی گود میں رکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی۔
اشوک اس کا درد نہ سمجھتے ہوتے اس کے رونے سے گھبرا گیا اور جلدی سے کہہ اُٹھا۔

"ارے ارے۔ تم رونے لگیں۔ میں تو مذاق کر رہا تھا میرا بچہ بھلا میرا ہی دشمن کیسے ہو سکتا ہے۔ میں اسے اپنی جان سے زیادہ چاہوں گا اور ضرورت پڑی تو اس کے لئے۔ اپنی جان بھی دے دوں گا۔"

"نہیں۔ بھگوان کے لئے ایسا مت کہئے۔۔۔۔!" پائل نے تڑپ کر اس کے منہ پہ ہاتھ رکھتے ہوئے کہا اور اس سے الگ ہو کر اندرونی کمرے میں بھاگ گئی۔ کیونکہ اب وہ شوہر کے پیار کی تاب نہ لا سکتی تھی اور اس کی معصوم محبت سے کھیل کر اپنے ضمیر کا گلا نہ گھوٹ سکتی تھی۔

دن گنہ رتے گئے۔ ماں اور بیٹے کی خوشیوں کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ لیکن پائل دن بدن زرد پڑتی جا رہی تھی۔ اس کا ضمیر ہر لمحہ اسے کچوکے لگاتا رہتا۔ ماں اس کے کھانے پینے کا خیال رکھتی، اسے ہر بُرے سائے سے بچانے کی کوشش کرتی۔

اشوک تو اس کو خوش رکھنے کے لئے ہر وقت اس سے چپکا ہی رہتا۔ اس کے لئے قیمتی انگریزی دوائیاں اور ٹانک لاتا لیکن وہ نہیں جانتا تھا کہ جس غم میں وہ گھلی جا رہی ہے اسے کوئی ٹانک دور نہ کر سکتا تھا۔ کبھی کبھی تو وہ سوتے سوتے آدھی رات کو اچانک ایک چیخ مار کر جاگ جاتی۔ اس کا جی

چاہتا سینے کا بوجھ ہلکا کرنے کے لئے پتنی کو سب کچھ بتا دے۔ لیکن ایک بھارتی استری ہونے کے ناطہ وہ اس کی ہمت اپنے اندر نہ پاتی۔ ایک دوبار تو اس نے اپنے آپ کو زینے سے دھکیل کر اس پاپ سے نجات پانے کی بھی کوشش کی لیکن قدرت نے اس کا ساتھ نہ دیا۔ شاید اس کی ممتا کا پھول اس کے جذبات و احساسات کے طوفان کی پرواہ نہ کرتے ہوئے ہر قیمت پر کھلنا چاہتا تھا۔

آخر وہ دن آ گیا، جس کا سارے گھر کو انتظار تھا۔ امیدوں کا پھول ان کے آنگن میں کھل گیا۔ پاٹل نے ایک خوبصورت سے لڑکے کو جنم دیا۔ ہر طرف خوشی کے شادیانے بجنے لگے۔ اشوک تو خوشی سے پاگل ہوا جا رہا تھا اور اس کی ماں پڑوس کی ان عورتوں کو بڑے اکڑ اکڑ کر یہ خوشخبری سنا رہی تھی جو اس کی بہو کو بانجھ سمجھ کر آوازے کستی تھیں۔

گھر کی دیوڑھی پر فارم پر کام کرنے والوں اور دوسرے حاجت مندوں کی بھیڑ لگ گئی۔ اور سمترا دیوی کسی کو روپیہ، کسی کو کپڑے اور کسی کو گندم چاول دے کر اپنی خوشی کا اظہار کر رہی تھیں۔ انہیں اپنے گھرانے کا جو وارث چاہیئے تھا وہ ان کو مل گیا تھا۔

اسی خوشخبری کو لے کر گردوار کو سمترا دیوی اور اشوک بال یوگی کے درشنوں کو بھی گئے۔ یہ خبر سن کر بے ساختہ ان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔ لیکن پھر جلد ہی اپنے جذبات پر قابو پاتے ہوئے انہوں نے دونوں کو آشیرواد دیا اور ان کی بہو کو چالیس روز تک باہر نہ نکلنے کا حکم دے کر آگے بڑھ گئے۔

ٹھیک چالیس روز بعد اشوک اپنی پتنی اور بچے کو لے کر بال یوگی کے استھان

پر حاضر ہوا۔ پائل تو وہاں نہ آنا چاہتی تھی۔ لیکن جب اس کی ساس اور پتی نے مجبور کیا تو وہ ان کی خوشیوں کو بھنگ نہ کرنے کے خیال سے پتی کے ساتھ ہو گئی۔

جب وہ دونوں بال یوگی کے سامنے پہنچے تو انہوں نے مسکراتی ہوئی نظروں سے ان کا سواگت کیا۔ اشوک نے مسکراہٹ کا جواب بڑی شردھا سے ان کے پاؤں چھو کر دیا لیکن پائل بچے کو گود میں لئے بڑی گم سم سی کھڑی رہی اس کی نگاہیں شرم سے زمین پہ جھکی ہوئی تھیں اور بدن کپکپا رہا تھا۔

"لاؤ۔ بچہ میری گود میں لاؤ!" بال یوگی نے اس کی دلی کیفیت بھانپتے ہوئے کہا۔

پائل نے کانپتے ہاتھوں سے بچہ بال یوگی کے ہاتھوں میں تھما دیا اور چور نگاہوں سے ان کے چہرے کی رنگت کو دیکھنے لگی جو بچہ کے گود میں آتے ہی بدل گئی تھی اور وہ بڑی شفقت بھری نظروں سے اسے دیکھ رہے تھے۔

"مہاراج۔ اب اس معصوم کو بھی آپ کا آشیرواد چاہیئے!" اشوک نے ملتجیانہ انداز میں کہا۔

"وہ تو مل گیا اسے۔ دیکھ نہیں رہے اس کے مستک کا نشان۔ یہ ترشول کا نشان بڑا بھاگیہ شالی ہوتا ہے۔ تمہارے گھرانے کی کایا پلٹ کر رکھ دے گا یہ بچہ....!"

بال یوگی نے بلند آواز سے اور نگاہ اُٹھا کر پائل کو دیکھا جو ایک گنہگار کی

طرح ان کے دربار میں کھڑی تھی۔ وہ زندگی کی اس اُلجھن میں جکڑی ہوئی تھی جہاں اس کا پیار اور پتی ورتا پن ایک فریب بن چکا تھا اور ممتا ایک گناہ۔

بال یوگی نے اپنے ایک چیلے کو اشارہ کیا جو فوراً ہی شہد کی ایک شیشی لے آیا۔ بال یوگی نے انگلی پر شہد لگا کر بچے کو چٹا دیا۔ اور پائل کی طرف دیکھتے ہوئے بولے

"بھگوان کی یہ دین بڑی مشکلوں سے تیری گود میں آئی ہے۔ جی جان سے اس کا پالن کرنا!"

"کون ایسی ماں ہے جو اپنے بچہ کی دیکھ بھال نہیں کرتی؟" پائل ذرا کرخت لہجہ میں بولی۔

"میرا مطلب تھا اس سلسلے میں لاپرواہی نہ برتنا۔" وہ مسکرا کر بولے

"نہیں مہاراج۔ لاپرواہی کیسے ہو سکتی ہے۔ اسے تو ہم دل و جان سے لگا کر رکھیں گے!" اشوک پائل کے بولنے سے پہلے ہی جلدی سے بول اُٹھا۔ کیونکہ اسے ڈر تھا۔ وہ ان کی نشان میں کوئی گستاخی نہ کر ڈالے۔

پائل نے اپنے بچہ کو ان کے ہاتھوں سے لے لیا۔ لیکن واپس جانے سے پہلے اشوک نے بال یوگی سے پوچھ لیا۔

"اس بچے کا نام کیا رکھیں مہاراج؟"

"چندن۔۔۔۔!" ان کے منہ سے فوراً نکل گیا۔

چندن کا نام سنتے ہی پائل کے بدن میں ایک لرزش ہو کر رہ گئی۔ اس نے نظریں اُٹھا کر بال یوگی کی طرف دیکھا تو ان کی آنکھوں میں مسرت کے آنسو

ناچ رہے تھے۔ شاید وہ آج اپنے پیار کی نشانی کو دیکھ کر اپنے ادھورے سپنوں کی تکمیل کا احساس کر رہے تھے۔ پائل اب ان کا سامنا دیر تک نہ کر سکی اور بچّہ کو سینے سے لگائے مٹھ سے باہر نکل گئی۔ اشوک نے جانے سے پہلے بال یوگی کے پاؤں چھوئے اور پائل کے پیچھے پیچھے باہر نکل گیا۔

پلکوں کے پیچھے امنڈتے آنسو اچانک برس پڑے۔ بال یوگی کو محسوس ہوا جیسے برسوں کا جما ہوا درد دل میں گھل گیا ہے۔ اچانک وہ ایک چیلے کی آواز سن کر چونک پڑے جو پوچھ رہا تھا۔

"یہ کیا مہاراج۔ آپ کی آنکھوں میں آنسو؟"

"ہاں دھیرج۔ خوشی کے آنسو۔ اس بچّہ کو دیکھ کر اچانک اپنا بچپن یاد آگیا!"

"آپ کو سب یاد ہے کیا؟"

"کیوں نہیں۔ ہر آدمی کو اپنا بچپن اور ماں باپ یاد رہتے ہیں۔ ماں تو ہر کسی کو جنم دیتی ہے چاہے کوئی پاکھنڈی ہو یا یوگی، چور ہو یا سادھو، سنیاسی ہو یا تیاگی.....!"

"آپ کی ماں نے کبھی آپ سے ملنے کی کوشش نہیں کی؟"

"بیٹے کے غم میں پاگل ہو گئی تھی بے چاری۔ اور اسی پاگل پن نے اس کی جان لے لی"

"اور پتا؟"

"ہوش سنبھالنے سے پہلے ہی کھو بیٹھا تھا انہیں!"

"شاید اسی لئے آپ نے یوگ اپنا لیا تھا؟"

"میں نے اپنایا نہیں۔ نصیب مجھے یہاں کھینچ لایا!"

"آپ نے کبھی گرہستھ کے بارے میں نہیں سوچا مہاراج؟"

"نہیں۔۔۔۔!" انہوں نے اپنے جذبات پہ قابو پاتے ہوئے کہا اور پھر کڑی نظر سے دھیرج کو دیکھتے ہوئے بولے "یوگی کو کبھی اس بارے میں سوچنا بھی نہیں چاہیئے۔۔۔ یہ پاپ ہے۔۔۔!"

دھیرج نے دیکھا اس کے گرو کی آنکھیں غصّے سے سرخ ہو گئی تھیں وہ سہم کر پیچھے ہٹا۔

"شما کیجئے مہاراج۔ بھول ہو گئی۔۔۔۔!" اس نے ڈرتے ڈرتے کہا اور جلدی سے باہر نکل گیا۔

بال یوگی دھیرے دھیرے اپنے آپ میں آ گئے۔ چند لمحوں تک وہ کچھ سوچتے رہے اور اچانک جیسے اپنے آپ سے بڑبڑا اٹھے۔

"نادان بالک۔ بھول تیری نہیں۔ میں ہی کچھ دیر کے لئے اپنی بھاؤناؤں کے دھارے میں بہہ گیا تھا۔۔۔۔!"

اسی وقت کہیں دور بادل گرجتے ہوئے سنائی دیئے۔ اور وہ اس گرج کی طرف متوجہ ہو گئے شاید ان کے دل کی طرح باہر بھی کہیں طوفان آیا ہوا تھا۔

رات آدھی سے زیادہ بیت چکی تھی۔ آسمان پہ گھنے بادل چھائے ہوئے

تھے اور رہ رہ کر تھوڑے تھوڑے وقفہ سے گرجنے لگتے تھے۔ ایسا لگتا تھا۔ جلد ہی زوردار بارش شروع ہونے والی ہے۔

اشوک اپنے بیڈروم میں پلنگ پر بیٹھا کچھ لکھ رہا تھا۔ اس کے قریب لیٹی پائل اپنے بچے کو پلنگ کے برابر لٹکے پالنے میں سلاتے سلاتے خود بھی سوگئی تھی۔ اچانک بادل بہت زور سے گرجے تو پائل کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے جلدی سے بچے پر ہاتھ رکھ دیا اور روشنی کا احساس کر کے پلٹ کر دیکھا تو اشوک کو کچھ لکھتے دیکھ کر پوچھ بیٹھی۔

"آپ ابھی تک سوئے نہیں؟"

"نہیں.....!"

"کیا لکھ رہے ہیں اس وقت؟"

"مہمانوں کی لسٹ بنا رہا ہوں منّے کے نام کرن کی اتنی شاندار پارٹی ہوگی کہ ناسک والے زندگی بھر نہ بھولیں گے۔ شہر کا کوئی زمیندار سرکاری افسر، سیاسی نیتا، وکیل، جج، بزنس میں چھوٹے نہ پائے گا۔ سوچا ہے بمبئی کے بھی کچھ خاص دوستوں کو بلالوں.... تم بھی اپنے رشتہ داروں کو بلانا چاہو تو ان کے نام پتے لکھا دو!"

"میرا پاپا کے سوا اس دنیا میں اور تھا ہی کون!" پائل نے ایک ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے کہا۔

"وہ ہوتے تو کتنا خوش ہوتے آج!" اشوک نے سورگیہ کرنل صاحب کو یاد کرتے ہوئے افسوس سے کہا اور کچھ رک کر پوچھ بیٹھا "اور کوئی دوست یا سہیلی

تو ہو گی ؟"

" آپ کے سوا اور کوئی نہیں . . . . میرے تو سبھی کچھ آپ ہیں !" پائل نے اس کے قریب سرکتے ہوئے کہا اور اس کی گود میں اپنا سر رکھ دیا۔

اشوک قلم ہاتھ سے چھوڑ کر بستر پر لیٹ گیا اور اسے سینے سے لپٹاتے ہوئے جذباتی لہجہ میں بولا۔

" جانتی ہو پائل۔ تم نے اس بچہ کے روپ میں مجھے دنیا کی سب سے بڑی نعمت دے دی ہے۔ میں اپنے آپ کو دنیا کا سب سے خوش نصیب آدمی سمجھنے لگا ہوں"

" آپ کو اپنا وارث چاہیئے تھا نا۔ وہ میں نے دے دیا !" پائل نے اس کے سینے میں منہ چھپاتے ہوئے کہا۔

" میرا نہیں ہم دونوں کا . . . . ! ہم اسے اپنے پیار کی ٹھنڈی اور گھنی چھاؤں میں پالیں گے۔ اس پر کبھی دکھوں کا سایہ بھی نہ پڑنے دیں گے . . . . !" کہتے ہوئے اس نے پائل کے بالوں کو چوم لیا۔

پائل کو اس وقت اچانک یوں محسوس ہونے لگا جیسے وہ بچہ چیتن کا نہ ہو، اشوک ہی کا ہو۔ ہاں۔ اس پر چیتن کا کوئی حق نہیں ہے۔ اس نے سوچا اور وہ جذبات شدت سے بے قابو ہو کر پورے جوش کے ساتھ شوہر سے لپٹ گئی۔ وہ اسے بے تحاشا پیار کرنے لگی اور پھر اچانک کچھ یاد آتے ہی پوچھ بیٹھی " نام کیا رکھو گے اپنے بیٹے کا ؟"

" وہ تو بال یوگی نے بتا ہی دیا ہے۔ چندن سے اچھا اور کیا نام ہو سکتا ہے۔

جس میں بھینی بھینی خوشبو کے ساتھ ٹھنڈک بھی ہوتی ہے اور جو دیوتاؤں کی پوجا کے کام آتا ہے.....!"

"اور بھاگیہ والوں کی چتا بھی اسی سے جلائی جاتی ہے!" پائل نہ جانے کیا سوچ کر کہہ اٹھی۔

"پائل.....!" اشوک چیخ پڑا۔ اور پھر غصّہ سے بولا "یہ تمہاری زبان سے شبھ اوسروں پر ایسے اَشبھ شبد کیوں نکل جاتے ہیں؟"

پائل اس کے جواب میں کچھ نہ کہہ سکی اور شرمندہ سی ہو کر اس نے اپنی پلکیں موند لیں۔

"شاید تمہیں نیند آ رہی ہے..... چلو سو جائیں!" اشوک نے کہا اور سرہانے کی بتی بجھا کر پائل کو اپنی آغوش میں لیتے ہوئے آنکھیں بند کر لیں۔

نبھی آسمان پر زور سے بادل گرجے۔ اور دھواں دھار بارش ہونے لگی۔

چار روز کے بعد آج بادل پھٹے تھے۔ ماحول جیسے دھل کر نکھر آیا تھا۔ رات جتنی طوفانی تھی، صبح اتنی ہی دلکش اور سہانی تھی۔ اور اس صبح کو اور دل کش بنا دیا تھا، ہَوَن کے گرد بیٹھے ہوئے برہمنوں کے ان اشلوکوں نے، جن کا جاپ سمترا دیوی کی حویلی میں گونج رہا تھا۔

آج اشوک اور پائل کے بچے کا نام کرن سنسکار تھا۔ بال یوگی کے کہنے کے مطابق بچے کا نام چندن ہی تجویز ہوا۔

ہَوَن ختم ہوتے ہی گھر کے پروہت نے بچے کی جنم کنڈلی دیکھ کر "چندن" نام کو بہت ہی شبھ بتایا۔ اور سارے گھر میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ لوگ بڑھ بڑھ کر سمترا دیوی کو مبارکباد دے رہے تھے۔ سمترا دیوی ہر مبارکباد پر خوشی سے کھل اٹھتی تھیں۔ لیکن پائل کے چہرے سے کسی خوشی کا اظہار نہ ہو رہا تھا وہ اپنے آپ کو گھر کے کاموں میں کھو دینا چاہتی تھی۔ لیکن اس ہنگامے اور بھیڑ بھاڑ میں کسی کو اتنی فرصت نہ تھی کہ اس کی دلی کیفیت کا اندازہ لگا سکے۔

نام کرن کی رسم کے بعد سمترا دیوی نے اکیاون برہمنوں کو کھانا کھلوایا، انہیں سونے کی زنجیریں اور کپڑے تقسیم کئے۔ اس کے بعد وہ فارم کے مزدوروں اور غریبوں کی طرف متوجہ ہوئیں، جو صبح سے دروازے پر آس لگائے بیٹھے تھے اور بچے کی لمبی عمر کی دعائیں مانگ رہے تھے۔ سمترا دیوی نے انہیں جی کھول کر دان دیا۔ غریب، مزدور اور برہمن بچے کو دعائیں دیتے ہوئے رخصت ہو گئے۔

اشوک صبح ہی سے حویلی کو سجانے میں مصروف تھا۔ وہ آج کی پارٹی کو ایک یادگار پارٹی بنا دینا چاہتا تھا۔ جسے ناسک والے برسوں نہ بھلا سکیں۔ اس نے سجاوٹ میں کوئی کمی باقی نہ رکھی تھی۔ صبح سے شام تک پندرہ بیس مزدور اور بجلی والے اس کام میں لگے رہے۔ پھر جیسے ہی شام کا دھندلکا گہرا ہوا، پوری حویلی برقی قمقموں سے جگمگا اٹھی۔ دور سے دیکھنے پر تو ایسا لگ رہا تھا جیسے پھولوں اور جگمگاتے ہوئے زیوروں سے لدی پھندی کوئی نئی نویلی دولہن پھولوں کی سیج پر بیٹھی اپنے دیوتا کا انتظار کر رہی تھی۔

تبھی مہمانوں کی آمد شروع ہو گئی۔ اشوک اپنے ماما کے ساتھ دروازے پر کھڑا ہو کر ان کا استقبال کرنے لگا۔ ہر آنے والا حویلی کی سجاوٹ کی داد دیتا اور دل ہی دل میں اشوک کی امارت سے مرعوب ہوتا ہوا مہمانوں کی صف میں بیٹھ جاتا۔ اشوک کا دل خوشی سے پھولا جا رہا تھا اور وہ ہر مہمان کے آگے جیسے بچھا جا رہا تھا۔ تھوڑی ہی دیر میں ہال مہمانوں سے بھر گیا اور ملازم ان کی خاطر تواضع میں لگ گئے۔

اشوک کے خاندان کا دستور تھا کہ کسی بھی تقریب میں مہمانوں کو شراب نہیں

پلائی جاتی تھی۔ لیکن دوستوں کی فرمائش پر اس نے آج یہ دستور بھی توڑ دیا تھا۔ اور اس گستاخی کے لئے ماں کو سمجھا بجھا کر کسی طرح راضی کر لیا تھا۔ سمترا دیوی بھی اپنے گھرانے کا وارث پانے کی خوشی میں یہ اصول توڑ بیٹھیں۔

جوں جوں وقت گزرتا جا رہا تھا، حویلی کی چہل پہل بڑھتی جا رہی تھی۔ سمترا دیوی بچے کے پالنے کے پاس بیٹھی مہمان عورتوں کے تحفے پکوانے میں مصروف اور پائل رسوائی گھر میں مہمانوں کے لئے کھانا پکوانے میں مصروف تھی وہ ایک ایک چیز نہ صرف اپنی نگرانی میں تیار کروا رہی تھی بلکہ کچھ خاص چیزیں اپنے ہاتھ سے بھی بنا رہی تھی اور ہرنی کی طرح اِدھر اُدھر بھاگ دوڑ رہی تھی۔ اسے مہمانوں کی خاطر داری کے سوا اور کسی بات کا ہوش نہ تھا۔ تھوڑی دیر کے لئے اپنے غموں کو بھول کر وہ گھر والوں کی خوشیوں میں شریک ہو گئی تھی۔

ہال میں شراب کا دور شروع ہو چکا تھا۔ اسکاچ کی بوتلیں کھل رہی تھیں اور خالی ہوتی جا رہی تھیں۔ نوکر اندر سے اسنیکس لا لا کر رکھتے جا رہے تھے اور مہمان اُن پر ٹوٹے پڑ رہے تھے۔

پائل رسوئی گھر میں جلدی جلدی سموسے اور پکوڑیاں وغیرہ کڑکڑاتی ہوئی کڑاہیوں سے نکال نکال کر نوکروں کو باہر لے جانے کے لئے دے رہی تھی۔ کہ اسی وقت سمترا دیوی نے اسے پکار لیا۔

"آئی ماں جی....!" کہتے ہوئے وہ فوراً رسوئی گھر سے نکلی اور لپک کر بچے کے کمرے میں پہنچ گئی۔

بچہ کچھ بے چین سا ہو رہا تھا۔ سمترا دیوی پائل کو دیکھتے ہی بولیں۔

" سردی لگ رہی ہے شاید اسے۔ ذرا اس کی شال تو لا دو!"

" ابھی لائی ماں جی!" پائل نے کہا اور الٹے قدموں واپس ہو گئی۔

وہ تیزی سے سیڑھیاں چڑھتی ہوئی اوپر والے کمرے میں جا رہی تھی۔ کہ ایک دس بارہ سال کے بچے نے اچانک اسے مخاطب کر لیا۔

" بی بی جی۔۔۔۔ بی بی جی۔۔۔۔!"

اس کے قدم وہیں رک گئے اور وہ اس اجنبی بچے کو دیکھنے لگی جس کے ہاتھ میں ایک رنگین ڈبیہ تھی۔

" بال یوگی جی نے یہ دیا ہے!" اس نے وہ ڈبیہ پائل کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

" بال یوگی نے۔۔۔۔!" پائل کی زبان پر یہ الفاظ لڑکھڑا کر رہ گئے۔ اس نے جلدی سے اس ڈبیہ کو کھول کر دیکھا تو اس میں ایک چھوٹا سا سونے کا کنگن چمک رہا تھا اور اس کے ساتھ ایک پرچہ تھا۔ ابھی وہ پرچہ کھول کر پڑھ نہ پائی تھی۔ کہ اچانک کسی آہٹ پر چونک گئی۔ اس نے پلٹ کر دیکھا تو کچھ ہی دور پر بنسی کاکا کھڑے تھے۔ اس نے جلدی سے وہ ڈبیہ آنچل کی آوٹ میں کر لی اور اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

وہ بچہ چلا گیا۔ لیکن بنسی کاکا حیران نظروں سے اسے دیکھتے رہ گئے۔

" بال یوگی۔۔۔۔!" وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑائے اور سوچ میں ڈوبے ایک طرف کو بڑھ گئے۔

کمرے میں پہنچ کر پائل نے الماری کھول کر وہ ڈبیہ اس میں ڈال دی اور الماری

کو بند کر کے جلدی سے اس نے بچّہ کی شال اُٹھائی اور تیزی سے باہر نکل گئی۔ اس کنگن کی ڈبیہ نے اس کے ذہن کو اس وقت خواہ مخواہ بوجھل کر دیا تھا۔ وہ اسی اُلجھن میں شال لیئے بچّے تک چلی آئی اور اسے شال اوڑھا کر رسوئی گھر کی طرف ہو لی۔

جیسے ہی وہ رسوئی گھر میں داخل ہوئی باورچی نے سموسوں کی پلیٹ آگے بڑھا دی۔ اس نے نمک چکھا اور بولی۔

"ٹھیک ہے مجھے چکھائے بغیر کوئی چیز باہر نہ بھیجنا!" یہ کہہ کر وہ کڑھائی میں کھدکھدتے ہوئے سموسوں کی طرف متوجہ ہو گئی۔ اور کرچھی ہاتھ میں لے کر سموسوں کو اُلٹنے پلٹنے لگی۔

پارٹی کا زور دم بدم بڑھتا گیا۔ پائل انتھک ہوئی چیزوں کو تیار کر کے پہنچاتی رہی اسی وقت اچانک کسی نے پیچھے سے اس کی کمر پہ ہاتھ رکھ دیا تو وہ اچھل پڑی اور کرچھی سے کھدکھداتے ہوئے گھی کے چھینٹے اڑ کر اس کے کپڑوں پہ گر پڑے۔ اس نے غصّہ سے پلٹ کر دیکھا تو اشوک پیار سے اس کی کمر پہ ہاتھ رکھے مسکرا رہا تھا۔

"اوہ..... آپ!" وہ اپنے چہرے پہ نرمی پیدا کرتے ہوئے بولی اور پھر ذرا رک کر کہہ اُٹھی۔ "اگر کہیں گھی کے چھینٹے میرے چہرے پہ پڑ جاتے تو....؟"

"تو چاند میں داغ لگ جاتا۔ اور اس کا حسن اور نکھر جاتا!" اشوک نے مسکرا کر کہا۔

"کہیئے۔ کیسے آنا ہوا؟"

"شراب کچھ کم پڑ گئی ہے"

"تو اور منگا لیجیے نا!"

"اسی لئے تو آیا ہوں۔ سات آٹھ سو روپے چاہئیں!"

"تو لے لیجئے نا جا کر" اس نے کمرے میں اڑسا ہوا چابیوں کا گچھا اشوک کو دیتے ہوئے کہا۔ "میرے بٹوے میں رکھے ہیں۔ میں یہاں سے گئی تو سموسے جل جائیں گے!"

اشوک چابیوں کا گچھا لے کر تیزی سے اوپر والے کمرے میں پہنچا۔ وہ الماری کھول کر پائل کے بٹوے سے روپے نکالنا ہی چاہتا تھا کہ اس کی نظر کنگن والی خوبصورت ڈبیہ پر پڑی۔ اس نے وہ ڈبیہ کھول کر دیکھی تو اس میں ایک سنہرا کنگن جگمگا رہا تھا بچے کا خیال آتے ہی اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھر گئی۔ اس نے سوچا پائل نے یہ کنگن بچے کے لئے منگایا ہوگا۔ وہ ڈبیہ بند کرنا ہی چاہتا تھا کہ اوپری حصّہ میں رکھے ہوئے پرچے پر اس کی نظر پڑ گئی۔ وہ پرچہ کھول کر پڑھنے لگا۔

پائل۔ میں چاہوں بھی تو تمہاری اس خوشی میں شریک نہیں ہو سکتا۔
لیکن اپنے پیار کی نشانی کے لئے یہ کنگن بھجوا رہا ہوں۔ آشا ہے تم اسے
نہ ٹھکراؤ گی اور اسے بیٹے اوسر یر چند کو پہنا دو گی .... چیتن"

"چیتن" کا نام اشوک کی زبان پر یوں لڑکھڑا کر رہ گیا جیسے وہ نام زہر میں بجھا ہوا ہو۔ ساتھ ہی اس کے ذہن میں اس پارٹی کا منظر گھوم گیا جو بھاردواج جی نے اپنی بیٹی کی سالگرہ پر دی تھی اور پائل چیتن کے ساتھ ناچی تھی۔ اسے بال یوگی کے چہرے پر چیتن کا چہرہ صاف نظر آنے لگا جو اس کے گھر کے لئے دیوتا بنا بیٹھا تھا۔

اس نے غور سے اس تحریر کو پھر پڑھا اور پھر اس کنگن کو دیکھنے لگا جو بال یوگی

نے بھیجا تھا۔ تبھی اس کے ذہن کو اس خیال نے جھنجھوڑ کر رکھ دیا کہ چندن اس کا بچہ نہیں، بلکہ بال یوگی اور پائل کے پیار کے نشانی ہے۔ یہ سوچتے ہی وہ جھنجلا کر چلا اُٹھا۔

"نہیں نہیں.... ایسا ممکن نہیں.....!"

لیکن اب حقیقت سے منہ موڑنا بھی ممکن نہ تھا۔ ایک دلدوز چیخ اس کے منہ سے نکل گئی جو باہر کے شور میں دب کر رہ گئی۔ اس کا چہرہ پیلا پڑ گیا اور جسم پسینے سے تر ہو گیا۔ اسے پائل کی ایک بات یاد آنے لگی۔ اس کا دن رات کھوتے رہنا، بال یوگی کے منھ میں جانے سے انکار، اس کا دیا ہوا پرشاد نہ کھانا، کیا یہ سب ایک ناٹک تھا۔ اپنے گناہ پر پردہ ڈالنے کا ایک ڈھونگ رچایا تھا اس نے...

یہ سوچتے سوچتے اسے اپنے اندر کوئی چیز ٹوٹتی ہوئی محسوس ہوئی۔ سانس پھولنے لگا۔ کھانسی کا ایک زوردار جھٹکا آیا اور دل میں اچانک ناقابلِ برداشت درد اُٹھ کھڑا ہوا۔ اپنے ہاتھ سے اس نے اسے دبانا چاہا مگر درد بڑھتا ہی گیا تکلیف سے اس کی ٹانگیں کانپنے لگیں اور اس کے لئے کھڑا رہنا مشکل ہو گیا وہ جہاں کھڑا تھا دھیرے دھیرے وہیں بیٹھتا چلا گیا اور بیٹھتے ہی فرش پر ڈھیر ہو گیا۔ اس کی مٹھی میں وہ پرچہ اور کنگن ابھی تک بھنچا ہوا تھا۔

پائل رسوئی گھر میں اپنے کام میں مصروف تھی۔ جب ایک نوکر نے آکر اطلاع دی کہ اشوک کے دوست اسے بلا رہے ہیں تو اسے یاد آیا کہ وہ روپے لینے کافی دیر پہلے اپنے کمرے میں گیا تھا۔ تبھی اچانک اسے بال یوگی کے تحفے اور پرچے کا خیال آیا۔ اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ چابیاں دیتے وقت وہ بھول گئی تھی کہ جس الماری

ہیں روپے ہیں اسی میں وہ تحفہ اور چھٹی بھی ہے۔ کہیں وہ پرچہ اشوک کے ہاتھ نہ لگ گیا ہو۔ یہ سوچتے ہی اس کا سارا جسم ٹھنڈے پسینے میں نہا گیا اور وہ تیزی سے اوپر والے کمرے کی طرف دوڑ پڑی۔

کمرے میں پہنچتے ہی اس نے جو منظر دیکھا، اس نے پائل کے ہوش اڑا دیئے۔ اشوک فرش پر بے حس و حرکت پڑا تھا۔ اس کے منہ سے جھاگ نکل رہے تھے۔ اور وہ بڑی مشکل سے سانس لینے کی کوشش کر رہا تھا اس نے لپک کر اسے اٹھانا چاہا لیکن اس کا بدن بوجھل ہو چکا تھا۔ ایک دل سوز چیخ اس کے منہ سے نکل گئی۔ اسی وقت اس نے اس کی مٹھی میں وہ کنگن اور بال یوگی کا خط دیکھا تو جلدی سے وہ خط اس کی مٹھی سے نکال کر اس نے اپنے بلاؤز میں چھپا لیا اور اس کی گرفت سے کنگن بھی نکالنے کی کوشش کرنے لگی۔ اشوک نے آنکھیں کھول کر پھٹی پھٹی آنکھوں سے پائل کو دیکھا۔ لیکن کوشش کرنے پر بھی اس سے کچھ کہہ نہ سکا۔

پائل کی چیخ سنتے ہی مہمان اوپر دوڑ پڑے تھے اور چند دن بعد ہی کمرہ لوگوں سے بھر گیا۔ سب کے سب گھبرائے ہوتے اور بدحواس تھے۔

"اشوک بابو کو کیا ہوا؟"

"ارے کوئی ڈاکٹر کو بلاؤ!"

"دیکھو تو نبض ڈوبی جا رہی ہے۔"

نہ جانے کتنی آوازیں کمرے میں گونج رہی تھیں اور لوگ گھبرائے ہوتے اشوک پر جھکے پڑ رہے تھے۔ اسی بھیڑ میں ایک ڈاکٹر بھی موجود تھا۔ اس نے اشوک کے گرد سے بھیڑ کو ہٹایا۔ اس کی نبض دیکھی اور گھبرا کر بولا۔

"انہیں فوراً ہوسپٹل لے چلو!"

تین چار آدمیوں نے فوراً اشوک کو ہاتھوں پہ اُٹھالیا اور تیزی سے زینہ اترنے لگے۔ پائل بھی بے سدھ ہوئی ان کے پیچھے ہولی بنسی کا کا جو اچانک اپنے بھانجے کی حالت دیکھ کر ابھی تک بدحواس تھے۔ اچانک پلنگ پہ پڑی کنگن کی ڈبیہ کو دیکھ کر چونک پڑے اور کسی گہری سوچ میں ڈوب گئے۔ وہ نہ جانے کتنی دیر تک وہیں کھڑے اس ڈبیہ کو گھورتے رہے اور پھر بوجھل قدموں سے زینے کی طرف چل پڑے

سمنرا دیوی نے جب بیٹے کی یہ حالت دیکھی تو سر پیٹتے ہوئے اپنی وہیل چیئر بڑھا کر قریب آئیں اور چلا کر بولیں۔

"ارے مجھے بھی تو دیکھنے دو میرے بچے کو۔ مجھے بتاؤ اسے اچانک کیا ہو گیا۔ یہ بولتا کیوں نہیں۔ اشوک، اشوک.....!"

لیکن لوگ ان کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اسے اٹھائے ہوئے باہر نکل گئے۔

ڈاکٹر کا ہاتھ مریض کی نبض پہ ہی تھا اور وہ بار بار جلدی کی رٹ لگا رہا تھا۔

ایک شخص جلدی سے موٹر اسٹارٹ کر کے دروازے پہ لے آیا لیکن اسی وقت اشوک کی گردن ایک طرف لڑھک گئی اور جسم ٹھنڈا پڑ گیا۔ ڈاکٹر نے جلدی جلدی اس کا جسم ٹٹولا اور ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے کہا۔

"اب ہوسپٹل لے چلنے کی ضرورت نہیں!"

"کیا.....؟" ایک ساتھ کئی زبانوں سے نکلا۔

"HE IS NOMORE ALIVE" ڈاکٹر نے رومال سے پیشانی کا پسینہ پونچھتے ہوئے اعلان کر دیا۔

"نہیں نہیں۔۔۔۔!" ایک چیخ کے ساتھ پائل بھیڑ کو چیرتی ہوئی اشوک کی لاش کے پاس پہنچ گئی اور اس سے لپٹ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ اس نے اپنی چوڑیاں توڑ ڈالیں اور چہرہ ناخونوں سے نوچ کر لہولہان کر لیا۔

اسی وقت سمنرا دیوی بھی اپنی کمر سی بڑھاتی ہوئی وہاں پہنچ گئیں اور لڑکھڑا کر بیٹے کی لاش پر گر پڑیں۔ ان کی دلدوز چیخیں سنکر سارا مجمع دم بخود ہو گیا۔ کوئی آنکھ نہ تھی جس سے آنسو نہ برس رہے ہوں، کوئی ہونٹ نہ تھا جس سے سرد آہیں نہ نکل رہی ہوں۔ دیکھتے دیکھتے خوشی کا گھر ماتم خانہ بن گیا۔ جہاں چند لمحے پہلے قہقہے گونج رہے تھے، اب وہاں چیخوں، فریادوں اور سسکیوں کے سوا کچھ سنائی نہ دے رہا تھا۔

اشوک کی اچانک موت کی خبر بال یوگی کے مٹھ میں بھی پہنچ گئی چیتن کو جیسے سکتہ سا ہو گیا اور جب اسے یہ بتایا گیا کہ مرتے وقت اشوک کی مٹھی میں ایک سنہرا کنگن تھا تو اس کے دل کو ایک زبردست دھکا لگا۔ اسے پورا یقین ہو گیا کہ اشوک کی موت کا سبب اُس کا بھیجا ہوا تحفہ تھا کسی طرح اشوک نے وہ پرچہ پڑھ لیا اور وہ اس صدمہ کو برداشت نہ کر سکا۔ وہ اپنی اس نادانی پہ تڑپ اُٹھا اور اس کا ضمیر اسے اشوک کا قاتل ٹھہرانے لگا۔ اس نے پہلے اشوک کے حق پہ ڈاکہ ڈالا اور آج اس کی جان لے لی۔ اس کی بیوی کا سہاگ اجاڑ دیا۔ اس کے کانوں میں سمنرا دیوی اور پائل کی آہ و فریاد گونجنے لگی۔ ان کی دلدوز چیخیں سنائی دینے لگیں۔ اس نے پریشان ہو کہ اپنے دونوں کان بند کر لئے۔ لیکن چیخیں بدستور سنائی دیتی رہیں اور ساتھ ہی ساتھ پائل کی سلگتی ہوئی آہیں تھیں جو برابر اس کے کان چھیدتی رہی تھیں۔

"ڈھونگی۔ پاپی۔ ادھرمی۔ جس طرح تو نے میرے جیون میں انگارے بھرے ہیں۔ میری خوشیوں میں آگ لگا دی ہے، بھگوان نے چاہا تو تیرا جیون بھی آگ بن جائے گا۔ اور تو اسی آگ میں زندگی بھر جلتا رہے گا۔ جس آگ میں میں جل رہی ہوں۔"

"ہاں ہاں۔ میں اسی قابل ہوں۔۔۔۔" چتین کی زبان سے خود بخود نکلا اور اس کا جی چاہا کہ وہ دوڑتا ہوا پائل اور سمترا دیوی کے پاس جائے اور ان کے قدموں پہ سر رکھ کر اپنے گناہوں کی معافی مانگے۔ لیکن حالات کی مجبوریوں نے اس کے قدم روک لئے۔ اس کا ضمیر اسے اس قدر خوفزدہ کئے جا رہا تھا کہ وہ ان کے غم میں شریک ہونے کی جرأت بھی نہ کر سکتا تھا۔

پائل بیوہ ہو چکی تھی۔ کریا کرم کی رسمیں ختم ہو چکی تھیں۔ دکھوں کا ریلا ذرا کم ہو گیا تھا۔ آج اشوک کا تیرھواں تھا۔ جانے والے کو بھلا دینے کی آخری رسم۔ ہال کے ایک کونے میں پھولوں اور ہاروں سے لدی ہوئی اشوک کی تصویر رکھی تھی۔ گھر کا پروہت شانتی پاٹھ کر رہا تھا اور لوگ سر جھکائے، غم کی تصویر بنے بیٹھے تھے دوسری طرف عورتوں کے درمیان سمترا دیوی اور پائل پتھر کی مورتیاں بنی بیٹھی تھیں۔ روتے روتے اب ان کی آنکھوں میں آنسو بھی ختم ہو چکے تھے اور سوائے ٹھنڈی آہوں کے ان کے پاس کچھ بھی باقی نہ بچا تھا۔

پائل کے اس غم میں چتین کا بھی شریک ہونے کو جی چاہ رہا تھا۔ لیکن وہ کیا منہ لے کر جاتا اور کن آنکھوں سے پائل کو ودھوا کے روپ میں دیکھتا۔ اس لئے وہ چاہنے کے باوجود تیرھویں کی رسم میں شریک نہ ہو سکا۔ ہاں، اس نے ایک پیپل کے پتے پر اپنی

ہمدردی اور غمگساری کے چند الفاظ لکھ کر سمنترا دیوی کو تسلی کے لئے انہیں بھیج دیئے سمنترا دیوی نے وہ تحریر پڑھ کر پیپل کا پتہ پائل کی طرف بڑھا دیا۔ پائل کو لگا جیسے انہوں نے نرم و نازک پتے کے بجائے کوئی انگارہ اس کے ہاتھ پر رکھ دیا۔ اس نے نفرت سے اس پتے کو پھینکنا چاہا لیکن پھر لوک لاج کے خیال سے مٹھی میں بھینچ کر اسے مسل ڈالا۔

دھیرے دھیرے حویلی میں زندگی کے آثار پھر دکھائی دینے لگے سمنترا دیوی اپنا غم بھلانے کو چندن سے کھیلنے لگیں۔ وہ ہنستا تو اس کے ساتھ وہ بھی ہنس دیتیں لیکن پھر اچانک اس طرح سنجیدہ ہو جاتیں جیسے ہنس کر ان سے کوئی بھول ہوئی ہو۔ انہیں اپنی ہنسی بے محل معلوم ہوتی اور پائل تو جیسے ہنسنا بھول ہی گئی تھی۔ سمنترا دیوی کی نظر جب اس غم کے مجسمہ پر پڑتی تو وہ ایک ٹھنڈی آہ بھر کے رہ جاتیں۔ سارے گھر کو اس سے ہمدردی تھی۔ لیکن ایک شخص کی نظروں میں اس کا کردار مشتبہ تھا وہ تھے۔ بنسی کاکا۔ جب سے انہوں نے آشرم کے اس لڑکے کو بال یوگی کا دیا ہوا کنگن پائل کو دیتے ہوئے دیکھا تھا، ان کے دل میں پائل کے خلاف طرح طرح کے شک و شبہے سر ابھار رہے تھے۔ لیکن وہ اس کا اظہار کسی سے نہ کر سکتے تھے۔ وہ اس کنگن سے اشوک کی موت کا تعلق معلوم کرنے کے لئے بے چین تھے۔

پائل کے دل پر شوہر کی جوان موت کا غم کچھ اس طرح مسلط ہو گیا کہ وہ بچے کو بھی بھول سی گئی تھی اور اپنا زیادہ وقت اس کمرے میں گزارتی تھی جہاں اشوک کی موت ہوئی تھی۔ وہ اس کی ایک ایک چیز کو اٹھا کر دیکھتی اور سینے سے لگا کر روتی۔ ایک دن وہ الماری میں رکھے ہوئے اشوک کے کپڑے نکال کر دیکھ رہی تھی۔ کہ اچانک بچے کا کنگن اس کے ہاتھ میں آ گیا۔ اس کنگن نے جیسے اس کے سارے زخم ہرے کر دیئے

اور وہ اسے کسی زہریلے سانپ کی طرح نظر آنے لگا جس نے اس کے شوہر کو ڈس لیا تھا اس نے نفرت سے وہ کنگن اُٹھا کر کھڑکی سے باہر پھینک دیا۔

جو بلی کے باغیچہ کو ہفتوں سے پانی نہ ملا تھا اور ایسا لگ رہا تھا۔ اشوک کے غم میں پودے بھی مرجھائے جا رہے ہیں۔ باغیچہ کی یہ حالت دیکھ کر بنسی کاکا کو اس کی صفائی اور سچائی کا خیال آیا اور وہ مالی اور مزدوروں کو بلا کر اس کی نالیاں درست کروانے لگے۔

کھرپا چلاتے چلاتے اچانک ایک مزدور کو ایک پودے کے نیچے پائل کا پھینکا ہوا کنگن نظر آگیا۔ اس نے اسے اُٹھا کر اپنے انگوچھے سے صاف کیا اور بنسی کاکا کو دکھاتے ہوئے بولا۔

"یہ کنگن تو سونے کا معلوم ہوتا ہے!"

یہ سنتے ہی بنسی کاکا چونک پڑے اور لپک کر کنگن اس کے ہاتھ سے جھپٹ لیا انہوں نے غور سے دیکھا تو ایک بار پھر اس کنگن نے ان کے ذہن کے تار جھنجھنا دیئے ان کا شک یقین میں بدل گیا کہ اس کنگن کا اشوک کی موت سے ضرور کوئی تعلق ہے ورنہ بہو کو اسے اس طرح باغیچہ میں پھینک دینے کی کیا ضرورت تھی انہوں نے ایک نظر بہو کی کھڑکی کی طرف ڈالی اور اس کنگن کے بھید پر غور کرتے ہوئے آنگن کی طرف چل پڑے۔

بنسی کاکا ڈرتے ڈرتے سمترا دیوی کے قریب آگئے جو بچے کو جھولے میں جھلا رہی تھیں وہ ان کی آنکھوں کی بے چینی کو بھانپتے ہوئے فوراً پوچھ بیٹھیں۔

"کیا بات ہے۔ تم کچھ پریشان دکھائی دے رہے ہو؟"

"یہ کنگن دیکھ رہی ہو دے دی۔" انہوں نے جیب سے کنگن نکال کر انہیں دکھاتے ہوئے کہا۔

"یہ تو چندن کا ہے۔ تمہیں کہاں ملا؟"

"باغیچہ میں۔ شاید بہو نے پھینک دیا تھا!"

"وہ ایسا کیوں کرنے لگی؟"

"یہ کنگن اس کے پتی کی موت کا کارن ہو گیا تھا۔"

"کیا بکتے ہو.....؟"

"اس کنگن اور اشوک کی موت میں کوئی نہ کوئی تعلق ضرور ہے دے دی!" وہ ہچکچاتے ہوتے بولے اور پھر کچھ رک کر کہہ اُٹھے "میرا مطلب ہے۔ کوئی جادو، ٹونا .... یا اور کچھ.....!"

"تم کہنا کیا چاہتے ہو؟" وہ جھنجھلا کر بولیں۔

"یہی کہ اس کنگن کے آتے ہی گھر کا چراغ بجھ گیا۔ بہو اس کا بھید ضرور جانتی ہو گی!"

"تم پاگل تو نہیں ہو گئے بنسی۔ وہ پہلے ہی دکھوں کے پہاڑ کے نیچے دبی ہوئی ہے ہم اس کے دکھ کو ہلکا تو کر نہیں سکتے، الٹے ایسے سوال کر کے اس کے دکھوں کو اور بڑھا دیں..... جاؤ۔ اپنا کام کرو!" کہتے ہوتے انہوں نے بھائی کے ہاتھ سے وہ کنگن لے لیا۔

بنسی کاکا شرمندہ سے ہو کر چلے گئے اور سمترا دیوی کنگن کو دیکھتے ہوئے سوچ میں پڑ گئیں کہ کہیں سچ مچ اس کنگن میں کوئی بھید تو نہیں چھپا ہوا ہے۔ اس کے آتے ہی تو ان کا اکلوتا بیٹا ان سے ہمیشہ کے لئے جدا ہو گیا۔ مگر بال یوگی کی ان کے

بیٹے سے کیا دشمنی ہو سکتی ہے۔ وہ ان کے گھر کا، ان کی بہو کا برا کیوں چاہنے لگے۔ وہ تو اس گھر کے بھی خواہ ہیں۔ ان ہی کے آشیرواد سے انہیں اپنے خاندان کا وارث ملا ہے۔ پھر پھر ..... سوچتے سوچتے ان کا دماغ چکرانے لگا اور اس خیال کو انہوں نے ذہن سے جھٹکنا چاہا لیکن اس نے تو جیسے ان کے ذہن میں جڑ پکڑ لی تھی۔ لاکھ کوشش کرنے پر بھی وہ اس الجھن سے چھٹکارہ نہ پا سکیں۔

کچھ دیر بعد ہی بہو ان کے سامنے آئی تو اسے دیکھتے ہی وہ پوچھ بیٹھیں۔

"یہ کنگن بنسی لال کو باغ میں پڑا ہوا ملا ہے۔ کیا تم نے پھینکا تھا؟"

"ہاں ماں جی۔ اس منحوس نے گھر میں آتے ہی میرا سہاگ اُجاڑ دیا!" پائل نے جی کڑا کے کہا۔

"میں سمجھ گئی تھی۔ تم نے اسی لئے پھینکا ہوگا۔ لیکن بیٹی۔ یہ بال یوگی کا آشیرواد ہے اسے ٹھکرانے سے کہیں ہم پہ کوئی اور مصیبت نہ ٹوٹ پڑے۔"

"اب اور کونسی مصیبت ٹوٹنے کو باقی رہ گئی ہے؟" پائل نے جھلا کر کہا۔

"ایسا نہ کہو بیٹی۔ بھگوان نے ہم سے جیون کا ایک سہارا چھینا ہے، تو دوسرا دے دیا ہے۔ اس کا خیال کرو۔ کہیں ہم پہ کوئی آنچ نہ آجائے۔"

"ماں جی.....!" پائل تڑپ اٹھی۔

"ہاں بیٹی۔ اب میرا اور تمہارا وہی ایک سہارا ہے۔ اس لئے لو۔ اسے سنبھال کر رکھو!" کہتے ہوئے سمترا دیوی نے وہ کنگن پائل کے حوالے کر دیا اور کرسی دھکیلتی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئیں۔

پائل نے کنگن کو غور سے دیکھا تو اس میں اسے چیتن کا چہرہ نظر آنے لگا۔ تبھی اسے

وہ لمحہ یاد آگیا جب اس نے دیوانگی میں اپنے آپ کو چیتن کے حوالے کر دیا تھا۔ اچانک اسے ایسا لگا جیسے اشوک کا قاتل یہ کنگن نہ ہو۔ چیتن نہ ہو، بلکہ وہ خود ہو۔ اس نے پالنے میں سوتے ہوئے بچے کی طرف دیکھا تو اچانک ایک خوف ناک ارادے نے اس کے ذہن میں سر اُٹھایا کیوں نہ وہ اس پاپ کی نشانی کا گلا گھونٹ کر ہمیشہ کے لئے ختم کر دے اسی کے کان اس کے پتی کی جان گئی ہے۔ یہی اس کے سہاگ کا اصلی دشمن ہے۔ . . . اس کے ہاتھ تیزی سے بچے کی طرف بڑھے۔ لیکن بچہ خواب میں، مسکرا رہا تھا۔ جیسے اس کے خیالوں کا مذاق اڑا رہا ہو۔ اس کے ہاتھ رک گئے سینے میں ممتا کا سیلاب امڈ آیا۔ اس نے بچے کا گلا گھوٹنے کے بجائے دونوں ہاتھوں میں اس کا چہرہ لیا اور بے ساختہ چومنے لگی۔ بچے نے آنکھیں کھول دیں اور ماں کے بالوں کی لٹکتی ہوئی لٹوں کو پکڑنے کی کوشش کرنے لگا۔ پائل نے بے تاب ہو کر اس کے ننھے سے ہاتھ کو پکڑ لیا اور وہ سنہرا کنگن اس میں پہنا دیا۔ بچہ کنگن سے کھیلنے لگا اور پائل اسے بے بسی سے دیکھنے لگی۔

پائل سب کچھ بھول کر ساس کی سیوا، بچے کی دیکھ ریکھ اور بھگوان کی پوجا میں محو ہو گئی۔ اس طرح شاید وہ اپنے پاپ کا پرائشچت کرنا چاہتی تھی۔ سمنرا دیوی اس کی اس تبدیلی پر خوش تھیں۔ اس نے گھر کا سارا کاروبار سنبھال لیا تھا اور اس طرح صبح سے شام تک کام میں مصروف رہتی تھی۔

تھوڑے ہی دنوں میں گھر سے دکھوں کے سائے غائب ہو گئے اور ان کی جگہ ہلکی ہلکی خوشیوں نے لے لی۔ بچہ اب کلکاریاں بھرنے لگا تھا۔ اس کی کلکاریاں ساس اور بہو کے جیون میں، روشنی بکھیرنے لگی تھیں۔ اس دوران میں چیتن نے کئی بار پیغام بھیج کر پائل سے ملنے کی خواہش ظاہر کی۔ لیکن پائل نے نفرت سے اس کی خواہش کو ٹھکرا دیا۔ وہ چیتن کا سامنا نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اس لئے اس نے گھر سے نکلنا تقریباً بند کر دیا تھا۔ بس شام کا اندھیرا ہوتے ہی وہ مندر میں پوجا کے لئے ضرور جاتی تھی۔ وہاں کبھی کبھار اس کا سامنا پڑوس کی عورتوں سے ہو جاتا۔ وہ جب اس کی ودھوا جوانی پہ ترس کھاتیں یا کچھ اپنی فطرت کے مطابق اس کے زخمی دل

پر تیر چلاتیں تو وہ تڑپ اٹھتی۔

بنسی کاکا اب تک اس کی ٹوہ میں لگے ہوئے تھے۔ انہیں بہو کا گھر سے نکلنا بالکل پسند نہ تھا۔ کیونکہ وہ گھر کی جوان بیوہ کے بارے میں لوگوں کی باتیں برداشت نہ کر سکتے تھے۔ لیکن وہ مجبور تھے۔ سمترا دیوی کا بہو پر اٹل وشواس دیکھ کر انہیں کچھ کہنے کی ہمت نہ ہوتی تھی۔ لیکن ایک شام جب وہ منڈی میں فارم کا اناج فروخت کر کے گھر میں داخل ہوئے تو بہو کو گھر میں نہ دیکھ کر اپنے دل کی بات زبان پر لے ہی آئے۔ وہ اِدھر اُدھر دیکھ کر سمترا دیوی سے پوچھ بیٹھے۔

"ڈیڈی۔ بہو کہاں ہے؟"

"مندر گئی ہے!"

"اتنی شام کو اکیلی؟"

"تو کیا ہوا بھگوان کے گھر میں اکیلی جانے سے ڈر کس بات کا؟"

"لوگوں کی زبان کا۔ تم تو اس چار دیواری میں بیٹھی پوتے کو کھلایا کرتی ہو۔ تمہیں کیا معلوم۔ باہر کیا کیا چرچے ہو رہے ہیں"

"کیسے چرچے؟ سمترا دیوی نے ماتھے پر بل ڈال کر غصّہ سے پوچھا۔

"یہی کہ ساس نے جوان بہو کو ڈھیل دے رکھی ہے۔ وہ اندھیرے اُجالے جب چاہتی ہے گھر سے نکل جاتی ہے۔"

بکنے دو لوگوں کو!" وہ بھڑک گئیں اور پھر ذرا رک کر بولیں" وہ دن میں صرف ایک بار گھر سے نکلتی ہے۔ وہ بھی پوجا کے لئے۔ ایسی دیوی سمان بہو کو جو لوگ بُرا کہیں گے ان کی برائی انہیں کے آگے آئے گی!"

" وہ تو ٹھیک ہے دے دی۔ لیکن زمانے کی ہوا بدلتے دیر نہیں لگتی۔ کوئی اونچ نیچ ہو گئی تو گھر لنے کو کلنک کا ٹیکہ لگ جائے گا!"

" بنسی ..... !" وہ چیخ کر بولیں " میں آئندہ تمہاری زبان سے ایسی بات نہیں سننا چاہتی۔ میری بہو دیوی سمان ہے دیوی۔ میں اس کے بارے میں ایسا سوچنا بھی پاپ سمجھتی ہوں سمجھے ..... ؟" کہتے ہوئے وہ پھر بھائی کی بات سنے بغیر تیزی سے کرسی دھکیلتی ہوئی آنگن کی طرف چلی گئیں۔

بنسی کاکا بت بنے وہیں کھڑے رہ گئے۔ اچانک کسی کی آہٹ نے انہیں چونکا دیا۔ انہوں نے پلٹ کر دیکھا تو بہو ایک ہاتھ میں پوجا کی تھالی لئے دوسرے ہاتھ سے سر کا آنچل ٹھیک کر رہی تھی۔ وہ ان کی طرف بڑھتی ہوئی بولی۔

" کاکا۔ ہنومان جی کا پرشاد!"

انہوں نے جلدی سے دونوں ہاتھ بڑھا کر پرشاد لے لیا۔

" ماں جی کہاں ہیں ؟" پائل نے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے پوچھا۔

" وہ ..... وہ آنگن کی طرف گئی ہیں!"

پائل پرشاد لئے ہوئے آنگن کی طرف چل پڑی۔ بنسی کاکا نے گہری نگاہوں سے اس دیوی سمان ودھو کو دیکھا۔ اور انہیں دے دی کے کہے الفاظ یاد آ گئے۔ " میری بہو دیوی ہے۔ دیوی۔ میں اس کے بارے میں ایسا سوچنا بھی پاپ سمجھتی ہوں!"

انہوں نے اس کا دیا ہوا پرشاد آنکھوں سے لگایا اور شردھا سے کھا لیا۔

شام کے گہرے دھندلکے میں بنسی کاکا فارم سے تھکے ماندے واپس آرہے تھے۔ کہ انہوں نے دیکھا پوجا کی تھالی لئے پائل مندر کی طرف چلی جارہی ہے وہ جہاں تھے وہیں ٹھٹک کر کھڑے ہوگئے ان کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب انہوں نے دیکھا کہ پوجا کی تھالی کو مندر کی چار دیواری پر رکھ کر پائل اِدھر اُدھر دیکھتی ہوئی بال یوگی کے آشرم کی طرف چل پڑی۔

ان کے دل میں دبے ہوئے سارے شکوک و شبہات نئے سرے سے تازہ ہوگئے۔ اور وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اسے دیکھتے رہ گئے۔

پائل آشرم میں بلا جھجک داخل ہوگئی اور احاطہ کو پار کرتے ہوئے سیدھی بال یوگی کے مٹھ میں چلی آئی۔

"تم.....!" چیتن نے اسے دیکھتے ہی اُٹھتے ہوئے کہا۔

"ہاں....!" پائل نے تیوری چڑھاتے ہوئے کہا۔

"آخر تمہیں مجھ پر ترس آ ہی گیا!"

"میں پوچھ سکتی ہوں مجھے بار بار پیغام بھیج کر بلانے کا مطلب کیا ہے؟"

"میں اپنے من کا بوجھ ہلکا کرنا چاہتا ہوں!"

"وہ تو میرے پتی کے مرتے ہی ہلکا ہو گیا ہوگا"

"پائل.....!" چیتن تڑپ اُٹھا اور پھر بولا "میری جلتی ہوئی آتما پہ تیل نہ ڈالو۔ ورنہ میں بھسم ہو کر رہ جاؤں گا!"

"راون کبھی بھسم نہیں ہوتا۔ وہ رہتی دنیا تک جلایا جائے گا۔ مگر پھر بھی باقی رہے گا۔۔۔۔ رام کی آتما کو گھائل کرنے کے لئے۔۔۔۔ ہنسو بال یوگی۔ میرا رام مر چکا ہے۔"

"بھگوان کے لئے بس کرو پائل۔ جو کچھ ہوا، وہ ایک باپ کے دل کی مجبوری سے ہوا ہے۔ میں نے وہ کنگن اپنے بچے کے لئے بھیجا تھا۔ تمہارے پتی کی جان لینے کے لئے نہیں!"

"کیسا بچہ، کس کا بچہ۔۔۔۔؟" پائل نے تڑپ کر کہا۔

"ہمارا بچہ، ہمارے پیار کی نشانی!"

"اگر سماج کا ڈر نہ ہوتا تو میں اس پاپ کی نشانی کو اپنے ہاتھوں سے مٹا دیتی۔"

"تم ایسا کبھی نہیں کر سکتیں کیونکہ تم ایک ماں ہو!"

"تم میری ممتا کا امتحان لینا چاہتے ہو؟"

"نہیں۔ نہیں تمہارا بھولا ہوا پیار یاد دلانا چاہتا ہوں!"

"میں نے اس پیار کو اپنے پتی کی چتا میں جلا دیا!"

"یہ جھوٹ ہے۔ عورت اپنے پہلے پیار کو کبھی نہیں جلا سکتی وہ اسے کلیجہ سے لگائے ہوئے خود چتا کی آگ میں جل جاتی ہے۔ لیکن تمہاری یہ پھول سی جوانی جلنے کے قابل نہیں ہے۔ اسے راکھ ہونے سے بچا لو!"

"وہ تو اسی دن راکھ ہو گئی جس دن میرا سہاگ اجڑ گیا"

"نہیں۔ اب بھی کچھ نہیں بگڑا ہے۔ نہ تمہارے بدن پہ یہ ودھوا کا لباس اچھا

لگتا ہے، نہ میرے جسم پر بال یوگی کا چولا آؤ۔ ان دونوں کو اتار پھینکیں اور ایک نئی منزل کی طرف چل پڑیں۔ جہاں ہم صرف چیتن اور پائل رہ جائیں اور میں تمہاری اس اجڑی مانگ کو اپنے پیار کے سیندور سے بھر کر تمہیں پھر سہاگن بنا دوں!"

"ہندو استری کی مانگ ایک بار بھرتی ہے اور ایک ہی بار اجڑتی ہے۔ میں اپنے پتی کی بیوہ بن کر جینا پسند کروں گی، تم جیسے پاکھنڈی کی سہاگن بن کر نہیں۔۔۔۔۔ میں تم سے نفرت کرتی ہوں نفرت۔۔۔۔۔ یاد رکھ کہ نہ دی کہ میں مر جاؤں تو کبھی میری راکھ کو بھی نہ چھوتا۔۔۔۔۔!" کہتے ہوئے پائل واپس جانے کے لئے تیزی سے پلٹی۔

"پائل، پائل۔ مجھے اتنا غلط نہ سمجھو۔ میری بات تو سنو۔۔۔۔!" چیتن اس کی طرف لپکا۔ لیکن تب تک وہ باہر نکل چکی تھی۔

دروازے میں چھپے ہوئے بنسی کاکا نے اسے باہر نکلتے دیکھا اور جلدی سے آڑ میں ہو گئے۔ ان کے دل میں ایک طوفان اُٹھ رہا تھا جسے وہ بڑی مشکل سے دبائے ہوئے تھے۔ انہوں نے پہلے اندر جھانک کر مٹھ میں دیکھا جہاں چیتن پسینے میں شرابور ہو اذہنی اُلجھن کو دبانے کے لئے اپنی انگلیاں مروڑ رہا تھا۔ اور پھر پلٹ کر پائل کو دیکھا جو بھاگتی ہوئی چند پل میں ان کی نظروں سے غائب ہو چکی تھی۔

بنسی کاکا غصّے سے کانپتے ہوئے گھر میں داخل ہوئے اور سیدھے سمترا دیوی کے پاس پہنچ گئے، جو اپنے کمرے میں چندن کو کھلا رہی تھیں۔ بنسی کاکا نے بچے

کو نفرت سے دیکھا اور غصہ سے بولے۔

"اس ناگ کے بچے کو پھینک دو دیدی!"

"کیا بک رہا ہے!" سمترا دیوی برہم ہو کر بولیں۔

"ہاں دیدی۔ یہ ناگ کا بچہ ہے۔ اس نے تمہارے بیٹے کو ڈس لیا ہے!"

"اپنی کالی زبان بند کر بنسی۔ نہیں تو میں اسے کاٹ کر پھینک دوں گی!"

"کج میری زبان بند نہ ہو گی دیدی۔ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں سچ کہہ رہا ہوں۔۔۔۔ آنکھوں دیکھی اور کانوں سنی کہہ رہا ہوں!"

"ارے کیا دیکھا ہے۔ کیا سنا ہے تو نے۔ مجھے بھی تو کچھ بتا!"

"یہی کہ جس بہو کو تم دیدی سمجھ رہی ہو۔ وہ کلٹا ہے۔ اس کا سمندھ بال یوگی سے ہے۔ اور یہ بچہ بال یوگی کا بچہ ہے!"

"بال یوگی کا بچہ۔۔۔۔ ہوش میں تو ہے تو؟" سمترا دیوی نے چیخ کر کہا۔

"یقین نہیں آتا تو بہو سے جا کر پوچھ لو۔ وہ ابھی ابھی مٹھ میں بال یوگی سے ملنے گئی تھی وہ یوگی نہیں پاکھنڈی ہے۔ اس کا پرانا چیتن ہے!"

"چیتن۔۔۔۔!" سمترا دیوی کو یہ نام سن کر ایک دھکا سا لگا۔

"ہاں چیتن۔ اس نے اپنے بچے کے لئے سونے کا کنگن بھیجا تھا جو تمہارے اشوک کی موت کا کارن بن گیا۔۔۔۔ ایسی کلٹا اور بدچلن بہو اس گھرانے کے قابل نہیں۔ میں تو کہتا ہوں ماں بیٹے دونوں کو نکال باہر کرو۔ اس پاپ کی پوٹلی کا تمہارے گھرانے سے کوئی ناطہ نہیں ہے۔۔۔۔۔!"

تبھی کسی آہٹ نے دونوں کو چونکا دیا۔ انہوں نے پلٹ کر دیکھا تو بہو دروازے

پر کھڑی ان دونوں کی باتیں سن رہی تھی۔ اس نے گونگی نظروں سے ساس کو دیکھا اور اپنی سسکی کو دبانے کے لئے ساڑی کا آنچل منہ میں دبا لیا۔ پوجا کی تھالی اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر فرش پر جا پڑی اور وہ منہ چھپا کر بھاگتی ہوئی اپنے کمرے کا زینہ چڑھ گئی۔

سمترا دیوی اور بنسی کاکا نے خاموشی سے یہ منظر دیکھا اور پھر پلٹ کر ایک دوسرے سے نظر ملائی۔

"اب تو وشواش آیا میری بات پر دیدی کہ تمہاری بہو ایک کلٹا ہے۔ اور یہ بچہ......"

"خاموش.....!" سمترا دیوی نے ہونٹوں پر انگلی رکھتے ہوتے بھائی کی بات کاٹ کر کہا اور پھر آہستہ سے بولیں۔ "بھیا بہو کیسی بھی ہو۔ اس گھرانے کی بہو ہے۔ یہ مت بھولو کہ اس کی رسوائی میں ہی ہمارے خاندان کی رسوائی اور بدنامی ہے.....!"

"اور یہ بچہ.....؟"

بنسی کاکا نے حیرت سے پوچھا۔

"اس گھرانے کو ایک وارث کی ضرورت تھی۔ وہ مل گیا.....! یہ بات آج تو تمہاری زبان پر آگئی، آئندہ نہ آنے پائے میرے گھرانے کی لاج باقی رکھنا چاہتے ہو تو اپنا منہ سی لو۔ اسی میں ہم سب کی بھلائی ہے!"

بہن کی مجبوری کا احساس کرتے ہوئے ان کے گھرانے کی لاج بچانے کے لئے بنسی کاکا نے اپنا منہ سی لیا۔ اور چپ چاپ اپنے کمرے کی طرف ہو لئے سمترا دیوی

نے چندن کو دیکھا جو پالنے میں کھیلتے کھیلتے سو چکا تھا۔ انہوں نے نوکرانی رکمنی کو بلا کر چندن کو اس کی ماں کے پاس بھجوا دیا اور خود دکھوں کے اتھاہ سمندر میں ڈوب گئیں۔

بھید کھل جانے کے بعد ساس اور بہو کے درمیان شرمندگی کا ایک پردہ حائل ہو گیا تھا۔ دونوں کے بیچ شرم و جھجک کی ایک ایسی دراڑ پیدا ہو گئی تھی جس نے انہیں ایک دوسرے سے الگ کر دیا تھا اور دونوں ایک دوسرے کا سامنا کرنے کی ہمت اپنے اندر نہ پا رہے تھے۔

رات جوں توں کٹ گئی۔ صبح کے اجالے نے پھر سے آنگن میں جھانکنا شروع کر دیا۔ سمترا دیوی جب اپنے کمرے سے باہر نکلیں تو چندن کے رونے کی آواز سن کر بے چین ہو گئیں۔ وہ اوپر کے کمرے میں چیخ چیخ کر رو رہا تھا۔ انہوں نے رکمنی کو آواز دی اور بولیں۔

"رکمنی۔ ذرا دیکھ تو جا کر۔ چندن رو رہا ہے۔ کیا بہو اب تک سو کر نہیں اٹھی؟"

رکمنی بھاگتی ہوئی زینہ چڑھ کر پائل کے کمرے میں پہنچی تو پائل بستر پر بے حس و حرکت لیٹی ہوئی تھی چیختے چیختے بچے کا گلا خشک ہوا جا رہا تھا۔ رکمنی نے لپک کر اسے اٹھا لیا اور پائل کو جھنجھوڑتے ہوئے بولی۔

"بہو جی، بہو جی۔ دیکھو تو منا کتنا رو رہا ہے۔ بھوکا ہے شاید!"

لیکن جواب دینے کے بجائے پائل کے ہاتھ میں تھمی ہوئی زہر کی خالی شیشی فرش پر گر کر لڑھک گئی۔ رکمنی نے خوف زدہ نظروں سے شیشی کے ٹکڑوں کو

دیکھا اور پھر پائل کے بے جان چہرے کو دیکھ کر چیخ پڑی۔

"بہو جی..... یہ تم نے کیا کیا بہو جی.....!"

کچھ پل بعد ہی جب رکمنی بھاگتی ہوئی مالکن کے پاس یہ ہوش ربا خبر لے کر آئی تو سمترا دیوی کو لگا جیسے کسی نے پگھلا ہوا سیسہ ان کے کانوں میں ٹپکا دیا ہو۔ وہ حواس باختہ ہو کر چیخ پڑیں۔

"نہیں نہیں۔ ایسا نہیں ہو سکتا.....!"

اور پھر وہ ایک پتھر کی مورت بن کر رہ گئیں۔

سمترا دیوی کی آنکھوں کے سامنے بہو کی چتا تیار کی جا رہی تھی۔ اسے دیکھتے دیکھتے کسی فلم کی طرح اپنی پوری زندگی کا نقشہ ان کی آنکھوں کے سامنے پھر گیا انہیں وہ دن یاد آیا جب اشوک پیدا ہوا تھا۔ اسے دیکھ کر کیا کیا ارمان ان کے دل میں پیدا ہوئے تھے۔ پھر اپنے پتی کی موت انہیں یاد آئی۔ اشوک ابھی چھوٹا ہی تھا کہ انا تھ ہو گیا۔

ان کی خوشیوں پر دکھوں کا آسمان ٹوٹ پڑا۔ لیکن اشوک کو دیکھ دیکھ کر انہوں نے اپنا زندہ پاکاٹ دیا۔ وہ اس دن کے تصور کے سہارے جینے لگیں جب اشوک ان کے لئے بہو لائے گا۔ پھر بہو انہیں ایک پھول سا پوتا دے گی۔ وہ اس پوتے کو پا کر نہال ہو جائے گی۔ آخر بہو نے ان کے گھر میں قدم رکھا اور وہ پائل کو بہو کے روپ میں پا کر خوشی سے پھولی نہ سمائیں۔ وہ مسرتوں کی رنگین کلی بن کر ان کے آنگن میں کھلی تھی اور اس نے انہیں ان کے تصور کا پھول جیسا پوتا بھی دے دیا تھا لیکن

پوتہ ملتے ہی قسمت نے اچانک ان کا جوان بیٹا چھین لیا۔

اور پھر اس حویلی میں ایسی زہریلی ہوا چلی کہ ان آنگن میں کھلنے والی کلی بھی مرجھا گئی۔ وہی کلی اب چتا کی آگ میں جلائی جانے والی تھی۔ تھوڑی سی زندگی میں قسمت نے ان پر غموں کے کتنے بوجھ لاد دیئے تھے۔ ان کی جگہ کوئی دوسرا ہوتا تو شاید دکھوں کی زیادتی سے پاگل ہو جاتا۔ لیکن وہ تو دکھ سہتے سہتے جیسے پتھر کی ہو کر رہ گئی تھیں۔ ان کی آنکھوں کے سوتے بھی سوکھ گئے تھے۔

وہ بیٹھی بیٹھی بہو کی چتا کو گھورے جا رہی تھیں۔ اور آس پاس کھڑے ہوتے لوگ اس پتھر کی مورت کو ہمدردی اور عزت کی نگاہ سے دیکھ رہے تھے۔

سب دھوکا ہے۔ سب فریب ہے زندگی اور اس کی خوشیاں کچھ بھی نہیں۔۔۔۔!!

انھوں نے سوچا اور آس پاس کھڑے ہوتے لوگوں کو دیکھنے لگیں۔ جن میں بچے، جوان اور بوڑھے سب ہی شامل تھے۔ ان میں چند ایسے لوگ بھی تھے جو ان کے بیاہ میں شریک ہوتے تھے۔ کچھ اشوک کے بچپن کے ساتھی تھے اور کچھ ان کے گھرانے کے پشتینی خدمت گار تھے۔ سبھوں کی آنکھوں میں ہمدردی تھی، آنسو تھے اور ہونٹوں پر ٹھنڈی آہیں تھیں۔

سمترا دیوی کو یہ سب بھی ایک دھوکا، ایک فریب سا لگا اس دنیا میں کوئی کسی کا نہیں ہے۔ سب پل دو پل کے ساتھی ہیں۔ ان کے پتی، بیٹے اور بہو کی طرح دغا دے جانے والے۔ انہیں زندگی قدرت کا ایک بہت بڑا مذاق لگنے لگی۔ اور ایک زہریلی سی تلخ مسکراہٹ ان کے ہونٹوں پر ابھر آئی۔ نہ جانے کب تک

وہ انہی تصورات میں کھوئی رہتیں کہ اچانک چندن کے رونے کی آواز ان کے کانوں کے پردے سے ٹکرائی۔ وہ چونک کر ادھر متوجہ ہوتیں تو پاس کھڑی ہوئی ایک عورت نے روتے ہوئے بچے کو ان کی گود میں ڈال دیا۔ جو دادی کی گود میں آتے ہی چپ ہو گیا اور ٹمک ٹمک کر بھیڑ کو دیکھ کر کلکاریاں بھرنے لگا۔ اس کی کلکاریوں پہ عورتیں سسک سسک کر رونے لگیں۔ اس معصوم کو کیا معلوم کہ اس نے آج کونسی انمول شے کھودی۔

اسی وقت اچانک بھیڑ میں ایک ہلچل سی مچ گئی۔ ایک شور سا اُٹھا اور لوگ پلٹ پلٹ کر ایک طرف دیکھنے لگے۔ سمنترا دیوی اور بنسی کا کانے بھی ادھر دیکھا تو حیران رہ گئے۔

بھیڑ کو چیرتے ہوئے بال یوگی چتا کی طرف بڑھے چلے آرہے تھے لوگوں نے لپک لپک کر ان کے پاؤں چھونے شروع کر دیئے۔ لیکن انہوں نے کسی کو آشیرواد نہ دی اور چتا کے پاس پہنچ کر بت بن کر کھڑے ہو گئے۔

سمنترا دیوی نے آج پہلی بار ان مہاپرش سے آنکھ ملانے کی جرأت کی۔ انہوں نے ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر جھانکا تو آج ان آنکھوں میں انہیں کوئی نور نظر نہ آیا۔ چہرے پر کوئی تیج نہ دکھائی دیا۔ البتہ ایک بے پناہ غم ان کی آنکھوں سے امنڈتا ہوا نظر آیا۔ انہوں نے چتا کو نمسکار کیا اور پھر سمنترا دیوی سے مخاطب ہو کر ہمدردی کا اظہار کرتے ہوئے بولے۔

" تمہارا ہی کلیجہ ہے ماں۔ جو اتنے بڑے بڑے دکھوں کو جھیل گئی ہو۔ تمہاری جگہ اگر پتھر بھی ہوتا تو پانی ہو کر بہہ جاتا۔" کہتے کہتے ان کی آنکھیں بھیگ گئیں۔

"ہاں مہاراج۔ آپ نے کہا تھا یہ بچہ اس گھرانے کی کایا پلٹ دے گا۔ سو سچ مچ ہی کایا پلٹ دی اس نے۔" سمتر ادیوی بال یوگی کو گہری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے بولیں۔

"اس میں اس کا دوش نہیں ہے ماں۔ سب کرموں کا کھیل ہے!"

"ہاں۔ ٹھیک کہا آپ نے۔ کرموں نے ہی کھیل کھیلا ہے مجھ سے!"

انہوں نے معنی خیز لہجہ میں کہا اور بال یوگی نے اپنی نگاہیں جھکا لیں۔

اتنے میں چتا تیار ہوگئی اور اس میں آگ لگانے کے چرچے ہونے لگے۔ سمتر ادیوی نے بال یوگی کی طرف دیکھا اور کہہ اٹھیں۔

"آپ نے ہم پہ بہت کرپا کی ہے۔ ایک کرپا اور کریں گے مہاراج؟"

"کہیئے....!" بال یوگی نے چونکتے ہوئے کہا۔

"بہو کی چتا کو آگ آپ اپنے ہاتھوں سے لگا دیں۔"

"میں.... میں کیسے لگا سکتا ہوں؟" وہ گڑبڑا کر بولے۔

"میرا بیٹا رہا نہیں۔ چندن ابھی معصوم ہے۔ یہ ادھیکار آپ ہی کا ہے۔"

سمتر ادیوی کی بات سن کر بال یوگی کچھ سوچ میں پڑ گئے تو وہ ان آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے پھر بولیں۔

"ہاں مہاراج۔ یہ ادھیکار آپ ہی کا ہے!"

بال یوگی کو لگا جیسے سمتر ادیوی نے ان کے گناہ کو تاڑ لیا ہو اور وہ اسی لئے ان سے چتا کو آگ لگانے کی درخواست کر رہی ہوں۔ وہ لرز کر رہ گئے اور بات کو آگے نہ بڑھاتے ہوئے چتا میں آگ لگانے کے لئے آگے بڑھ گئے۔

بال یوگی کو اس بات پر آمادہ ہوتے دیکھ کر لوگوں کے چہروں پر خوشی کی ایک لہر دوڑ گئی۔ اور وہ سمترا دیوی کی بہو کو بھاگیہ وان سمجھنے لگے۔ جس کا انتم سنسکار ان مہاپرش کے ہاتھوں ہونا لکھا تھا۔

پروہت نے اشلوک پڑھتے ہوئے جلتی ہوئی چندن کی ایک لکڑی بال یوگی کے ہاتھ میں تھما دی۔ سمترا دیوی نے محسوس کیا لکڑی پکڑتے وقت بال یوگی کے ہاتھ کپکپا گئے۔ اور پیروں میں لرزش پیدا ہو گئی۔

وہ ان کی ذہنی کیفیت کو بخوبی سمجھ رہی تھیں۔ لیکن اور کسی کو اس بات کا احساس نہ تھا۔

بال یوگی نے جونہی چتا کی لکڑیوں کو آگ لگانا چاہا، انہیں لکڑیوں سے ڈھکی ہوئی سفید کفن میں لپٹی پائل کی لاش نظر آئی وہ ایک دھچکے سے پیچھے ہٹ گئے۔ انہیں لگا جیسے پائل کہہ رہی ہو۔

"میں اپنے پتی کی بیوہ بن کر جینا پسند کروں گی۔ تم جیسے پاکھنڈی کی پتنی بن کر نہیں۔ میں تم سے نفرت کرتی ہوں نفرت..... یاد رکھ لو دی، اگر میں مر جاؤں تو، تو میری رکھ کو بھی نہ چھونا.....!"

وہ کانپ کر رہ گئے۔ جلتی ہوئی لکڑی ان کے ہاتھوں سے چھوٹ کر گر گئی انہوں نے ڈری ڈری نظروں سے لوگوں کے حیران چہروں کو دیکھا۔ اور پھر بنا کچھ کہے پلٹ کر بھیڑ کو چیرتے ہوئے باہر نکل گئے۔

لوگوں میں پھر ایک ہلچل سی مچ گئی۔ یہ راز کسی کی سمجھ میں نہ آیا کہ آگ لگاتے لگاتے بال یوگی کو کیا خیال آگیا کہ وہ اچانک چتا کو چھوڑ کر چلے گئے۔

سمنزادیوی نے بال یوگی کو بوجھل قدموں سے لڑکھڑاتے ہوئے اپنے آشرم کی طرف جاتے دیکھا اور پلیٹ کر اپنے بھائی کو چتا میں آگ لگانے کا اشارہ کیا۔

بنسی کاکا نے بڑھ کر جلتی ہوئی لکڑی اُٹھالی اور سمنزادیوی کی گود میں کلکاریاں مارتے چندن کے ہاتھوں سے چھوا کر کے گھرانے کی بہو کی چتا کو آگ لگادی۔

ہوا کے تیز جھونکوں نے چتا کی آگ کو بھڑکانے میں مدد کی اور تھوڑی ہی دیر میں پائل کی لاش جل کر راکھ ہوگئی۔ چتا کے بھڑکتے ہوئے شعلوں کو دیکھ کر چندن ڈر گیا اور روتے ہوئے دادی کی گود میں منہ چھپالیا۔

سمنزادیوی نے اسے چھاتی سے لگا کر زور سے بھینچ لیا اور انہیں ایسا لگا جیسے وہ انہی کے شریر کا ایک انگ ہو۔ ان کے خاندان کا حقیقی وارث، جوان کی نسل کو آگے بڑھائے گا۔

اُس دن کے بعد بال یوگی کو پھر کسی نے نہیں دیکھا۔ ان کے بارے میں طرح طرح کی افواہیں گشت کرنے لگیں۔ کسی نے کہا وہ پرتما میں لین ہوگئے۔ کسی نے کہا انہوں نے سنسار کو تیاگ کر ہمالیہ کی گپھاؤں میں سنیاس لے لیا ہے....

لیکن حقیقت کسی کو نہ معلوم ہوئی کہ بال یوگی کہاں چلے گئے یہ ایک بھید تھا اور بھید ہی رہا.....

ان کا مٹھ اب بھی ان کے چیلے چلا رہے ہیں۔ لیکن اب اس کی وہ اہمیت نہیں رہی! بال یوگی نے مٹھ میں بھی چندن کا ایک پودا لگایا تھا! اس علاقے میں چندن تو ہوتا نہیں لیکن نہ جانے یہ جڑیں وہاں کیسے پنپ گئیں! ہوسکتا ہے یہ چندن سر بکھا اور کوئی پودا ہو۔

کعبے کی جو عظمت ہے میرے دل کی وہی ہے
اس گھر کا مکین اور نہ اس گھر کا مکین اور

اِک کعبہ اور سہی

عاطفہ تلاش اور دنیا کے بعد

یاسمین صوفی کا نیا ناول

عمدہ کتابت طباعت کے ساتھ

عنقریب شائع ہو رہا ہے

خیّام پبلشرز

چوک اُردو بازار ——— لاہور

پھول —— ایک لڑکی ہے، پھول کی طرح تر و تازہ، غنچہ کی طرح شگفتہ ، لیکن اس کے ارد گرد بھی کانٹے ہیں —— تعصب کے، تنگ نظری کے، رشک و حسد کے اور یوں، پھول کی زندگی نوکیلے کانٹوں کے حصار میں مقید ہے۔

پھول

ایک خاندانی المیہ —— جس نے ایک طویل اور پُر اثر کہانی کو جنم دیا —— پھول کا دامن رسوائیوں اور بدنامیوں سے آلودہ کرنے والے اپنے جال میں خود ہی پھنس گئے —— اُس کی بہار پلٹ آئی ، پھول، پھول کی طرح کھل اُٹھی ، غنچہ کی مہک واپس آ گئی۔

مشہور اور صاحب طرز ادیبہ مشرف تمیز ایم۔اے کی تخلیق

خیّام پبلشرز

: چوک اُردو بازار لاہور